تاریخی واقعات سے لبریز لرزہ خیز ناول

از

رئیس احمد جعفری

ناشر

چنگیز خان
ایک کشت و خون سے لبریز داستان

اِنتساب!

ابو طالب نقوی کے نام!

- اس لیے نہیں کہ وہ سابق انڈین سول سروس اور حال پاکستان سپیریر سروس کے ممتاز رکن ہیں۔
- اس لیے بھی نہیں کہ وہ کراچی کے چیف کمشنر ہیں اور جن کی شان دار شخصیت حاسدوں کو مغل اعظم کے روپ میں نظر آتی ہے۔
- صرف اس لیے کہ وہ ایک اچھے، اونچے اور شریف انسان ہیں۔

رئیس احمد جعفری

عالم اسلام پر چنگیز بجلی بن کر گرا تھا۔ اور اس نے امن و امان، عافیت اور سکون کی کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا!

مقتول مسلمانوں کی اگر فہرست تیار کی جائے تو معلوم ہوگا، اس ہزار سو برس کی مدت میں جتنے مسلمانوں کو چنگیز کی تیغ خون آشام نے موت کے گھاٹ اتارا، وہ سب سے زیادہ تھے!

چنگیز کی وحشت کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا اس کے خوف سے لرزہ بر اندام تھی، وہ بغیر لڑے جیتا جاتا تھا۔ اس کے دربار میں وقت کے ملوک و سلاطین، با ہمہ جاہ و جلال، چاکر کمترین کی طرح حاضر ہوتے تھے۔

لیکن..................

تاریخ کی ایک دل آویز شخصیت ...... جلال الدین خوارزم شاہ ....

ایسی ہے جس نے قدم قدم پر چنگیز کا مقابلہ کیا۔ اس کے تکبر اور نخوت کو پاؤں تلے روندا۔ اس کی جوع الارض اور سخت شخصیت کو للکارا۔ اس کی بے پناہ اور ہلاکت خیز قوت و طاقت سے ٹکر لی۔ جس نے بے سروسامانی کے باوجود دنیا کے اس سب سے بڑے شہنشاہ کا اس طرح مقابلہ کیا کہ بالآخر اس نے ہار مان لی!

یہی داستان آپ اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ناشر)

قلندر جرّہ باز آسمانہا

بہ بال او سبک گردد گرانہا

فضائے نیلگوں نخچیر کاہش

نمی گردد بگرد آشیانہا!

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں

تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟

علاءالدین خوارزم شاہ بڑے دبدبہ اور شان و شکوہ کا فرماں روا تھا...
.... عادل، شجاع، دلاور، مدبر، ہمہ صفت موصوف تھا۔ اولاد کے اعتبار سے بھی
اس کی خوش بختی لائق رشک تھی۔ کئی لڑکے تھے، سب کے سب سورما اور جیالے
لیکن ان سب میں جلال الدین، اپنے بانکپن، طرحداری اور وقار کے اعتبار سے
سارے خاندان میں ممتاز تھا۔ وہ ابھی نو عمر تھا۔ لیکن بڑے بوڑھوں کے کان کترتا
تھا فکر و خیال کے اعتبار سے بھی۔ وہ نہ صرف اپنے خاندان میں بلکہ مشرقی وسطیٰ کے
تمام شاہزادوں میں یکتا اور منفرد تھا۔ بظاہر اس کے لئے اس کا کوئی موقع نہیں تھا کہ
وہ باپ کا جانشین بن سکے۔ موروثی بادشاہت عمر کو دیکھتی ہے۔ اہلیت اور صلاحیت
کو نہیں دیکھتی، وہ اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے فرد فرید تھا، لیکن عمر میں بازی
لے جانا اس کے بس سے باہر تھا۔ کئی بھائی اس سے عمر میں بڑے تھے، اور بظاہر وہ
اسی لئے اس دنیا میں آیا تھا کہ ایک شاہی خاندان میں پیدا ہو کر، ساری زندگی عیش
و راحت اور آرام و آسائش میں گزار دے، لیکن اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے

وہ بڑا منچلا تھا۔ اور آثار کہے دیتے تھے کہ ایک دن وہ اپنے ہم عمروں اور معاصروں سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جائے گا۔ بہت ممکن ہے وہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے وقت کا سب سے بڑا فرماں روا ثابت ہو۔

ایک روز کا واقعہ ہے!

علاءالدین خوارزم شاہ ایک مہم کے سلسلے میں پایۂ تخت سے باہر گیا ہوا تھا، جب کبھی وہ باہر جاتا تھا تو اس کے لڑکوں کے لئے عید ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سب نے سیر و شکار کا پروگرام بنایا۔ مصاحبوں اور مرادیوں کو اکٹھا کیا۔ دوستوں اور ندیموں کو ساتھ لیا۔ اور کوئی کدھر، کوئی کسی طرف روانہ ہو گیا۔ باری باری سب نے جلال الدین سے اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلے لیکن کوئی اصرار بھی اس کے انکار کو اقرار سے نہ بدل سکا۔ آخر سب لوگ چلے گئے۔ اور وہ اپنے دوسرے علمی اور سیاسی مشاغل میں مصروف و منہمک رہا۔

مغرب کی نماز کے بعد بالعموم اس کے خاص خاص ندیم اور مصاحب اسکے خلوت کدہ میں جمع ہوتے تھے، اس مجلس میں نہ عیش و طرب کے پروگرام طے کئے جاتے، نہ ہوا و ہوس کی کہانیاں بیان کی جاتی تھیں۔ نہ لطفِ زندگی اور لذتِ حیات کے منصوبے تیار کئے جاتے تھے۔ نہ دوستوں سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ جب ہمارا وقت آئے گا تو نا اہلی اور نالائقی کے باوجود تمہیں اونچے اونچے منصبوں پر فائز کیا جائیگا، نہ دشمنوں اور مخالفوں کو دھمکایا جاتا تھا کہ آج اگرچہ تم ہماری دسترس سے باہر ہو لیکن جب عنانِ اقتدار و اختیار ہمارے ہاتھ میں آئے گی، تو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کولھو میں پلوا دیا جائے گا جائیداد ضبط کرلی جائے گی، اور کسی قسم کے رحم و رعایت کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ان باتوں کے برعکس اس مجلس میں، علماء، صلحاء، اور امورِ دین و سیاست کا ذکر ہوتا تھا

ان کے احوال و سوانح زیر بحث لائے جاتے تھے، قرآن اور حدیث کی تفسیر و تشریح پر گفتگو ہوتی تھی۔ فقہ اور سیاست کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا....
سلاطین ماضیہ کے روشن اور تابناک کارنامے زیر بحث لائے جاتے تھے۔ اور ملت اسلامیہ کی فلاح و صلاح کے مختلف پہلوؤں پر مشورت ہوا کرتی تھی۔

جلال الدین خوارزم شاہ کا خلوت کدہ بیک وقت، سیاست کدہ بھی تھا، بزم شاہی بھی اور ایوان علم و ادب بھی!

آج بھی مغرب کے بعد یہ مجلس جمی ہوئی تھی
حاضرین میں سے ایک شخص نور الدین نے کہا۔
۔ تعجب ہے ان دلچسپیوں میں حصہ نہیں لیتے جن میں آپ کے برادران والا مرتبت اور دوسرے افراد خاندان حصہ لیتے رہتے ہیں۔
جلال الدین نے جواب دیا۔
۔ ہاں بھئی اپنی اپنی طبیعت ہے!
ایک دوسرے شخص عین الملت نے کہا
۔ آپ بھی عجیب قسم کے شاہزادے ہیں، آپ کو تو مولوی ہونا چاہیے تھا!
جلال الدین:۔ ہر آدمی وہی ہوتا ہے جس کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے، خواہ وہ کسی ملا کے گھر پیدا ہو۔ یا بادشاہ کے محل میں!
عین الملت:۔ آپ کا رجحان طبع کیا ہے؟ ——
جلال الدین:۔ قوم اور ملت کی خدمت!
نور الدین:۔ اگر کبھی وہ وقت آیا کہ اختیار و اقتدار کی باگ آپ کے ہاتھ میں آئی تو

آپ کیا کریں گے۔

جلال الدین: (مسکرا کر) تم جیسے دوست کو قاضی القضاۃ بناؤں گا۔ نہ کسی دشمن کی گردن کاٹوں گا، ہر شخص کو وہ دوں گا جس کا وہ مستحق ہوگا، اور وہ چھین لوں گا جسکا اسے استحقاق نہیں!

عین الملک: تو پھر ہمیں اپنے مستقبل سے مایوس ہو جانا چاہیئے؟

جلال الدین: اگر تم نے مجھ سے دوستی کا رابطہ اس لئے قائم کیا ہے کہ ناجائز فائدے اٹھاؤ تو ضرور مایوس ہو جانا چاہیئے۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی غلط امید قائم کرے۔ نہ میں کسی سے کوئی غلط قسم کی توقع کرتا ہوں!

نور الدین: وفاداری ہماری سرشت بن چکی ہے۔ آپ ہمیں نوازیں۔ یا معتوب قرار دیں۔ ہم بہرحال آپ کے پسینہ پر اپنا خون بہا دیں گے۔

جلال الدین: یہ الگ بات ہے اس زمانہ میں وفاداری کا معیار بھی غیر اسلامی ہو گیا ہے!

عین الملک: یہ آپ نے عجیب بات فرمائی۔

جلال الدین: میں غلط نہیں کہتا...... تم لوگ غیر مشروط وفاداری کے عادی ہو چکے ہو۔ یہ غلامانہ ذہنیت ہے۔ اسلام اسے پسند نہیں کرتا۔ اسے مکروہ قرار دیتا ہے!

عین الملک: تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ وفاداری مشروط ہونی چاہیئے؟

جلال الدین: ہاں یہی مطلب ہے!

عین الملک: تو پھر یہ وفاداری نہ ہوئی سکار دبار ہو گیا...... کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں! اور شاید یہ غلط نہیں سمجھتا!

جلال الدین، تمہارا خیال صحیح ہے۔ وفاداری ذات سے نہیں مقصد سے ہونی چاہیئے!
نورالدین: ذات اور مقصد تو دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔
جلال الدین: ہاں ..... اور انہیں الگ ہی رہنا چاہیئے اور مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم ہر حالت میں میرے پسینہ پر اپنا خون بہاؤ؟ .... خون بڑی قیمتی چیز ہے اسے بیکار نہیں بہنا چاہیئے!
عین الملت: ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ خون صرف اس لئے ہے کہ آقا پر بہے۔
جلال الدین: آہا؟ ...... اسلام میں غلام اور آقا کوئی چیز نہیں ہر شخص اپنی زندگی کا مالک ہے اور یہ زندگی خدا کی امانت ہے۔ یہ صرف خدا ہی کے راستے میں صرف ہو سکتی ہے۔ اسے صرف خدا ہی کے لئے قربان ہونا چاہیئے...... سچ پوچھو تو، آج جو ہم ادبار و انحطاط کے شکار ہو رہے ہیں، وہ اس لئے، اگر ہم نے آقا پرستی کو اپنا شعار نہ بنایا ہوتا بلکہ مقصد اور اصول کے لئے جینا اور مرنا سیکھا ہوتا تو آج ہماری قوم زوال آشنا نہ ہوتی۔ اور جب تک ہم یہ نہ سیکھ لیں گے، ترقی کی منزل ہم سے دور ہوتی جائے گی، ادبار ہم پر غالب آتا جائے گا!
نورالدین: بات تو یہی ہے جو آپ نے فرمائی لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم دفعتاً اپنے معاشرہ کو بدل بھی تو نہیں سکتے اور اگر بدلنے کی کوشش کریں تو بجائے اس کے کامیاب ہوں، طرح طرح کی مشکلات اور موانع میں الجھ کر رہ جائیں گے!

جلال الدین: یہ کم ہمتی کی باتیں ہیں۔ انسان میں اگر عزم و ہمت ہو تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کوئی مشکل بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی!

عین الملت: آخر اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال آیا کیوں؟

جلال الدین: اس لئے کہ اس حقیقت کو واشگاف طور پر سمجھ لینے کی جتنی اس وقت ضرورت ہے کبھی نہیں تھی، اگر اب بھی ہم نے اس حقیقت کو نہ سمجھا، تو وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ جب کف افسوس ملنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔

نور الدین: آپ کی باتوں سے تو ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے کوئی خطرہ منڈلاتا ہوا آپکو نظر آرہا ہے۔ کیا واقعی؟

جلال الدین: ہاں بہت بڑا خطرہ۔ مہیب اور ہولناک خطرہ۔ ایسا خطرہ جو کسی ایک شخص کیلئے نہیں ایک خاندان کے لئے نہیں۔ ایک ملک کے لئے نہیں ساری ملت اسلامیہ کے لئے ہے، جس کا مداوا اگر اب نہ کیا گیا تو کبھی بھی نہیں ہو سکے گا۔ جس کے مقابلہ کی تیاریاں اگر آج نہ کی گئیں، تو پھر اس کے مقابلہ میں شکست ہزیمت، پسپائی، اور ذلت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ یہ وہ خطرہ ہے جو اسلام کے لئے، ملت اسلامیہ کے لئے، اسلامی تہذیب و تمدن کے لئے اسلامی معاشرت اور ثقافت کے لئے اسلامی علم و ادب کے لئے، اسلامی تعمیر اور ترقی کے لئے، ہلاکت ہے، بربادی ہے تباہی ہے!

نور الدین: لیکن اس کا علاج؟

جلال الدین :۔ باہم الفاظ ، صرف اتفاق باہمی ۔

عین الملت :۔ لیکن موجودہ حالات میں بے اتفاقی کچھ ممکن ہے ، اور اگر ناممکن ہے تو اتفاق باہمی ...... یہ نہیں ہو سکتا!

جلال الدین :۔ ہم مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں ، ہم مختلف علاقوں پر حکمرانی کر رہے ہیں ، لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جھاڑو کی بکھری ہوئی تیلیاں صرف اس لئے ہوتی ہیں کہ ہوا کا جھونکا آئے اور انہیں اٹھالے جائے ۔ خلافت عباسیہ کے جاہ وجلال پر ہمیں فخر ہے ، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ اندر سے کھوکھلی ہو چکی ؟ دولت خوارزم شاہی کے سینہ پر ، تم میں بہت سے لوگ اپنا خون بہانے کو تیار ہیں ۔ لیکن کیا یہ دولت ، کسی بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے مسلمانوں کی اور بھی بہت سی حکومتیں ہیں ، انہیں اپنی انفرادیت پر اصرار بھی ہے ، اور ناز بھی ، لیکن جس دن وہ طوفان آیا جس کا میں نے ابھی اشارہ کیا ہے تو ان میں سے ایک حکومت بھی اس کا وار نہیں سہ سکے گی ۔ اس کے برعکس اگر ہم متحد ہوں ، متفق ہوں ، ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک ہوں ، چھوٹے مفاد کو بڑے مفاد پر قربان کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں تو ہم پھر وہ طاقت بن سکتے ہیں ، جس کے رعب و داب سے یہ پہنائے عالم کانپا کرتا تھا ۔ ہماری عظمت کوئی بہت پرانی کہانی نہیں حال کا واقعہ ہے ، تاریخ کے صفحات ہماری عظمت کی داستان بیان کرتے ہیں ۔ دنیا کے چپہ چپہ پر ہماری سطوت اور کروفر کے آثار و نقوش موجود ہیں ، اب صرف اسی صورت میں باقی رہ سکتے ہیں ، کہ ہم ان کے

باقی رکھنے پر اڑ جائیں گے!
نورالدین:- ہم انہیں باقی رکھیں گے!
عین الملت:- ہم ان کے حفظ و بقا کے لیے کٹ مریں گے!
نورالدین:- آپ حکم دے کر دیکھ لیجئے،
عین الملت:- حکم نہیں، صرف اشارہ کرکے دیکھ لیجئے۔ کسی ایثار اور کسی قربانی سے ہم دریغ نہیں کرسکتے۔ اسلام کی حرمت، قوم کی عظمت، ملت کی عزت کیلئے ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے .... لیکن اب تک نہ معلوم ہوسکا وہ کون سا خطرہ ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے، لیکن ہمیں دکھائی نہیں دیتا!
جلال الدین:- کیا تم لوگوں نے چنگیز کا نام نہیں سُنا۔
نورالدین:- چنگیز؟ .... وہ لیٹرا؟ .... وہ صحرائی گوبی کا رہنے والا، اجڈ گنوار اور کندہ ناتراش انسان جو نہ لکھنا جانتا ہے نہ پڑھنا جو نہ تہذیب سے واقف ہے نہ تمدن سے؟ جسے نہ کھانا آتا ہے، نہ پہننا؟
عین الملت:- ہم تو سمجھتے تھے واقعی کوئی خطرہ ہوگا!
جلال الدین (طنز کے ساتھ):- اور بات بہت معمولی نکلی؟
عین الملت:- گستاخی معاف .... میں تو اسے خطرہ سمجھنے کے لئے مطلق تیار نہیں ہوں۔ وہ ہمارا کیا کرسکتا ہے۔ اگر اس نے ہمارے مقابلہ میں آنے کی جرأت کی، تو جو تھوڑا بہت کام اس نے اپنے جیسے گنوار دل پر فتح حاصل کرکے پیدا کیا ہے۔ اسے بھی ڈبو دے گا!

جلال الدین:۔ نہیں تم نہیں سمجھتے، وہ ایک بہت بڑی طاقت ہے، بہت بڑا فتنہ ہے، ایک ایسا طوفان ہے، جس کی ٹکر سہنا ناممکن ہے۔"

نورالدین:۔ ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔"

عین الملت:۔ لیکن مجھے شبہ ہے، اس کی صحت میں۔"

جلال الدین:۔ میرے بھائی صرف تم ہی کو نہیں، بہتوں کو شبہ ہے، کوئی بھی ان باتوں پر یقین نہیں کر سکتا، لیکن ایک بات یاد رکھو، حقیقت بہرحال حقیقت ہے، خواہ اسے تسلیم کیا جائے یا اس کے ماننے سے انکار کر دیا جائے۔۔ میں مانتا ہوں چنگیز لٹیرا ہے، جاہل ہے، گنوار ہے، لیکن وہ ذہین بھی ہے مدبّر بھی ہے۔ موقع شناس بھی ہے، ایک بہت بڑا جنگ آزما بھی ہے، وہ ایک صحرائی شخص ہے، لیکن اب وہ صحرا سے اکتا چکا ہے۔ اب اسے شہر کی رعنائیاں لبھا رہی ہیں، اب وہ صحراؤں پر حملے نہیں کرتا۔ اب اس کا لشکر شہروں کا محاصرہ کرتا ہے، انہیں فتح کرتا ہے۔ اور وہاں چنگیزیت کے ایسے مظاہرے کرتا ہے کہ روح کانپ اٹھتی ہے!"

نورالدین:۔ ممکن ہے یہ سب سچ ہو، لیکن اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس سے ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے، نہ ہم اس کے دشمن ہیں، نہ وہ ہمارا دشمن ہے نہ ہم اس کے مقبوضات کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں۔ نہ وہ ہمارے مفتوحات پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا ہے، اس کا کوئی ماضی نہیں، لہٰذا ہم اس کی عظمت نہیں تسلیم کرتے۔ ہمارا شاندار ماضی کئی سو برس تک پھیلا ہے، اور بدترین دشمن بھی ہماری عظمت کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے!

کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟

جلال الدین:۔ ہاں تم غلط کہہ رہے ہو، دنیا ہم میں اور چنگیز میں کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے، لیکن اس سے بڑا بھی کوئی اختلاف ہو سکتا ہے کہ ہم اسکی کشور کشائی میں حائل ہیں؟

عین الملک:۔ وہ کس طرح؟

جلال الدین:۔ جب تک وہ ہمیں فتح نہ کرلے، اس کی سربلندیاں مکمل نہیں ہو سکتیں!

نور الدین:۔ لیکن ابھی آپ فرما چکے ہیں کہ وہ موقع شناس اور مدبر بھی ہے!

جلال الدین:۔ ہاں میں نے یہ کہا تھا!

نور الدین:۔ اگر واقعی وہ موقع شناس اور مدبر ہے تو پھر ہرگز ایسی حماقت نہیں کر سکتا کہ ہم سے الجھے — کوئی عقلمند بھی بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہیں ڈالتا!۔

جلال الدین:۔ لیکن اس نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہمارا عزم دم توڑ چکا ہے، ہماری ہمت جواب دے چکی ہے، ہمارا ولولہ سرد ہو چکا ہے۔ ہمارا جوش ختم ہو چکا ہے؟ — اور اگر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو پھر میدان جنگ ہمارا اور اس کا فیصلہ کردے گا!

جلال الدین:۔ لیکن وہ فیصلہ کس کے حق میں ہوگا کیا یہ بھی تم بتا سکتے ہو؟

نور الدین:۔ ہمارے حق میں — وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا!

جلال الدین:۔ یہی خوش فہمی۔ تباہی اور ہلاکت کی بنیاد ہے۔

عین الملک:۔ تو خواہ مخواہ ہم اپنے آپ کو کمزور اور بے بس زدہ سمجھ لیں، آخر

کوئی بات بھی تو ہو!

جلال الدین:۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ متحد ہے! ہم منتشر ہیں وہاں، کسی قسم کا نزاع نہیں ہے، اور ہمارے یہاں ہزار ہا قسم کے اختلافات ہیں!

عین الملت:۔ آپ کی مراد کن اختلافات سے ہے؟

جلال الدین:۔ ان تمام اختلافات سے جو اس وقت موجود ہیں ۔۔ مذہبی سیاسی دینی ہر قسم کے اختلافات اور ان اختلافات نے ہمیں نکما بنا دیا ہے، ہماری قوت عمل سلب کر لی ہے، ہمیں خود غرض اور منافق بنا دیا ہے، جب تک ہم پھر (سیسہ) پلائی ہوئی دیوار نہ بن جائیں، کسی دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے!

اتنے میں عشاء کی اذان ہوئی اور مجلس برخاست ہو گئی!

چھٹی صدی ہجری کا آغاز ساری دنیائے اسلام کے لئے عام طور پر اور وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے لئے خاص طور پر قتل و غارت، تباہی و بربادی، ادبار و ہلاکت اور زوال و انحطاط کا دور تھا۔

اسی صدی کے آغاز میں تاتاریوں کا طوفان ایک سیل بلا کی صورت میں اٹھا اور ترکستان سے لے کر سارے وسط ایشیا اور روس تک چھا گیا!

یہ موت اور ہلاکت کا طوفان تھا،

اس طوفان کی زد میں آ کر لاکھوں مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دئے گئے"

ہزارہا مسلمانوں کو غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا،

صدہا آباد اور بارونق شہر خاک کے ڈھیر بن گئے! ——— ان شہروں کی بلند و بالا عمارتیں شاندار محلات و قصور، خوشنما اور مستحکم ایوان نظر میں کھب جانے والی مسجدیں، علم کدے، مدرسے، خانقاہیں، مقبرے مسمار کر دیئے گئے!

لہلہاتے ہوئے کھیت اور مرغزار روند ڈالے گئے!

جن مقامات کی تقدیس کا یہ عالم تھا کہ پرندے پر مارتے ہوئے ڈرتے تھے وہاں یہ وحشی اور سفاک انسان نما درندے، تاتاری گھسے، انھوں نے نہ مسجدوں کی حرمت کا خیال کیا، نہ خانقاہوں کے تقدس کو محسوس کیا، نہ مدرسوں اور مکتبوں کی عظمت تسلیم کی، جہاں پہونچے ہلاکت اور بربادی کا توشہ لے کر پہنچے جو کچھ نظر آیا اسے غارت کر دیا، زمین کے برابر کر دیا۔

وسط ایشیا کا وہ پورا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا، ویران و سنسان ہو گیا۔ جہاں تہذیب کی تخلیق ہوتی تھی تمدن کی بنا پڑتی تھی اور ثقافت کی ایجاد ہوتی، علم و فن کی تجدید ہوتی تھی، تعمیر اور تخلیق کے مظاہر آئے دن آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے۔ وہاں خاک اڑنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ وہ خطۂ ارض ہے، جہاں اب تک انسان کے قدم نہیں پہونچے، جہاں اب تک انسانیت پروان نہیں چڑھی جہاں اب تک بربریت اور درندگی کا دور دورہ ہے جہاں اب تک انسانی ذہن ناتراشیدہ ہے۔ نہ وہ کوئی جوہر رکھتا ہے نہ قیمت۔ اسلام کے نام لیواؤں پر ایسی مصیبت کبھی نہ آئی تھی، چشم فلک نے بہیمیت اور وحشت کے ایسے خونچکاں مناظر کبھی نہ دیکھے تھے۔ انسانی تصور نے ایسے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم کا اندازہ بھی نہ کیا تھا۔

یہ تاتاری انسانی جسم رکھتے تھے۔ لیکن ان کے پہلو میں جو دل دھڑکتا تھا وہ انسانوں کا نہیں درندوں کا تھا۔

یہ تاتاری منگولیا کے صحرائے گوبی کے باشندے تھے!

یہ بے آب و گیاہ خطہ قدرت کی فیاضیوں سے یکسر محروم تھا۔

یہاں کے قبائل ہر قسم کے ضبط و نظام سے محروم تھے۔ یہ جدا جدا زندگی بسر کرتے تھے!

خانہ جنگی ان کا بہترین مشغلہ تھا!

خانہ جنگی سے جو وقت بچتا تھا، وہ فواحش پر صرف ہوتا تھا! اخلاق، نظام اخلاق، سیرت، کردار، عالی ظرفی، خوش ذوقی، یہ وہ چیزیں تھیں جن کا ان قبائل نے نام بھی نہیں سنا تھا۔ یہ کھلے بندوں زنا کرتے تھے۔ چوری کرتے تھے، ڈاکے ڈالتے تھے، اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو قتل کرتے تھے، آبادیاں لوٹ لیتے تھے، بستیاں ویران کر دیتے تھے، جلا دیتے تھے، خاکستر کر دیتے تھے، نہ انہیں بچوں پر رحم آتا تھا نہ بوڑھوں پر نہ بیماروں پر نہ معذوروں پر، نہ عورتوں پر، ان کے آئین اور ضابطے میں صرف ایک چیز کار فرما تھی ——— اور وہ تھی تلوار!

جو بہترین تلوار چلا سکتا تھا، وہی اپنے سے کمزوروں اور ناطاقتوں کی قسمت اور زندگی کا مالک بن جاتا تھا۔ اسے حق تھا کہ لوگوں کو غلام بنائے، عورتوں کو کنیز اور باندیاں بنا کر انہیں اپنے تصرف میں لائے۔ نہ ناموس کی کوئی قیمت تھی نہ آبرو کی کوئی وقعت، بچہ بچہ کو وہ اس لیے پکڑتا اور قید کر لیتا تھا کہ یہ مستقبل کے غلام تھے آگے چل کر ان سے چاکری کرانی تھی، ان سے خدمت لینی تھی۔ انہیں ایک اشارۂ چشم پر بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنا تھا کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان سے سرتابی کر سکتا، اس لیے کہ سرتابی کی سزا موت تھی۔ اور کون ہے جو موت سے نہ ڈرتا ہو ——— ہر شخص تو اتنا جیالا نہیں ہوتا کہ موت سے ٹکرا جائے۔ اس سے لڑ پڑے!

یہ منگولی قبائل ـــــ عجیب و غریب قسم کی زندگی بسر کرتے تھے!
یہ نہ کسی اصول کے پابند تھے، نہ قانون کے، نہ حرام کے قائل تھے، نہ حلال کے۔ نہ مذہب کے، نہ سوسائٹی کے ـــــ سب سے بیگانہ، سب سے الگ سب سے جدا زندگی بسر کرتے تھے اور اسی زندگی میں مگن تھے انہیں اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ دنیا کدھر جا رہی ہے یا اس نے زندگی کو پرکھنے کیلئے کون کون سے اصول اور ضابطے اور قاعدے مقرر کر رکھے ہیں؟
انہی خانہ بدوشوں اور وحشیوں کے ایک معمولی سے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا
چنگیز!
لوگ کہتے تھے یہ منحوس ہے!
اس لئے کہ نو عمر ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا!
لوگ کہتے تھے بدقسمت ہے؟
اس لئے کہ باپ کے بعد کوئی نہ تھا جو اس کی سرپرستی کرتا۔ اس کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس کا دل رکھتا۔ اس کی پرورش اور پرداخت کا بوجھ اپنے سر لیتا!
لوگ کہتے تھے۔ اس کا مستقبل تاریک ہے!
اس لئے کہ اسے پڑھانے والا اس کی سرپرستی کرنیوالا کوئی نہ تھا!
لیکن چنگیز خود اپنا معلم بنا۔ اس نے خود اپنی تربیت کی۔ اس نے خود اپنی رہنمائی کی۔
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں!

بہت جلد چنگیز اپنے آپ کو چنگیز بنا لیا!

پہلے وہ اپنے ہم سن اور ہم عمر دوستوں کا سردار بنا کسی کی ناک توڑی کسی کا کان کاٹا کسی کے طمانچہ لگایا کسی کے گھونسہ مارا۔ کسی کو اپنے پتھر کا نشانہ بنایا کسی کو کشتی لڑ کر زیر کر لیا۔ اور زبردستی سرداری کا تاج اپنے سر پہ رکھ لیا ـــــ پھر وہ جوان ہوا!

جوانی کے ساتھ حوصلہ بڑھا، امنگیں بڑھیں، تمنائیں پیدا ہوئیں اور ساتھ ساتھ طاقت بڑھی۔ رعب بڑھا۔ حوصلہ بڑھا،

اب تک وہ صرف چند لڑکوں کا سردار تھا!

اب اپنے کارناموں اور من چلے پن کی بدولت وہ اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا!

لیکن چنگیز! اور صرف ایک قبیلہ کی سرداری ـــــ؟

کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیان کے لئے!

ایک قبیلہ کی سرداری اس کے حوصلہ کی توہین تھی۔ لڑائی جھگڑے سے وہ ڈرتا نہیں تھا۔ بلکہ ایسے نادر موقعوں کا متلاشی رہتا تھا۔ بہت جلد لڑ بھڑ کر اور اپنی بہادری کا سکہ بٹھا کر وہ صحرائے گوبی کے قبائل کا مشترکہ سردار بن گیا ـــــ جیالا، بہادر اور منچلا سردار!

قبائل کی سرداری نے سمند ہوس پر تازیانہ کا کام کیا!

وہ صحرائے گوبی سے باہر نکل کر قریوں اور شہروں پر اپنی سطوت اور جلالت اور عظمت اور شوکت، شجاعت اور فراست کا سکہ بٹھانا چاہتا تھا اور صحرائے گوبی کی زندگی پر اپنی حوصلہ مندیوں، اور اولوالعزمیوں کو قانع نہ کر سکا!

وہ وحشیوں اور تہذیب نا آشنا لوگوں کی سرداری پر اپنی طبع بلند کو راضی نہ کر سکا!

وہ جنگل اور صحرائی حکومت سے نہ خوش نہ مطمئن۔

وہ شہروں کو فتح کرنا چاہتا تھا!

مہذب اور متمدن آبادیوں کا زیر نگیں کرنا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن گیا تھا!

چنگیز خان نے تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ایک ریاست قائم کر لی تھی پھر اس نے یگانۂ روزگار، نوجوانوں اور دلاوروں کی ایک فوج گراں مرتب کی!

اور یہ فوج لے کر وہ ایک مہیب اور ہولناک طوفان کی صورت میں باہر نکلا!

فتح و نصرت نے اس کے قدموں کو چوما!

کامیابی اور کامرانی اس کے جلو میں چلی!

فیروزمندی اور بختاوری اس کے سر پر سایہ فگن رہی۔

چند ہی سال کے اندر چنگیز کے مفتوحات اور مقبوضات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا

بہت جلد نوبت یہاں تک پہونچی کہ چین اور ترکستان کے زرخیز، شاداب، آباد، اور پر رونق گراں قیمت مصنوعات سے مالا مال، اور سیم و زر سے بھرپور علاقوں پر چنگیز کا پرچم لہرانے لگا!

اب وہ ایک بہت بڑا سپہ سالار تھا جس کی ہیبت اور دہشت سے دنیا لرزاں

عالم کانپتے تھے!

اب وہ بہت بڑا تاجدار اور شہنشاہ تھا!

جس کے رعب و سطوت کا یہ عالم تھا کہ رعایا اس سے اتنی خائف اور ترساں رہتی تھی، جتنی بکری شیر سے۔ وہ اپنی فوج گراں لیکر جس طرف بڑھتا تھا۔ موت، ہلاکت اور بربادی کی یارش کرتا ہوا گذرتا تھا!

چنگیز کی حکومت، تلوار کی نوک! اور خنجر کی دھار پر قائم تھی، اسے آبادیوں کے اجاڑنے گردنوں کے کاٹنے شہروں کو ڈھانے عمارتوں کے مسمار کرنے، کھیتوں کے روندنے اور لوگوں کے قتل عام میں وہ مزہ آتا تھا جو کسی شکاری کو شکار میں آتا ہے۔

انسانی زندگی کو ذرا بھی اس کی نظر میں وقعت نہ تھی لہٰذا وہ بے گناہوں انسانوں کو اس طرح پامال کر ڈالتا تھا جس طرح ہاتھی چیونٹی کو روند ڈالتا ہے!

بیشک چنگیز نے چین اور ترکستان کے زرخیز و شاداب علاقے فتح کر لئے لیکن ابھی بہت کچھ باقی تھا، مشرق وسطیٰ کی اسلامی حکومتیں، اس کی اولوالعزمی کے لئے ایک چیلنج تھیں۔

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

بغداد ــــ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مادی اور روحانی مرکز تھا، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سپہ سالار اور شہنشاہ کی یہ ہمت نہ تھی کہ ادھر کا رخ کر سکتا ــــ خود چنگیز کو بھی نہیں،

اور جب تک بغداد پر تاتاری پرچم نہ لہراتا، اس کے حوصلے ناتمام تھے!
شہرت اور سطوت کے باوجود مشرق وسطیٰ اس کی دسترس سے باہر تھا
اس قلعہ کا پھاٹک بغداد تھا۔ جب تک یہ پھاٹک سر نہ ہو جاتا۔ ممکن نہ تھا
کہ قلعہ پر قبضہ ہوتا، اور بغیر اس کے کوئی تمنا بھی پوری نہ ہو سکتی تھی!

خطرناک ارادہ

ایک روز فتح چین و ترکستان کے سلسلہ میں فوجی جشن کا اہتمام ہوا، وسیع پیمانے پر رقص و موسیقی کا انتظام کیا گیا۔ لیکن نہ عشوہ ادا سے چنگیز کا جی بہلا، نہ ناز و انداز سے اس کی طبیعت بحال ہوئی!

یہ رنگ دیکھ کر اس کے ایک معتمد، ملازم، متن خان نے ـــ جو جنگ و پیکار کے ہر مرحلہ میں اس کے ساتھ رہ کر داد شجاعت دیا کرتا تھا ـــ کہا "میرے آقا کیا بات ہے۔ آج میں آپکو افسردہ دیکھ رہا ہوں! ـــ ـــ آپ کی سطوت و شوکت کے سامنے دنیا کا کوئی ملک نہیں ٹھہر سکتا!

چنگیز:۔ (پہلو بدل کر) "ہاں ـــ!"

متن خاں:۔ آج ہم جشن منا رہے ہیں!"

چنگیز خاں:۔ ہاں میں دیکھ رہا ہوں!"

متن خاں:۔ یہ جشن ہے، فتح و نصرت کا ـــــــ وہ فتح جو ہمیں چین پر حاصل ہوئی ہے،

چنگیز خاں :۔ ہاں ...... اور ہم نے ترکستان بھی فتح کر لیا۔
تمن خاں :۔ بے شک — اور یہ فتوحات کی پہلی کڑی ہے۔
چنگیز خاں :۔ ہاں ... میں سوچ رہا ہوں کیا دوسری کڑی بھی ہم حاصل کر سکینگے!
تمن خاں :۔ کیوں نہیں؟ — ضرور!
چنگیز خاں :۔ لیکن آپ نا رکھ رہے ہیں کہ اب یہ دوسرا معرکہ سر کرنا آسان نہیں!
تمن خاں :۔ چنگیز خاں کے لئے کوئی معرکہ بھی دشوار نہیں ہو سکتا!
چنگیز خاں :۔ ہاں — اور چنگیز نے فیصلہ کر لیا ہے کہ

یا تن رسد بجانا یا جاں ز تن بر آید!

یا تو یہ معرکہ سر کرے گا۔ ورنہ اسی کام میں اپنی جان گنوا دیگا۔ (جوش کے عالم میں) میں چنگیز ہوں میں نے آج تک شکست نہیں کھائی
تمن خاں :۔ بجا ارشاد ہوا — کبھی نہیں۔
چنگیز خاں :۔ اور میں یہ معرکہ بہت جلد سر کر لینا چاہتا ہوں۔
تمن خاں :۔ کون سا معرکہ درپیش ہے — اپنے اس غلام کو بھی تو بتائیے"
چنگیز خاں :۔ وہ معرکہ ہے بغداد کا!
تمن خاں :۔ بغداد —؟
چنگیز خاں :۔ ہاں — کیا یہ نام سنکر سہم گئے ڈر گئے؟ حوصلہ پست ہو گیا تمہارا۔۔؟"
تمن خاں :۔ نہیں میرے آقا میں ہر معرکہ میں ہر خطرہ میں آپکے قدموں کیساتھ ساتھ چلونگا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ غلام پیٹھ پھیر لے زندگی اور

موت، خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی ہر زنفت پر، ہر موقع پر، ہر مرحلہ پر
تمن خاں اپنے آقا کا ساتھ دے گا، اسکے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان
کر دے گا۔ اس کے پسینہ پر اپنا خون بہائے گا۔
چنگیز خاں:۔ بس تو پھر یہ راگ رنگ کی محفل برخواست کر دو!
تمن خاں:۔ میرے آقا۔ آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن ــــ
چنگیز خاں:۔ لیکن ـــ کہو کیا کہتے ہو؟
تمن خاں:۔ لیکن، یہ معرکہ اس طرح سر نہیں ہو سکتا ـــ!
چنگیز خاں:۔ پھر کس طرح ہو گا؟ ـــ کیا تم میرے راستہ کے پتھر
بننا چاہتے ہو؟
تمن خاں:۔ ہرگز نہیں، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کام اسطرح ہو کہ کامیابی
شک و شبہ سے بالا ہو جائے!
چنگیز خاں:۔ وہ کون سا طریقہ ہے؟
تمن خاں:۔ بغداد، صرف ایک شہر نہیں، ایک پورا ملک ہے، بغداد کا خلیفہ
صرف بغداد کا بادشاہ نہیں۔ دنیائے اسلام کا تاجدار ہے۔ کون مسلمان
ہے جو خلیفہ کے نام پر اپنی جان نہ قربان کر دے؟ کون مسلمان ہے جو
خلیفہ کے ایک اشارے پر کٹنے مرنے کیلئے تیار نہ ہو جائے؟
چنگیز خاں:۔ ہاں میں جانتا ہوں ...... مجھے معلوم ہے ـــ لیکن
پھر؟
تمن خاں:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بغداد کو نہ چھیڑا جائے، دوسری مسلم حکومتوں کا

استعمال کیا جائے۔ جب یہ شکست کھا جائیں گی، خود بخود بغداد کا سارا
زور ختم ہو جائے گا۔ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی گود میں
آگرے گا! ——!

چنگیز خاں:۔ لیکن اگر ہم مسلم ممالک پر حملہ کریں تو کیا بغداد سد راہ نہ ہوگا؟

تمن خاں:۔ نہیں — میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ یہ تم نے ایسی بات کی ہے۔ جسے ہم باور نہیں کر سکتے!

تمن خاں:۔ میرے آقا میں غلط نہیں کہتا۔ بغداد کا موجودہ خلیفہ عیش و عشرت
میں کھویا ہوا ہے اسے اپنے سوا کسی دوسرے کی فکر نہیں۔ اسکے
عیش و عشرت میں اگر خلل نہ پڑے تو اسے اس کی قطعاً پرواہ
نہیں کہ دوسرے ممالک کا کیا حشر ہو رہا ہے؟

چنگیز خاں:۔ اور کیا دوسرے ممالک کا بھی یہی حال ہے۔

تمن خاں:۔ بے شک —!

چنگیز خاں:۔ تو پھر فرق کیا ہوا؟ —— یہ لوگ جب ایک دوسرے
سے بے تعلق ہو گئے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں نہیں شریک
نہیں ہوتے۔ ایک دوسرے کے کام نہیں آتے۔ تو ایک ہی بات ہے
چاہے ہم بغداد پر حملہ کریں یا کسی دوسرے ملک پر!

تمن خاں:۔ نہیں میرے آقا ایک ہی بات نہیں ہے — پھر بھی بغداد
کا نام بہت اونچا ہے۔ ساری دنیا پر اسکی ہیبت ہے۔ ساری دنیا
پر اسکی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ لہذا کیا ضرورت ہے کہ اسے پہلے چھیڑ

کر ایک زبردست خطرہ ہم مول لیں۔؟ یہ کام بڑی آسانی سے بعد میں بھی ہو سکتا ہے!

چنگیز خاں:۔ تو پھر سب سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کو ہم اپنی تلوار کا ہدف بنائیں؟

تمن خاں:۔ میں صرف ایک ہی کا نام لے سکتا ہوں — علاؤ الدین خوارزم شاہ!

چنگیز خاں:۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ — میں سمجھا — اس لئے کہ بغداد کے بعد اس کی سلطنت سب سے بڑی ہے؟

تمن خاں:۔ صرف یہی وجہ نہیں ہے میرے آقا۔

چنگیز خاں:۔ کیا اس لئے کہ بغداد سے زیادہ گہرا ربط وضبط ہے اس کا؟

تمن خاں:۔ صرف یہی وجہ نہیں ہے۔ ایک بات اور بھی ہے!

چنگیز خاں:۔ وہ کیا —؟

تمن خاں:۔ خوارزم شاہ کی دھاک جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ بغداد سے بھی زیادہ ہے اگر اسے ہم نے شکست دیدی تو پھر کسی میں ہمت نہ ہوگی کہ ہمارا مقابلہ کر سکے — صرف خوارزم شاہ کو شکست دینے کے معنے یہ ہیں کہ سارے عالم پر ہم نے اپنی دہشت مسلط کر دی!

چنگیز خاں:۔ خوارزم شاہ کے زور وقوت کا کیا حال ہے؟

تمن خاں:۔ کوئی شبہ نہیں، وہ بہادر ہے۔ اس کے پاس فوج بھی اچھی ہے، سامان جنگ کے اعتبار سے وہ فرومایہ نہیں، لیکن وہ بوڑھا ہو چکا ہے اس کے حوصلے ختم ہو چکے ہیں!

چنگیز خاں:- کیا وہ اولاد نرینہ سے محروم ہے!
متن خاں:- نہیں میرے آقا، وہ صاحب اولاد ہے۔ اسکے کئی بیٹے ہیں، اور یہ سب بیٹے بہادر اور حیلے ہیں، اور یہ سب ـــ لیکن خود غرض ہیں، جاہ طلب ہیں، باپ کی زندگی ہی میں مستقبل کے پروگرام بنا رہے ہیں ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہی جانشین بنے، ان کا یہ نفاق و افتراق ہمارے کام آئے گا ــــــــ ہم ان سے لڑ رہے ہوں گے وہ آپس میں لڑ رہے ہوں گے!

اتنی دیر کے بعد چنگیز کے چہرے کی سختی اور کرختگی دور ہوئی، اس کے ماتھے کی شکنیں جو لمحہ بہ لمحہ ابھرتی جا رہی تھیں کم ہو گئیں اب تک اس کی آنکھوں سے شرارے برس رہے تھے۔ اب ان میں لطف و مسرت کے ڈورے پڑ گئے۔ وہ مسکرانے لگا۔ اور اسے مسکراتا دیکھ کر متن خاں کا دل پھول کی طرح کھل گیا، اس نے بے تابی کے ساتھ اپنا سر چنگیز کے قدموں پر رکھ دیا اور بڑے جذبات انگیز لہجہ میں کہا!

• میرے آقا! دل چاہتا ہے ہمیشہ آپ کو اسی طرح شاداں اور خنداں دیکھوں!
چنگیز خاں نے کہا

• متن خاں تم نے ہماری پریشانی دور کر دی!
متن خاں:- غلام جب تک زندہ ہے اپنے آقا کو کبھی پریشان ہونے نہیں دیگا!
چنگیز خاں:- تم نے جو صلاح دی ہے وہ ہماری نظر میں بہت دقیع ہے!
متن خاں:- غلام کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ آقا سوچے اور وہ تدبیر میں

بنت:- ـــــــ لیکن میرے آقا اب کہ آپ کا تکدر اور انقباض طبع رفع ہو چکا ہے۔ غلام کی التجا ہے کہ اس جشن مسرت میں اور خوشی کے ساتھ شرکت فرمائیں:

چنگیز:- ہاں اب ہم دل سے اس میں حصہ لے رہے ہیں،

مٹن خاں:- رقص و موسیقی کا مظاہرہ کرنے کیلئے میں نے کئی نئے طائفے دور دراز کے ممالک سے طلب کئے ہیں کیا ان کے کمالات آپ نہیں ملاحظہ فرمائینگے .... میرے آقا، ان رقاصاؤں کا ناچ دیکھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔ ان کے کمالات موسیقی سے آپ بہت محظوظ ہونگے ان کا ناچ، ان کا نغمہ، ان کا عشوہ، ان کی ادا، ان کے انداز دیکھ کر آپ ضرور محظوظ ہوں گے ..... کیا اجازت ہے؟

چنگیز:- ہاں .... تم وہ طائفے طلب کرو، میں ان کا ناچ دیکھوں گا ان کا نغمہ سنوں گا۔ انہیں انعام دوں گا، انہیں نوازوں گا، انہیں مالا مال کر دوں گا .... دنیا نے میرے قہر و غضب کا نمونہ دیکھا ہے لطف و عنایت کا نہیں، آج میں دنیا کے سامنے یہ مثال بھی قائم کر دونگا وہ جان لے گی کہ چنگیز صرف جلال و غضب کا پیکر نہیں ہے، نوازش اور کرم کا مجسمہ بھی ہے!

مٹن خاں:- بیشک میرے آقا بیشک ...... جس طرح آپ کا قہر و غضب اپنا جواب نہیں رکھتا، اسی طرح آپ کے لطف، نوازش کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے!

چنگیز خاں:۔ صرف ان ناچنے والیوں اور گانے والیوں ہی کو نہیں، آج میں اپنی فوج کے دلاوروں اور سورماؤں کو بھی نوازوں گا، انعام دوں گا۔ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کروں گا، ان کے کارناموں کی داد دوں گا، ان کا حوصلہ بڑھاؤں گا، ان کی دلجوئی کروں گا۔ انہیں وہ دوں گا جو وہ مانگیں گے ...... اعلان کر دو، آج ان کی ہر تمنا پوری ہوگی، ان کی ہر آرزو کی تکمیل کی جائے گی، وہ جو چیز چاہیں گے وہ ملے گی .... یہ میرے وہ دلاور اور سورما ہیں جنہوں نے میری خاطر، میرے حکم پر، میرے لئے دشمنوں کی سنانیں کھائیں۔ نیزوں کے وار سہے، تلواروں کا مقابلہ کیا تیروں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوئے۔

تمن خاں:۔ بے شک میرے آقا بے شک! .....

چنگیز خاں:۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں صرف سزا دینا جانتا ہوں، یہ نہیں جانتے کہ میرے جود و کرم کا بھی کوئی جواب نہیں ہے!

تمن خاں:۔ جانتے ہیں میرے آقا ...... نہ جانتے ہوتے تو یوں مور و ملخ کی طرح آپ کے گرد نہ جمع ہوتے، آپ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ و مستعد نہ رہتے۔

چنگیز خاں:۔ تمہیں وہ بات یاد ہے؟

تمن خاں:۔ کون سی بات میرے آقا؟

چنگیز خاں:۔ شاید ایک سال پہلے کی بات ہے۔ ہماری رعایا کے کچھ افراد خوارزم شاہ کے حدود مملکت سے گذر رہے تھے ....

ثمن خاں :۔ خوب یاد ہے میرے آقا !
چنگیز خاں :۔ اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایک میلہ میں لوٹ لئے گئے تھے۔

ثمن خاں :۔ یاد ہے میرے آقا !
چنگیز خاں :۔ پھر خوارزم شاہ نے کوئی تاوان دیا ؟
ثمن خاں :۔ نہیں ..... ! نہیں دیا !
چنگیز خاں :۔ ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہونچایا جنہوں نے منگولیا کو لوٹا تھا ؟
ثمن خاں :۔ بالکل نہیں میرے آقا !
چنگیز خاں :۔ تو کیا اس جرم کو ہم نظر انداز کر دیں گے ؟
ثمن خاں :۔ (مسکرا کر) ہرگز نہیں میرے آقا ـــــ
چنگیز خاں :۔ تم خوارزم شاہ کو ہماری طرف سے نامہ لکھو کہ اگر فوراً تاوان ہماری خدمت میں نہ پہونچا تو اس کی خیریت نہیں !
ثمن خاں :۔ بہت خوب میرے آقا !
چنگیز خاں :۔ اور اسے یہ بھی لکھو کہ جن لوگوں نے منگولیا کو لوٹا تھا، انہیں گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بھیج دے !
ثمن خاں :۔ لکھ دوں گا میرے آقا !
چنگیز خاں :۔ اسے یہ بھی تحریر کرو کہ وہ ہم سے معافی مانگے !
ثمن خاں :۔ ضرور لکھوں گا میرے آقا !
چنگیز خاں :۔ اور یہ بھی کہ اپنے شہزادوں میں سے ایک کو ہمارے پاس بطور یرغمال کے

رکھے!

تمن خاں:۔ (چونک کر) کیا فرمایا؟

چنگیز خاں:۔ (بہ آواز بلند) اسے یہ بھی لکھو کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو ہمارے پاس یرغمال کے طور پر رکھے!

تمن خاں:۔ (سہم کر) یرغمال کے طور پر؟

چنگیز خاں:۔ ہاں ــــ وہ شہزادہ ہمارے پاس قید رہے گا، تاکہ اگر پھر کبھی کوئی ناگوار بات رونما ہو، یا خوارزم شاہ ہم سے کبھی سرتابی کرے تو ہم اس شہزادے سے بدلہ لے سکیں۔ اسکی گردن کاٹ لیں،

تمن خاں:۔ لکھ دوں گا میرے آقا!

چنگیز خاں:۔ (اور زیادہ پرہیبت آواز میں) اور اسے یہ بھی لکھو کہ اگر اس نے ہمارے ان احکام کی فوراً تعمیل نہ کی تو پھر وہ ہم سے مقابلہ کے لئے تیار رہے ہم اپنی فوج لے کر باہر نکلیں گے۔ اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر کے رکھ دیں گے۔

تمن خاں:۔ بہت خوب میرے آقا، میرے مالک!

چنگیز خاں:۔ اسے یہ بھی لکھو کہ اگر وہ دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہوا تو ہم آئیں گے۔ اور اسے زندہ نہ چھوڑیں گے[1]

---

[1] یہ تاریخی الفاظ ہیں۔ چنگیز نے علاؤالدین کو جو نامہ جنگ لکھا تھا اسمیں یہی الفاظ تھے!

منن خاں۔ یہ تو بہت ضروری ہے، اسے ضرور رکھوں گا!

چنگیز خاں:۔ ہاں ــــ اسی طرح اس کے حواس درست ہوں گے!

منن خاں:۔ میرے آقا اس میں کیا شک ہے!

چنگیز خاں:۔ منن خاں ــــ!

منن خاں:۔ میرے آقا میرے مالک!

چنگیز خاں:۔ وہ تمہارے طائفے کہاں ہیں؟

منن خاں:۔ ابھی حاضر ہوتے ہیں!

چنگیز خاں:۔ ہاں..... انہیں بلاؤ۔ ہم ان کا ناچ دیکھیں گے! ــــ اب ہم خوش ہیں اور ہر خوشی میں بیش از بیش حصہ لیں گے ہمارا دل اس وقت مسرت سے معمور ہے اب ہم سے کوئی پریشان کن بات نہ کی جائے ــــ بس صرف ناچ، رنگ، مسرت و انبساط ــــ!

چنگیز کی سفارت

ہمتن خاں کا خیال صحیح تھا، چنگیز خاں کے راستہ کا سب سے بڑا پتھر علاؤالدین خوارزم شاہ تھا جب تک یہ پتھر نہ ہٹایا جائے۔ بغداد تک پہنچنا محال تھا!

چنگیز خاں ہمتن خاں کے تدبر اور فراست کا قائل تھا، اگرچہ وہ خود بھی بڑا زیرک، دور اندیش، صاحب فراست اور مدبر تھا، لیکن ہمتن خاں کی بات ہی اور تھی، حکمت عملی کے فن کا وہ ماہر تھا ہمیشہ دور کی کوڑی لاتا تھا معاملات و مسائل میں اس کی سمجھ بوجھ سے چنگیز متاثر بھی تھا، اور مرعوب بھی، یہی وجہ تھی کہ بغیر اس کی صلاح و مشورہ کے وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا، ایک عرصہ سے اس کے دل میں یہ تمنا مچل رہی تھی کہ مشرق وسطیٰ میں اسلامی ریاستیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاستیں چنگیز خاں وار نہیں سہ سکتی تھیں۔ یہ بات چنگیز کو بھی معلوم تھی، اور ان ریاستوں کو بھی، پھر بھی وہ آگے بڑھتے ہوئے جھجکتا تھا۔ دل میں ہر روز نت نئے پروگرام بناتا تھا، لیکن عمل کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی، وہ جانتا تھا، جب تک بغداد کی عظمت فنا نہ ہوگی، مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی، اور اب ہمتن خاں نے اسے یہ بات سمجھا دی تھی، اگر خوارزم شاہ کا استیصال

ہو جائے، تو پھر ہندوستان کا راستہ صاف ہے۔ یہ بات دیر میں سمجھ میں آئی، لیکن سمجھ میں آ گئی تو پھر خوارزم شاہ کو ختم کرنے کی تدبیروں پر عمل کرنے میں ایک لمحہ بھی تامل نہیں کیا۔ اس نے دوراز کار باتوں کی آڑ لے کر اسے چیلنج بھیجا، اور اپنی سفارت کو ہدایت کر دی کہ وہ علاؤالدین کو باور کرا دے کہ اگر اس نے چنگیز کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا تو نہ وہ باقی رہے گا، نہ اس کی حکومت۔ اس کی سفارت کا سربراہ تو وتن خاں تھا۔ وہ جب علاؤالدین کے دربار میں پہونچا۔ اور اس نے چنگیز خاں کا الٹی میٹم اس کی خدمت میں پیش کیا، تو اس نے سمجھ لیا کہ کیا ہونے والا ہے۔ یہ سمجھ لینے کے باوجود اس کی ہمت اور حوصلہ میں فرق نہیں آیا۔ اس نے لتن خاں سے کہا

چنگیز خاں سے کہہ دینا، میں اس کا انتظار کروں گا۔ میں اس سے مقابلہ کرونگا میں اس پر یہ ثابت کر دوں گا کہ بہادر موت سے نہیں ڈرتے، وہ ہر خطرہ کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

یہ باتیں اس نے کچھ ایسے تہوّر اور انداز سے کہا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے لتن خاں ہکّا بکّا رہ گیا۔ اسے یہ امید نہ تھی کہ ایسا جواب ملے گا، لیکن وہ بھی کوئی اور شخص نہیں چنگیز کا ایلچی تھا۔ اس نے کہا

" میرے آقا نے آپ کو ایک موقع دیا ہے۔ آپ کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئیے!"

علاؤالدین خوارزم شاہ نے جواب دیا۔

"کیا اگر میں تمہارے آقا کو ایسا ہی موقع دوں تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیگا"

متن خاں:۔ نہیں .... وہ جنگ کرے گا، آخر وقت تک لڑے گا!

علاؤالدین:۔ تو اس نے مجھے بزدل کیوں سمجھ رکھا ہے .... کیا میں مقابلہ نہیں کر سکتا ـــــ؟

متن خاں:۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ زندگی کو اختیار کرے یا موت کو ـــــ اگر آپ نے موت ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو میں آپ کو روک نہیں سکتا، آپ شوق سے جنگ کی تیاریاں کیجئے، میدان میں تلوار بڑی آسانی سے ہمارے تنازعہ کا فیصلہ کر دے گی!

علاؤالدین:۔ تمہارے اس مشورہ کا شکریہ ـــــ میں جانتا ہوں تلوار کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا ہے اور اب میں اسی کو حکم بناتا ہوں!

متن خاں:۔ لیکن ایک اور بات بھی آپ سوچ لیتے تو اچھا ہوتا!

علاؤالدین:۔ وہ کون سی بات ہے؟ ـــــ بتاؤ!

متن خاں:۔ دو باتیں ہیں ـــــ یا تو آپ کو میرے آقا کی قوت وطاقت کا اندازہ نہیں ـــــ

علاؤالدین (بات کاٹ کر) خوب اندازہ ہے، مجھے معلوم ہے وہ لاکھوں آدمیوں کا قاتل ہے،

متن خاں:۔ جی ہاں اس کی اس خصوصیت کو بہت سے لوگ جانتے ہیں لیکن ایک خصوصیت ایسی ہے، جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں.

علاؤالدین:۔ یہ کہ وہ کسی اصول اور نظام کا پابند نہیں؟

متن خاں:۔ جی نہیں، آپ غلط سمجھے!

علاؤالدین :۔ تم اپنے آقا کو بہرحال مجھ سے زیادہ جانتے اور پہچانتے ہو۔ تم ہی بتاؤ سکتے ہو اس کی دوسری خصوصیت کیا ہے ؟

متن خاں :۔ میرے آقا کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس پہ مہربان ہو جاتا ہے اسے فرش سے عرش پر پہونچا دیتا ہے !

علاؤالدین :۔ تمہارا مقصد کیا ہے ؟ ــــ ہم نہیں سمجھے۔

متن خاں :۔ اگر آپ میرے آقا کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرلیں، تو نہ صرف یہ کہ آپ کی حکومت قائم رہے گی، آپ کے دبدبہ اور طنطنہ میں فرق نہیں آئیگا بلکہ آپ کو اور بھی بہت سے فائدے پہونچ سکتے ہیں !

علاؤالدین :۔ فائدے ؟ ــــ چنگیز سے فائدے پہونچ سکتے ہیں ؟

متن خاں :۔ جی ــــ اور اتنے زیادہ کہ آپ ان کا اندازہ نہیں کر سکتے !

علاؤالدین :۔ تفصیل سے بتاؤ کیا مقصد ہے تمہارا ؟

متن خاں :۔ چنگیز اپنے وفاداروں کی ضرورت سے زیادہ قدر کرتا ہے،

علاؤالدین :۔ تم سودا کرنا چاہتے ہو ؟

متن خاں :۔ اگر آپ راضی ہوں، تو ہم اس پر بھی تیار ہو سکتے ہیں !

علاؤالدین :۔ (مسکرا کر) تو بتاؤ، اگر ہم چنگیز کا کہنا مان لیں تو کیا ہوگا ؟

متن خاں :۔ سب کچھ ــــ جو آپ چاہتے ہیں !

علاؤالدین :۔ پھر بھی ــــ کچھ تو کہو !

متن خاں :۔ آپ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے فرد بن سکتے ہیں، آپکی قوت و طاقت

دوچند ہو سکتی ہے، آپ کا اعزاز اور وقار بہت زیادہ بڑھ سکتا ہے، آپ کا دائرہ حکومت وسیع سے وسیع تر ہو سکتا ہے!........ آپ آمادہ تو ہوں!

علاؤالدین: یعنی میری مدد کی جائے گی، اگر میں دوسرے اسلامی حکومتوں کا الوررمیانستوں کا الحاق کر لوں؟

ممن خاں:۔ دریں چہ شک؟ ــــ یقیناً ــــ بلکہ، اگر آپ چاہیں تو خلیفۂ وقت بن سکتے ہیں!

علاؤالدین: (مسکراکر) اتنی بڑی رشوت؟

ممن خاں:۔ کیوں نہیں؟ ــــ کیا آپ اس کے مستحق نہیں؟

علاؤالدین:۔ میں تو اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا!

ممن خاں:۔ آپ کیا ہیں، اسے آپ نہیں سمجھتے، ہم جانتے ہیں!

علاؤالدین:۔ (ہم) ــــ یعنی تم، صرف تم؟

ممن خاں:۔ میں، میرے آقا چنگیز، ہمارے ارباب لبست وکشاد سب یہی سمجھتے ہیں!

علاؤالدین:۔ آخر کیوں؟ ــــ اتنی نوازش کیوں ہے مجھ پر؟ اتنے حسن ظن کا میرے ساتھ کیوں اظہار کیا جارہا ہے ــــ؟

ممن خاں:۔ اس لئے کہ آپ میں زندہ رہنے، آگے بڑھنے، ترقی کرنے اور نام پیدا کرنے کی صلاحیت ہے!

علاؤالدین:۔ (سنجیدگی کے ساتھ) تو کیا اس صلاحیت کا استعمال اسی طرح ہو سکتا ہے کہ میں مسلم حکومتوں سے ان کے علاقے چھین لوں، خلیفۃ المسلمین سے بغاوت

کروں!

تمن خاں:۔ سوچ لیجئے، ابھی موقع ہے:

علاؤالدین:۔ سوچ لیا ـــــ اچھی طرح سوچ لیا!

تمن خاں:۔ (اشتیاق کے ساتھ) بس تو میں اپنے آقا چنگیز خاں کو یہ خوشخبری دیتا ہوں جاکر کہ خوارزم شاہ ہمارا ہے، ہمارے ساتھ ہے!

علاؤالدین:۔ اگر تم یہ کہوگے۔ تو غلط کہوگے!

تمن خاں:۔ یعنی آپ میری پیش کش مسترد کرتے ہیں ــــ؟

علاؤالدین:۔ ہاں ـــــ اور وہ بھی نہایت حقارت کے ساتھ!

تمن خاں:۔ (برہمی کے عالم میں) ــــ تو آپ کا یہ جواب ہے؟

علاؤالدین:۔ صرف یہی ـــــ اور کچھ نہیں ـــــــــــــــ

اتنا خود غرض حریص ـــــ اور لالچی نہیں ہوں کہ اپنے فائدے کے لئے دوسروں کا برا چاہوں۔ مسلمانوں کے اتحاد اور تنظیم کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہوں۔ لیکن اپنے لئے مسلمانوں کا خون نہیں بہا سکتا۔

تمن خاں:۔ میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔ زندگی اور موت دونوں کے راستے کھلے ہوئے ہیں آپ جو راستہ چاہیں اختیار کریں!

علاؤالدین:۔ تم مجھے کو ڈراتے ہو؟ دھمکاتے ہو؟

تمن خاں:۔ صرف حقیقت بیان کرتا ہوں، نہ ڈراتا ہوں، نہ دھمکاتا ہوں۔

علاؤالدین:۔ تمہیں اور تمہارے آقا کو معلوم ہونا چاہیئے، موت سے وہ ڈرتے ہیں

جو بزدل ہوتے ہیں، بہادر ہیں کہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں!

ممتن خاں: بس تو آپ کی بہادری کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو جائے گا.........
مجھے افسوس ہے کہ آپ نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جو عزت و آبرو کا
راستہ تھا، وہ راستہ اختیار کر رہے ہیں جو ہلاکت اور بربادی کا ہے،
بہر حال میں نے آپ کا جواب سن لیا، اور انہی الفاظ میں یہ جواب میں اپنے
آقا چنگیز تک پہنچا دوں گا!

علاؤالدین: تم اب جا سکتے ہو!

ممتن خاں: آپ میری توہین کر رہے ہیں!

علاؤالدین: تم مجھ سے اپنی توہین کا انتقام جنگ کے میدان میں لے لینا۔

ممتن خاں: ضرور لوں گا۔ آپ نے میرے آقا کی بھی توہین کی ہے!

علاؤالدین: میں نے سنا ہے وہ تلوار بہت اچھی چلاتا ہے ؟

ممتن خاں: شمشیر زنی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نیزہ بازی میں وہ یکتا ہے!

علاؤالدین: انہی دونوں فنوں میں کچھ تھوڑی سی مہارت اور مشق مجھے بھی ہے، میں
اس سے لڑوں گا اور اس کے غرور کا سر توڑ دوں گا...... تم نے ابھی کہا تھا میں نے
تمہاری اور تمہارے آقا کی بہت توہین کی ہے اور یہ کہتے وقت تم یہ بات بھول
گئے کہ تم نے اور تمہارے آقا نے میری بھی بہت بڑی زبردست توہین کی ہے
اور میں بھی ہر جرم معاف کر سکتا ہوں، لیکن اس جرم کو نظر انداز نہیں
کر سکتا ——— جاؤ، اپنے آقا سے کہہ دو کہ وہ فوج
لے کر آئے ———

تمن خاں:۔ وہ ضرور آئے گا، اور بہت جلد آئے گا!

علاؤالدین:۔ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں ـــــــ اس لئے نہیں کہ مجھے یہ توقع ہے کہ جیت جاؤں گا ـــــــ میں جانتا ہوں کہ اس کے سپاہیوں کی تعداد حد شمار سے خارج ہے ......

تمن خاں:۔ بے شک ...... ہمارے پاس اتنی بڑی فوج ہے کہ ہم خود اسے نہیں گن سکتے۔

علاؤالدین:۔ میں جانتا ہوں کہ چنگیز کے وسائل اور ذرائع لاتعداد ہیں، اس کے ساز و سامان جنگ کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ لڑتا ہے غالب آتا ہے اور مغلوب کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ رحم کرنا نہیں جانتا۔ انسانیت اور شرافت کسے کہتے ہیں، وہ صرف یہ جانتا ہے کہ دشمن کو ہلاک کر دینا چاہیئے

تمن خاں:۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے .... میرا آقا جنگ کے میدان میں جب قدم رکھتا ہے تو رحم اور انسانیت کی مجال نہیں اس کے پاس کھٹک سکیں!

علاؤالدین:۔ ہاں تم سچ کہتے ہو، یہ بات نہ ہوتی تو اس نے شہر نہ اجاڑے ہوتے کٹی ہوئی گردنوں کے انبار نہ تیار کرائے ہوتے۔ ہاری ہوئی مخلوق کو غلام نہ بنایا ہوتا!۔

تمن خاں:۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کے معلومات بالکل صحیح ہیں .... لیکن سوال یہ ہے کہ جب یہ سب کچھ آپ جانتے ہیں، مانتے ہیں پھر بھی آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ میرے آقا پر غالب آجائیں گے۔ اسے شکست

دے دیں گے اس سے عہدہ برآ ہو سکیں گے ــــ؟

علاؤالدین:۔ نہیں ..... مجھے یقین ہے کہ میں ہار جاؤں گا۔

ممن خاں:۔ آپ کو یقین ــــ ہے؟

علاؤالدین:۔ ہاں۔ اسی طرح جس طرح اس وقت دن ہونے کا یقین ہے۔

ممن خاں:۔ (متحیر ہوکر) پھر بھی آپ لڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ــــ؟

علاؤالدین:۔ چنگیز کو صرف یہ سبق دینے کیلئے کہ طاقت حق نہیں ہے۔ ــــ حق طاقت ہے!

چنگیز مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن میری روح کو پامال نہیں کر سکتا، وہ میری مملکت کو تاراج کر سکتا ہے۔ لیکن میرے عزم واستقامت کی دنیا کو زیر و زبر نہیں کر سکتا۔ وہ میری گردن کاٹ سکتا ہے، لیکن ناممکن ہے کہ وہ میرے صداقت کے گلے پر تلوار چلا سکے۔ وہ میرے جسم پر فتح حاصل کر سکتا ہے لیکن میرے جذبہ کو نہیں کچل سکتا؟"

ممن خاں:۔ لیکن ان باتوں سے حاصل؟

علاؤالدین:۔ یہ کہ حق اور صداقت کا فیصلہ تلوار نہیں کرتی!

ممن خاں:۔ پھر کون کرتا ہے ــــ؟

علاؤالدین:۔ خدا ــــ صرف خدا ــــــــ وہ وقت آئے گا جب چنگیز یہ محسوس کرے گا کہ اپنی طاقت کے بے محابا استعمال کے بعد بھی وہ حق کو نہیں کچل سکا

ممن خاں:۔ ممکن ہے وہ وقت آئے ــــ لیکن ابھی اس کے آنے میں دیر

ہے۔ وہ بہت دیر ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ وقت کم از کم میرے آقا کی زندگی میں تو نہیں آ سکتا اور اس کے بعد اگر آیا تو پھر وہ میرے آقا کو کسی قسم کا گزند نہیں پہونچا سکتا!

علاؤالدین:۔ بہرحال وہ وقت کبھی بھی آئے لیکن ایک نہ ایک دن آئے گا ضرور!

ممن خاں:۔ بس تو آپ اس کا انتظار کیجئے، ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کریں گے۔ آپ خدا کو یاد کیجئے، پکاریئے، بلایئے ہم اس کی دنیا پر اپنا سکہ چلاتے رہیں گے، یہ ہمارا اتنا اٹل فیصلہ ہے جس سے خدا بھی منحرف نہیں ہو سکتا، ہم خدا کو صرف اس وقت تک مانتے ہیں جس وقت تک وہ ہمارا ساتھ دے جب اس کی تقدیر ہماری مرضی کے تابع رہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر خدا سے ہمیں کوئی سروکار نہیں بہتر یہی ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں دخل نہ دے!

علاؤالدین:۔ لیکن وہ کسی کا مشورہ نہیں سنتا جس معاملہ میں چاہتا ہے دخل دیتا ہے

ممن خاں:۔ ہمارے معاملہ میں اگر وہ دخل دے گا تو ہم اس سے بھی لڑیں گے!

تمن خاں، خوارزم شاہ سے مایوس ہوکر اپنے لشکر میں واپس آگیا!

چنگیز خاں کو جیسے ہی اطلاع ملی کہ تمن خاں واپس آیا ہے، اس نے فوراً اسے اپنے خاص خیمہ میں طلب کیا، اور بے تابی کے ساتھ کہا۔

"تمن خاں تم آگئے؟"

وہ بولا

"میں حاضر ہوگیا اپنے آقا کی خدمت میں!" چنگیز گویا ہوا!

"ہم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے ــــــ کہو کیا خبر لائے؟"

تمن خاں نے اپنی اور علاؤالدین خوارزم شاہ کی ساری گفتگو دوہرادی، اس نے ساری داستان سنانے کے بعد کہا

"میرا خیال ہے کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل سکتا، اب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے ــــ لیکن جنگ جس قدر جلد شروع ہوجائے اتنا ہی

بہتر ہے، اگر اسے مہلت دی گئی تو پھر ہمیں ایک مضبوط دشمن سے مقابلہ کرنا پڑیگا
اتنے دن وہاں۔ رہ کر میں نے اندازہ کرلیا ہے کہ علاؤالدین کا شہرہ تو بہت ہے
لیکن حقیقتاً وہ بھی اندر سے کمزور ہو چکا ہے!

چنگیز نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا

"وہ کمزور ہو یا مضبوط ہم اس سے ضرور لڑیں گے!"

ممن خاں نے کہا

"میرے آقا ہم تو فیصلہ بہت دن ہوئے کر چکے ہیں ــــــ اگر وہ ہمارا آلۂ کار بن جاتا، تو کچھ دن اور زندہ رہ لیتا، ورنہ مرنا تو اسے تھا خواہ ہمارا آلۂ کار بنتا یا نہ بنتا!

ممن خاں کی باتوں کو چنگیز بڑے غور سے سن رہا تھا، پھر اس نے کہا:

"یہ مسلمان بھی عجیب لوگ ہیں، نہ مرنے سے ڈرتے ہیں نہ خطرہ سے خوف کھاتے ہیں، میں نے بہت سے دشمنوں کو پامال کیا۔ بہت سی قوموں سے لڑا بہت سے مغلوں کو دیکھا لیکن اس طرح کے لوگ کہیں بھی مجھے نظر نہ آئے نہ جانے کس مٹی سے یہ لوگ بنے ہیں!"

بے پروائی کیساتھ ممن خاں نے کہا

"کسی مٹی سے بھی بنے ہوں لیکن چنگیز کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے!

چنگیز خاں نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا

"وہ تو میں جانتا ہوں ــــــ تو ہم کب یہاں سے کوچ کریں گے؟"

ممن خاں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا،

۔حب آقا کا حکم ہو............ ہمیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہماری تازہ دم فوج ہر وقت کوچ کرنے، دشمن پہ ٹوٹ پڑنے اور اس کا گلا کاٹنے کو تیار ہے، صرف ایک اشارہ کی دیر ہے!

چنگیز مسند سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بس تو پھر وقت کا تعین بے کار ہے، ابھی اور اسی وقت چلو۔

(در کارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست!) در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

ہم اب انتظار نہیں کر سکتے، ہم اب ٹھہر نہیں سکتے، ہم ابھی اور اسی وقت چلیں گے ..... کیا تم تیار ہو؟

ممن خاں نے زمین ادب کو بوسہ دیا اور عرض گذار ہوا!

۔ میرے آقا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ ہم ابھی چلیں گے اور دشمن پر اس طرح حملہ آور ہوں گے جس طرح شاہین کبوتر پر جھپٹتا ہے!

چنگیز خیمہ سے باہر نکلا! ـــــــ اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا یہ اس بات کی علامت تھی کہ چنگیز کسی دشمن سے جنگ کا فیصلہ کر چکا ہے!

چنگیز کو تلوار بدست دیکھ کر سارے لشکر میں ایک عجیب ہماہمی کا عالم پیدا ہو گیا! ـــــ سوار اور پیادے سب میں ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا! مال غنیمت کی ہوس. غلاموں کا لالچ۔ لونڈیوں اور باندیوں کی تمنا نئے مقامات اور مناظر کی سیر کا شوق، جنگ آزمائی کا اشتیاق ان سب کیفیتوں نے لشکر کے ہر فرد میں ایک خاص قسم کی خشتی:: بستعدی

پیدا کر دی تھی، فوراً گنتی ہوئی اور لام بندی شروع ہو گئی، اور چند گھنٹوں کے اندر چنگیز کا لشکر ایک سیل بلا کی صورت خوارزم شاہ سے مقابلہ کیلئے چل پڑا،

دشمن خاں کے جانے کے بعد علاؤالدین سمجھ گیا، کہ اب قیامت کے نمودار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنگیز ایک بھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ آور ہو گا، اس نے بھی زور و شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں، اپنی بکھری ہوئی طاقت کو جمع کرنے کی کوشش کی، اپنے سپاہیوں میں وہی جذبہ پیدا کرنا چاہا جو خود اس کے سینہ میں مچل رہا تھا!

لیکن چنگیز کی ہیبت کچھ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ ہر شخص لڑائی کے تخیل سے لرزنے لگا۔

دشمن سے مقابلہ کی جو امنگ ایک لشکر کے سپاہیوں میں ہونی چاہیئے، وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی، اس دلی میں جہاں ان میں چنگیز کی دہشت کام کر رہی تھی وہاں آپس کی شکر رنجیاں اور باہمی جھگڑے بھی کارفرما تھے، خود علاؤالدین کے بیٹوں میں اتحاد نہ تھا، یہ بیٹے بجائے اس کے کہ یہ سوچتے کہ باپ کے پہلو بہ پہلو دشمن سے جنگ کریں گے، صرف یہ سوچا رہتے تھے کہ یہ بوڑھا باپ کب مرے گا۔ اور کب عنان واقتدار واختیار ان کے ہاتھ میں آئے گا؟........ ان کے پیش نظر قوم اور ملک کا مستقبل نہیں تھا، صرف اپنا مستقبل تھا، صرف اپنی ذات تھی، صرف اپنی حکومت، اور اقتدار کی فکر تھی۔ یہ صرف اس دن کا انتظار کر رہے تھے جب علاؤالدین مر جائیگا اور حکومت پر ان کا مکمل دخل ہو گا ــــــــــــ البتہ علاؤالدین کا چھوٹا بیٹا، جلال الدین مستثنیٰ تھا ــــــــــــ وہ باپ کی عزت کا آرزومند

نہیں تھا، وہ چنگیز کی قوت و طاقت کو پارہ پارہ کر دینے کا خواب دیکھ رہا تھا!
لیکن جلال الدین اکیلا تھا!
سارے خاندان میں کوئی بھی اس کا ہم نوا اور ہم خیال نہیں تھا!

علاءالدین خوارزم شاہ اگرچہ بوڑھا ہو چکا تھا، نہ اس کے حوصلوں پر بڑھاپا طاری ہوا تھا، نہ عقل پر، وہ نزدیک کی چیز بھی دیکھتا تھا۔ اور دور کی بھی:

——— اس نے محسوس کر لیا تھا کہ چنگیز سے لڑنے کا ارمان اس کے سوا کسی کے دل میں نہیں ہے، اس بات سے اس کے دلولے سرد نہیں پڑے تھے۔ اسکا عزم اور جوان ہو گیا تھا:

ایک روز اس نے اپنے بیٹوں، عزیزوں، فوج کے سرداروں، شہر کے امیروں اور دوسرے صاحب فکر و نظر اصحاب کی مجلس مشاورت منعقد کی۔ جب سب لوگ آ گئے تو اس نے کہا۔

چنگیز نے میرے پاس سفارت بھیجی تھی کیا آپ حضرات کو اسکا علم ہے؟"

حاضرین میں سے ایک شہزادے نے کہا۔

"ہاں ہمیں معلوم ہے ——— لیکن آپ کے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوئیں یہ نہیں معلوم! ——— شاید اس نے ہماری قوت و شوکت کا اندازہ

کر لیا ہے، اور وہ ہم سے دوستی کا پیمان باندھنا چاہتا ہے۔"
علاؤالدین نے جھلا کر بڑے تند لہجہ میں کہا
"تم بے وقوف ہو ــــ چنگیز صلح کو نہیں جنگ کو عزیز رکھتا ہے۔"
اس شہزادے نے پوچھا
"تو کیا اس کی سفارت پیام جنگ لے کر آئی تھی؟" علاؤالدین نے گرج کر کہا
"ہاں ــــ اور میں نے اس کا الٹی میٹم منظور کر لیا ہے!
یہ سنتے ہی سب پر سکتہ چھا گیا ــــ!
علاؤالدین کو اس ردّ عمل کا پہلے ہی اندازہ تھا، اس نے قاضی حسام الدین سے پوچھا،
علاؤالدین :۔ کہیئے قاضی صاحب، آپ کیا فرماتے ہیں اس بارے میں؟
قاضی حسام الدین :۔ جنگ دو سرا رد ــــــــ لہذا عاقبت بینی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے گریز کیا جائے!
علاؤالدین :۔ یعنی میں اس کی غلامی قبول کر لوں! اسے اجازت دے دوں کہ وہ جب مسلم حکومت کو چاہے ختم کر دے؟ اسے اس کا موقعہ دوں کہ وہ خلافت بغداد کا خاتمہ کر دے؟
قاضی حسام الدین :۔ لاحول ولا قوۃ ــــــــ کیا چنگیز کی یہ ہمت ہے! وہ اتنا بڑھ گیا ہے؟ اس کے حوصلے اب اتنے اونچے جانے لگے ہیں! اگر یہ بات ہے تو وہ ضرور منہ کی کھائے گا۔ اسے شکست ہوگی اور وہ دین و دنیا میں ہر جگہ رسوا ہوگا ــــــ دنیا میں اسے ہزیمت اور

پسپائی ملے گی، عاقبت میں وہ جہنم کا سزاوار ہوگا!

علاؤالدین:۔ وہ تو خدا سے بھی لڑنے کو تیار ہے، عاقبت کی پرواہ نہیں کرتا

قاضی حسام الدین:۔ بس تو پھر اس کے خاتمہ کا وقت آگیا ہے وہ ضرور مورد قہر الٰہی ہوگا!

علاؤالدین:۔ اور اگر ہم نے اس مقابلہ نہ کیا تو کیا ہم قہر خداوندی کے مستوجب نہیں ہوں گے؟

قاضی حسام الدین:۔ ضرور ہوں گے ——— جو جہاد سے روگردانی کرے گا وہ داخل جہنم ہوگا۔

علاؤالدین نے ایک نظر اپنے سپہ دار افواج پر ڈال کر کہا

"آپ نے قاضی صاحب کی رائے سن لی؟"

وہ پہلو بدلتے ہوئے گویا ہوا "سن لی آقائے نامدار، لیکن اپنے مسائل کا تصفیہ جذبات سے نہیں کیا جاتا۔ حقائق سے کیا جاتا ہے۔

علاؤالدین:۔ (طنز سے) اور حقائق کیا کہتے ہیں؟

سپہ دار افواج:۔ یہ کہ فوری طور پر ہم مقابلہ کی سکت نہیں رکھتے"

علاؤالدین:۔ (بگڑ کر) کیوں؟ ——— کس لئے؟"

سپہ دار افواج:۔ اس لئے کہ ہم تیار نہیں ہیں!

علاؤالدین:۔ لیکن تیار ہو تو سکتے ہو؟"

سپہ دار افواج:۔ ضرور ہو سکتے ہیں۔ لیکن مقابلہ کسی معمولی حریف سے نہیں چنگیز سے ہے اور ایک دنیا جانتی ہے کہ چنگیز کیا ہے؟

قاضی حسام الدین:۔ کیا ہے؟ ـــ کیا وہ ایک آدمی نہیں جیسے ہم آپ ہیں۔
سپہ دار فوج۔ جی قاضی صاحب، وہ آدمی نہیں وہ قیامت ہے، طوفان ہے جس قہر
خداوندی کا ابھی آپ ذکر فرما رہے تھے وہ اس کا نمونہ ہے وہ قہر
الٰہی ہے!
علاءالدین:۔ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ یہ بھی تو کہو!
سپہ دار افواج:۔ تم ہرگز میں تو خودکشی کی رائے نہیں دے سکتا ـــ ہرگز نہیں
قاضی حسام الدین:۔ چنگیز سے مقابلہ کرنا خودکشی ہے؟
سپہ دار افواج:۔ خودکشی ـــ کھلی ہوئی اور صاف،
علاءالدین:۔ اپنے تحفظ کی کوشش میں جان دیدینا خودکشی نہیں بہادری ہے
انسانیت ہے، اگر میرا کوئی بھی ساتھ نہ دے تو بھی میں اپنے خاندان والوں
کو لے کر میدان میں نکلوں گا اور لڑوں گا
پھر اس نے اپنے ولی عہد کی طرف دیکھا، اور پر امید نظروں سے
دیکھتے ہوئے کہا
"کیوں میں غلط تو نہیں کہتا؟"
ولی عہد کو سانپ سونگھ گیا، وہ صرف پہلو بدل کر رہ گئے۔ انہوں نے کوئی
جواب نہیں دیا، صرف باپ پر ایک نظر ڈالی اور سر جھکا لیا!
علاءالدین نے کڑک کر پوچھا
"تم بولتے کیوں نہیں؟"
اب خاموشی ناممکن ہے۔ اس نے بڑی مدھم آواز میں کہا۔

۔ سپہ دار فوج کے اظہار رائے کے بعد اب کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

علاء الدین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

۔ تم بھی کچھ نہیں کہہ سکتے ہو

ولی عہد نے جواب نہیں دیا!

ایک کونے میں جلال الدین بیٹھا ہوا تھا! اب وہ ضبط نہ کر سکا۔ وہ اٹھا اور اس نے کہا:۔

۔ پدر عالی وقار........ چنگیز ہی سے نہیں میں پہاڑ اور سمندر سے بھی لڑنے کو تیار ہوں، میں دیکھ رہا ہوں حالات کتنے نازک ہو چکے ہیں۔ اگر ہم نے تاتاریوں کا مقابلہ نہ کیا تو ہم مٹ جائیں گے تباہ ہو جائیں گے، برباد ہو جائیں گے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں مسلمان ختم ہو جائیں گے۔ اسلام خطرہ میں پڑ جائے گا۔

چنگیز سے ہم ایسا لڑنا نہیں چاہتے کہ خوارزم شاہی حکومت کے حفظ و دفاع کا سوال ہے، اس لئے لڑنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی حرمت اسکی متقاضی ہے!

علاء الدین نے محبت بھری نظروں سے اپنے بیٹے جلال الدین کو دیکھا پھر ولی عہد اور سپہ دار فوج سے مخاطب ہو کر کہا

۔ کیا اب بھی آپ اپنی رائے پر قائم ہیں؟

کسی نے جواب نہیں دیا

قاضی حسام الدین کھڑے ہو گئے

۔ میں فتویٰ دیتا ہوں چنگیز سے لڑنا فرض ہے!

علاء الدین:۔ میں آپ کے اس فتوے کا احترام کرتا ہوں، میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ میں تاتاریوں کے سیل سبک سیر و زمین گیر کا مقابلہ کروں گا میں اپنے بیٹے جلال الدین کی طرف سے بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بھی ان شاء اللہ زندگی کی آخری سانس اور خون کے آخری قطرہ تک اس فتنہ اور خطرہ کا مقابلہ کرے گا، لیکن دوسرے لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا!

قاضی حسام الدین نے پر سوز آواز میں فرمایا

اذا عزمت فتوکل علی اللہ — اگر ارادہ کر لیا ہے تو خدا پر بھروسہ کرو وہ تمہارے سپہ دار اور ولی عہد سے کہیں زیادہ قوی ہے!

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگے!

باپ اور بیٹا!

چنگیز خاں اپنا لشکر لے کر بہت جلد خوارزم شاہ کے سامنے پہونچ گیا۔
دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں۔ علاءالدین خوارزم شاہ اس لئے
حملہ میں پہل نہیں کر رہا تھا کہ اسے اپنا انجام معلوم تھا ....
.... اور چنگیز صرف اس لیے گریز کر رہا تھا کہ وہ اصل جنگ سے
پہلے اعصابی لڑائی لڑنا چاہتا تھا، اس کے نام کی دہشت پہلے سے موجود تھی، اب
اس کی فوج ظفر موج بھی ساز و سامان جنگ سے لیس سامنے کھڑی تھی، جنگ
نہیں شروع ہوئی تھی ہر وقت شروع ہو سکتی تھی، لیکن جتنی جتنی تاخیر ہو رہی تھی
اتنی ہی اس کی دھاک بیٹھ رہی تھی، علاءالدین کی فوج لڑنے کیلئے تیار تھی، لیکن اسکے
امراجی چرا رہے تھے، اس کے خواص کترا رہے تھے، اس کے خاندان کے افراد اعراض
کر رہے تھے۔ اس کی فوج کے سردار جنگی پروگرام سے زیادہ سیر و تفریح اور رقص کا
کے پروگرام سے دلچسپی لے رہے تھے، چنگیز خاں کا نظام جاسوسی بھی بہت مکمل تھا اسے
رتی رتی کی خبریں مل رہی تھیں اسے علاءالدین کے لشکر کی ایک ایک بات معلوم تھی

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ علاء الدین کے کیا خیالات ہیں اس کے بیٹے کس فکر میں ہیں، اس کے سرداران فوج کس سوچ میں ہیں؟ اس کے خواص، جاگیردار، اور سرمایادار طبقہ کا اندازِ فکر کیا ہے چنگیز کو یہ بھی معلوم تھا کہ علاء الدین کے پاس ساز و سامان جنگ کتنا ہے؟ اس کے سپاہیوں میں فنونِ جنگ کے ماہر کتنے ہیں؟ اور اس کے پاس ساز و سامان جنگ کتنا ہے؟ وہ ہر روز اپنے خیمہ میں جب تمن خان سے نقشہ جنگ پر گفتگو کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا علاء الدین کا شکست بائیں ہاتھ کا کھیل ہے... وہ جب چاہے اس مرحلہ کو سر کر سکتا ہے جب یہ بات اتنی آسانی سے ممکن ہے تو پھر اس میں جلدی کیوں کی جائے ــــــ شیر جب شکار کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے، تو وہ یک بیک حملہ بہت کم کرتا ہے، پہلے وہ اپنی دھاڑ سے جنگل پر ہیبت طاری کرتا ہے پھر جب شکار کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو بھی وہ فوراً اسے چھاپ بیٹھے، یہ نہیں کرتا پہلے وہ اسے گھورتا ہے، پھر غراتا ہے۔ پھر وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے، شکار کا خون پہلے ہی خشک ہو چکا ہوتا ہے، پھر نہ اس میں تاب مقاومت باقی رہ جاتی ہے۔ نہ حفاظت خود اختیاری کا جذبہ، شیر کے ایک طمانچہ میں وہ گردن ڈال دیتا ہے، اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے!

چنگیز بھی یہی کھیل کھیل رہا تھا!

دونوں فوجیں بدستور آمنے سامنے پڑی تھیں۔ حملہ کا آغاز کسی طرف سے نہیں ہوا تھا!

ایک روز علاء الدین اسی فکر میں حیران اور پریشان بیٹھا تھا کہ جلال الدین آیا اور مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا، علاء الدین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا۔

"کیوں؟ ـــــ کوئی نئی خبر؟"

جلال الدین نے ایک اضطراب کے عالم میں جواب دیا۔

بدرعالی گہر ـــــ میں خود بھیس بدل کر چنگیز کے لشکر میں گیا تھا، ہاں میں نے دیکھا کہ ہر سپاہی مرنے اور مارنے پر تیار ہے، ہتھیاروں کو جلا دی جارہی تھی، تلواروں پر صیقل رکھی جارہی ہے۔ خنجروں کی دھار آزمائی جارہی ہے نیزوں کی زبانیں صاف کی جارہی ہیں، فوج کے سرداروں میں اس مہم کو سر کرنے کا ایک سرفروشانہ جذبہ نظر آرہا ہے، ہر سردار اپنے ماتحتوں کو جذبات انگیز الفاظ میں اکسا رہا تھا۔ عہد و پیمان لے رہا ہے کہ اپنے بادشاہ کی حرمت کے لئے کٹ مرے، جان دیدے، تمن خاں ایک ایک سردار سے الگ الگ ملاقات کر رہا ہے اور اسے بتا رہا ہے کہ اس وقت اس کا کیا فرض ہے؟ اور اس فرض کو کس طرح انجام دینا ہے؟ خود چنگیز کا یہ حال ہے کہ اسے کسی پہلو قرار نہیں، کبھی وہ اپنے خیمہ میں تمن خاں سے مصروف گفتگو ہے، کبھی دوسرے سرداران فوج سے صلاح و مشورہ کر رہا ہے، کبھی لشکر کا چکر کاٹ رہا ہے اور ایک ایک سپاہی کو شرف تخاطب سے سرفراز کر رہا ہے۔ دل بڑھا رہا ہے، انعام دے رہا ہے، ترقی کے وعدے کر رہا ہے، کبھی اسلحہ خانے میں پہونچ جاتا ہے، اسلحہ کو دیکھتا ہے، جانچتا ہے پرکھتا ہے، جن میں خامی نظر آتی ہے، انہیں الگ کر دیتا ہے، جو اصلاح طلب ہوتے ہیں انہیں اسلحہ سازوں کے حوالہ کر دیتا ہے نئے نئے ہتھیار ڈھلواتا ہے بنواتا ہے ان کے استعمال کے طریقے بتاتا ہے، اس کو بس ایک ہی بات کی دھن ہے صرف ایک بات کا سودا ہے ـــــ فتح!

اور بید رۃ الاقدر میں اپنے لشکر کا حال بھی دیکھ رہا ہوں، اپنے سپاہیوں کی کیفیت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اپنے سرداران فوج کے عزم، حوصلہ اور ولولہ کا بھی رمز شناس ہوں، اپنے بھائیوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کی ذہنیت بھی دیکھ رہا ہوں۔ اپنا اسلحہ خانہ بھی دیکھ چکا ہوں، آج بھی میں نے دیکھا ہے، اور ابھی دیکھ کر آ رہا ہوں، اسے چنگیز کے اسلحہ خانہ سے کوئی نسبت نہیں، ہمارے ساتھیوں اور سپاہیوں کو چنگیز کے ساتھیوں اور سپاہیوں سے کوئی مناسبت نہیں، ہمارے سرداران فوج اور چنگیز کے سرداران فوج میں کوئی مقابلہ نہیں۔ ہمارے امرا اور چنگیز کے امرا میں کوئی اشتراک کا نقطہ نہیں ——— میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس طرح ہم جیت سکیں گے؟ دشمن پر غالب آ سکیں گے؟

علاء الدین کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے کہا

جو سوال تمہارے دماغ میں گردش کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بھی پریشان کر رکھا ہے نہ دن کو چین ملتا ہے نہ رات کو نیند آتی ہے سمجھ میں نہیں آتا، ان حالات کا انجام کیا ہوگا؟ ——— بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہوں کیا ہم وہی مسلمان ہیں جنہوں نے عرب کے ریگزار سے نکل کر ایک مختصر سی مدت میں ساری دنیا کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تھا؟ کیا ہمارے اندر آج بھی وہی آن اور شان باقی ہے جو ہمارے اسلاف کے اندر موجود تھی؟ ——— نہیں اسلام وہی ہے، لیکن مسلمان وہ نہیں رہے!

جلال الدین:۔ بجا ارشاد ہوا ——— جب تک اپنی حالت نہ بدلیں، اس وقت تک دشمن پر غالب نہیں آ سکتے!

علاؤالدین :۔ لیکن یہ موقع تطہیر اخلاق کا نہیں ، اصلاح احوال اور تعمیر افکار کا نہیں ہے
دشمن ہمارے سر پہ کھڑا ہے ، ہر آن اور ہر لمحہ جنگ کا بگل بج سکتا ہے ، یہ
کیوں کر ممکن ہے کہ دشمن کی تلواریں ہمارے سر پہ چمک رہی ہوں اور ہم گوشۂ
اعتکاف میں بیٹھے اصلاح و اخلاق کے کام میں مصروف
ہوں !

جلال الدین :۔ میں مانتا ہوں آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل صحیح ہے ، لیکن پدر محترم
میں تو یہ جانتا ہوں کہ ہم یہ بازی ہار چکے ہیں .... ہمارا مقابلہ اگر
کسی معمولی حریف سے ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ ہم اپنے کام کی ساکھ قائم
رکھ سکتے ، لیکن مقابلہ ہے چنگیز سے ، جو اپنے وقت کا سب سے بڑا فاتح
اور کشور کشا ہے ، جس کا ایک ایک سپاہی سرفروشی اور بہادری میں اپنی نظیر
نہیں رکھتا - جس نے آج تک شکست نہیں کھائی ، ہر مرحلہ میں کامیاب
ہوا ہر معرکہ میں غالب آیا ، ہر مہم میں ظفر مند رہا :

علاءالدین :۔ ہاں ـــــ پھر تمہاری کیا رائے ہے ؟ کیا کیا جائے ؟
کیا ہم چنگیز سے کہیں کہ ہمیں اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے اور فی الحال وہ
واپس چلا جائے ؟

جلال الدین :۔ نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا !

علاءالدین :۔ تو پھر کیا کہنا چاہتے ہو ؟ اس طرح سے کہ ہم آسانی سے تمہارا
مطلب سمجھ لیں -

جلال الدین :۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر واقعی ہم دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے

ہیں تو ہمیں بے رحمی کے ساتھ انہیں سزا دینا چاہیئے، جو ہمارے راستہ میں پتھر بنے ہوئے ہیں ـــــــ ہم اپنی اصلاح نہیں کر سکتے اس لئے کہ اب اتنا وقت اور موقع نہیں لیکن کیا ہم اپنے حلقہ کو غداروں، کمزوروں اور بزدلوں سے پاک بھی نہیں کر سکتے؟

علاؤالدین:۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمزوری اور کسلمندی کا اظہار کر رہے ہیں ـــــــ

جلال الدین:۔ جی ابا جان میرا مطلب یہی ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے، ہمیں ایسے لشکر نہیں چاہیئے جو بہت سے افراد پر مشتمل ہو، لیکن جس کے دل میں کوئی جذبہ نہ ہو کوئی حوصلہ اور ولولہ نہ ہو، ہم ایسے مٹھی بھر سپاہیوں پر اعتماد کر سکتے ہیں، جو تعداد کے اعتبار سے خواہ کتنے ہی کم ہوں، لیکن جن کے سینہ میں مر مٹنے کی تڑپ ہو، جو اپنے مذہب، اپنی قوم اپنے ملک اور اپنی ملت کے لیے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوں ایسے چند آدمی بڑے سے بڑے لشکر کے چھکے چھڑا سکتے ہیں ـــــــ ہمیں ایسے آدمی چاہئیں!

علاؤالدین:۔ میرے بیٹے، مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے لیکن تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا!

جلال الدین:۔ وہ کونسی بات ابا جان؟

علاؤالدین:۔ وہ بات یہ ہے کہ اگر اس وقت ہم نے کوئی تادیبی یا تعزیری قدم اٹھایا تو ہم خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، اور یہی وہ چیز ہے جس کا

چنگیز بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے۔ کیا ہم ایسا اقدام کریں ——؟
جس سے ہمیں تو نقصان پہونچ جائے اور دشمن پورا پورا فائدہ
اٹھا لے؟

جلال الدین:- اچھا صرف ایک کام —— ان لوگوں کی ایک فہرست تیار
کی جائے جو اپنے عمل کے اعتبار سے ہمارے دشمن ہیں، انہیں سزا نہ
دی جائے بغیر اس کے ——

علاء الدین:- سنو سنو —— دشمن نے جنگ کا بگل بجا دیا ہے وہ آگے بڑھ رہا
ہے —— آؤ، دیکھو وہ چنگیز اپنی فوجوں کو بڑھاتا دیتا ہوا
اسی طرف آ رہا ہے!

بخارا اور سمرقند

چنگیز ہر اصول، ہر ضابطہ اور ہر قاعدے سے بے نیاز تھا ——— وہ چنگیز تھا اور اس کا وجود صرف اس لئے تھا کہ ضابطوں کو توڑ دے۔ اصولوں کو پامال کرے، قاعدوں کو کچل دے، وہ جو کچھ کرتا تھا۔ وہی ضابطہ اور اصول بن جاتا تھا، اسے اپنی تدبیر اور شجاعت پر ناز تھا۔ ساری دنیا کا مصرف صرف یہ سمجھتا تھا کہ اس کی اطاعت کرے۔ اس کا حکم مانے، اس کی خدائی تسلیم کر لے۔ اور اس دنیا میں اگر کوئی شخص ایسا نظر آتا تھا جو اس کی خدائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا تھا، اس کے وہ پیچھے پڑ جاتا تھا جب تک اسے تباہ نہ کر لیتا تھا، آرام سے نہیں بیٹھتا تھا علاءالدین خوارزم شاہ نے اس کی توہین کی تھی، اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اسے اپنی انفرادیت پر، اور اس انفرادیت کے قیام پر اصرار تھا، یہ بات چنگیز کے لئے ناقابل برداشت تھی، وہ جس طرح جھکے ہوئے سروں کو مولی گاجر کی طرح اپنی تلوار سے کاٹ دینے کا عادی تھا، اسی طرح وہ اکڑے ہوئے سروں کو بھی تراشں دینا اپنا سب سے اولین فریضہ سمجھتا تھا، تمن خاں کے مشورہ سے

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ علاء الدین کو نیست و نابود کر کے رہے گا، اور یہ علاء الدین بھی کچھ عجیب قسم کا آدمی تھا، اپنی کمزوری سے پورے طور پر واقف تھا، اپنی حیثیت اور بساط سمجھتا تھا، لیکن کبھی ایک لمحہ کیلئے اس نے یہ نہ سوچا کہ اطاعت قبول کر کے ہتھیار ڈال دے، اور اس طرح قوم کی نہیں، تو صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچا لے۔ وہ مرنے پر تلا ہوا تھا! .... وہ ایسی زندگی کا قائل ہی نہیں تھا جو غلامی اور بے بسی کی زندگی ہو، کمزور اور طاقتور کی یہ کشمکش عجیب بھی تھی اور سبق آموز بھی!

علاء الدین کے حدود مملکت بہت وسیع تھے، اس کی قلمرو بہر اعتبار سے دشمن کے لئے وجہ جذب و کشش تھی، یہاں کی سرسبزی، شادابی، مرغزار، ہر چیز دشمن کو اپنی طرف مائل کرتی تھی، اور بخارا اور سمرقند کی تو بات ہی دوسری تھی، وہی بخارا اور وہی سمرقند جس کیلئے حافظ شیرازی نے کبھی ترنگ میں آ کر کہا تھا،

بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را!

یہ دونوں شہر اپنی کامرانی اور رعنائی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے، یہاں امن برستا تھا، یہاں علم تقسیم ہوتا تھا، یہاں تہذیب اور ثقافت کی کمیں کی ہوتی تھی، یہاں کی مسجدیں، یہاں کے مدرسے، یہاں کی خانقاہیں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں، ان مسجدوں کی وسعت اور رعنائی، خوبی تعمیر اور نقش و نگار آنکھوں میں اتر جاتے تھے، دل میں کھب جاتے تھے، ان مدرسوں میں قال اللہ اور قال الرسول کے ترانے بلند ہوتے تھے، یہاں قرآن و حدیث، فقہ، اصول، تفسیر و کلام، فلسفہ، منطق، معانی و بدائع اور فصاحت و بلاغت کے چشمے ابلتے تھے، اطراف و اکناف عالم سے طالبان علم آتے

تھے اور سیراب کر جاتے تھے، ان خانقاہوں میں ہمہ وقت ذکر و فکر کی محفل گرم رہتی تھی معرفت کے اسرار و رموز زیر بحث رہتے تھے، تزکیۂ نفس اور تطہیر سیرت کے پروگرام جاری رہتے تھے، یہاں گنہگار آتے تھے، باصفا بن جاتے تھے۔ یہاں سیہ کار قدم رکھتے تھے اور باخدا بن جاتے تھے، یہاں عصیاں شعار پہنچتے تھے اور خدا کے برگزیدہ بندے بن جاتے تھے، کچھ عجیب فضا تھی یہاں کی۔ عجیب ماحول تھا یہاں کا!

رعایا شاد، حکمران عدالت پرور، امیر کو غریب سے کوئی خطرہ نہیں، غریب کو امیر سے کوئی دہشت نہیں، مزدور مالک سے ترساں نہیں۔ غلام آقا سے گریزاں نہیں، مختصر یہ کہ اور زردار سب ہی رہتے تھے اور آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔

لیکن شاید اب اطمینان و آرام کا یہ دور ختم ہو رہا تھا، طوفان نمودار ہو چکا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اس کی غارت گری کا امکان بڑھتا ہی جا رہا تھا چنگیز کی فوجیں بخارا کا محاصرہ کر چکی تھیں ——!

مورخین نے چنگیز کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ٹڈی دل ایک ایسا لفظ ہے جو مبالغہ کا ترجمان ہے، جس سے ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ فلاں فوج بڑھی تھی جیسے ٹڈی دل کا لشکر لیکن یہ مبالغہ چنگیز کی فوج کے لئے ایک حقیقت تھی چنگیز کی فوجیں حد شمار سے خارج تھیں اور یہ تلی ہوئی تھیں کہ بخارا کو سر کر کے رہیں گی جنگ شروع ہو گئی!

اور بہت جلد جنگ کا بھی فیصلہ ہو گیا، اس قدر جلد کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

علاءالدین خوارزم شاہ کو شکست ہوئی!

چنگیز کی فوجیں وحشت اور بربریت کی پوری شان کے ساتھ بخارا میں داخل ہوئیں۔

علاءالدین کچھ چنیدہ لوگوں کو لے کر بخارا سے نکل گیا!

اب بخارا چنگیز کے رحم وکرم پر تھا!

لیکن رحم وکرم اور چنگیز؟ ——— یہ دو: بالکل الگ الگ متضاد چیزیں تھیں۔

بخارا سہما ہوا تھا!

بخارا کے در و دیوار پر ایک عجیب قسم کی سوگواری اور اداسی برس رہی تھی، وہاں کے لوگ وحشت کے سبب بالکل خاموش تھے ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے زندہ نہیں مر چکے ہیں!

چنگیز اپنی فوج ظفر موج کے سامنے ایک ولولہ انگیز اور زبردست تقریر کی، اس نے کہا

شاباش بہادرو!

وہ کارنامہ تم نے کر دکھایا جس کی تم سے توقع تھی، تم نے میری تمنا پوری کر دی۔ تم نے بخارا فتح کر لیا، اور اسی طرح فتح کیا جس طرح میں چاہتا تھا، یہ فتح تمہارے دست و بازو کا معجزہ ہے ایسا معجزہ جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا!

لیکن میرے بہادرو!

تمہارا کام ابھی ختم نہیں ہوا، یہ تو صرف ایک بڑے کام کی
ابتدا تھی۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی بہت سے کارنامے تمہیں
انجام دینے ہیں، ابھی تمہیں ایسے کام کرنے ہیں جنہیں بخارا ہی نہیں
ساری دنیا یاد رکھے گی!

یہ شہر بہت دنوں میں بنا تھا، برسہا برس کے بعد اس نے یہ آب
و رنگ، یہ شان، یہ رعنائی، یہ زیبائی، یہ جمال حاصل کیا تھا۔ تم اس کا آب
و رنگ مٹا دو، اس کی شان ختم کر دو، اس کی رعنائی چھین لو۔ اس کی
زیبائی کو پارہ پارہ بنا دو، اس کا جمال ٹکڑے ٹکڑے کر دو!

یہ بلند و بالا عمارتیں!

نہیں میں انہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ انہیں مسمار کر دو، ایک
ایک عمارت کو مٹی کا ڈھیر بنا دو!

یہ مدرسے! یہ مکتب!

میں مدرسوں اور مکتبوں کے نام سے بھی بیزار ہوں، ان سب کو
توڑ پھوڑ ڈالو۔ مسجدوں میں آگ لگا دو، خانقاہوں کو زمین کے
برابر کر دو، کوئی چیز بھی باقی نہ رہنے پائے، کوئی چیز بھی صحیح اور سالم
نظر نہ آئے۔ سب پر تمہارا تیشہ چلے ـــ سب کو ٹکڑے ٹکڑے
کر کے رکھ دو!

نہیں، نہیں!

ابھی جلدی نہ کرو، میری باتیں سن لو۔ ابھی میں کچھ اور کہنا چاہتا

ہوں!

ہاں میرے بہادرو!

ہاں میرے ساتھیو!

بخارا کی آبادی کے تین حصے کرو، تندرست اور توانا نوجوانوں کو غلام بنا دو، اب تک یہ آزاد تھے، خود مختار تھے، با اقتدار تھے، با اختیار تھے۔ اب یہ غلامی کی چکی میں پسیں گے۔ جوان اور خوبصورت عورتوں کو کنیز بنا لو، یہ عورتیں اب محلسرا اور حرم سرا میں نہیں رہ سکیں گی۔ انہیں اب تمہارے گھروں میں رہ کر باندیوں اور لونڈیوں کی طرح زندگی بسر کرنا پڑے گی، ان پر مار پڑے گی، انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ہوگی ـــــ اور ان لوگوں کے بعد جو لوگ بچیں مرد، عورتیں، بچے ـــ سب کو یک قلم تہ تیغ بے دریغ کر دو، ان میں سے کوئی بھی بچنے نہ پائے!

سنو! سنو!

آگے بڑھنے سے پہلے میری ہر ہر بات کان کھول کر سن لو،

عمارتوں کو ڈھا کر، مردوں کو غلام بنانے اور عورتوں کو کنیز بنانے اور باقی ماندہ آبادی کو قتل کرنے کے بعد تم کیا کرو گے؟

تم لوگ اس شہر میں آگ لگا دو ....

سرسبز و شاداب شہر جب آگ کے شعلوں میں جلے گا اور جل کر خاکستر ہو گیا تو اس راکھ کو ہمارے گھوڑوں کی ٹاپیں روندتی ہوئی

آگے بڑھیں گے!

شاباش!

شاباش بہادرو شاباش!

چنگیز کے سپاہی اپنے آقا اور آمر سے بڑھ کر خونخوار اور سفاک تھے لڑائی کے ختم ہوتے ہی شکست خوردہ بخارا کا سلسلہ شروع ہو گیا، آہ و فریاد کی دلدوز صدائیں بلند ہونے لگیں عمارتیں گرائی جانے لگیں، مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنائے جانے لگا، باقی ماندہ آبادی کو پوری بے دردی کیسا تھ قتل کر دیا گیا۔

آخر چنگیز کا حکم پورا ہوا!

بخارا، یہ گل زمین مشرق کا بہترین اور خوبصورت شہر تھا

آج خاک کا ڈھیر بن گیا۔ اب وہاں نہ زندگی کی صدائیں اٹھتی تھیں، نہ آبادی نظر آتی تھی!

چنگیز کا لشکر بخارا کے مدرسوں، خانقاہوں، محلوں اور عمارتوں کو برباد کرنے کے بعد آگے بڑھا!

لہ بخارا کی یہ شکست و ریخت اور آبادی کا یہ قتل عام افسانوی مبالغہ نہیں تاریخی حقیقت ہے ایک عینی شاہد کا قول تاریخ کے صفحات تا تاریوں کے باب میں اب تک محفوظ ہے!

"آمدند و کندند و سوختند و بردند و رفتند!"

اب سمرقند کی باری تھی!

چنگیز خاں کا خیال تھا علاؤ الدین سمرقند میں ہوگا، اور نہ بھی ہو تو سمرقند بجائے خود "حلوائے خوب است" کے مصداق اس کی جوع الارض کو پورا کرے گا۔ سمرقند کے بارے میں تن خاں نے اسے بتا رکھا تھا کہ یہ شہر بھی اپنی خوبیوں اور شاندار روایتوں کے باعث مشرق کی جان ہے، اگر اسے نہ برباد کیا تو کچھ نہ کیا، اگر اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجائی تو کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا، بات چنگیز کی سمجھ میں آگئی تھی، چنانچہ اس نے سیدھا سمرقند کا رخ کیا!

سمرقند کے لوگوں کو بخارا کی تباہی اور بربادی کی خبر ابھی نہیں ملی تھی، انہوں نے جب چنگیز کے لشکر کو اپنے تئیں محصور پایا تو حیران ہوئے اور دل میں خوش بھی ہوئے کہ بیوقوف بخارا کو چھوڑ کر یہاں آگیا۔

"لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا"

یہ محاصرہ کئے پڑا ہے اور علاؤ الدین خوارزم شاہ کی فوجیں بخارا سے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیں گی۔ پھر داہنے بائیں، آگے پیچھے سے کہیں بھی اماں نہ ملے گی۔ بری طرح مارا جائیگا، مرغان ہوا اور ماہیان دریا کو اس کے حال زار پر ترس آئے گا، یہ لشکر برباد ہو جائے گا۔ اور خود چنگیز اگر قتل نہ ہوا تو گرفتاری اور قید کی ذلت سے دوچار ہوگا۔ سمرقند کے لوگ اگرچہ چنگیز کی شخصیت، اس کی سفاکی اور بربریت، اس کے ظلم اور شقاوت سے واقف تھے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چنگیز لاکھ بڑا آدمی ہو لیکن اتنا بڑا تو نہیں کہ ہمیں شکست دیدے، ہمیں ہرادے،

"ہم ہم ہیں، اور وہ وہ"

چند روز کے محاصرہ کے بعد ایک روز دفعتاً چنگیز کا مورو ملخ سا لشکر سمرقند پر ٹوٹ پڑا۔

سمرقند کے لوگوں کی خوش فہمیاں کام نہ آئیں :

بخارا سے علاءالدین کا لشکر سمرقند کی مدد کو نہیں آیا،

اہل سمرقند نے مدافعت اور مزاحمت کی کوشش کی، لیکن اس کوشش میں وہ کامیاب نہ ہو سکے .... اور دیکھتے ہی دیکھتے سمرقند بھی اجڑ گیا۔ اسکا بھی وہی حشر ہوا جو بخارا کا ہوا تھا : ــ یہاں کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ لوگ بے تحاشا قتل کئے گئے، جو قتل نہیں کئے گئے، انہیں غلام بنا لیا گیا، عصمت شعار اور باتمکین خواتین باندیاں بنائی گئیں۔

چنگیز کی ایک آرزو تو پوری ہو گئی کہ اس نے سمرقند کو اس طرح زیر و زبر کر کے رکھ دیا جس طرح کوئی ہولناک اور قیامت خیز زلزلہ کسی شہر کو آناً فاناً میں الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے اور کھنڈر بنا دیتا ہے۔ لیکن اس کی دوسری تمنا پوری نہ ہو سکی۔

علاءالدین ! ــــ علاءالدین اس کے ہاتھ نہ آیا۔

اس ناکامی نے اس کی خوشی چھین لی، اس نے برہم ہو کر نمن خان سے کہا۔

علاءالدین کہاں ہے ؟ "

نمن خان نے زمین ادب کو بوسہ دے کر لرزتے ہوئے کہا

" میرے آقا وہ یہاں آیا ہی نہیں ! "

چنگیز کی برہمی اب تک قائم تھی ،

" یہ تو مجھے بھی معلوم ہو چکا، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کہاں ہے ؟ "

کیا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ —— جب تک میں اسے ختم نہ کر لوں مجھے قرار نہ آئے گا!

تمن خاں نے عرض کیا

"میرے آقا جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ وہ مازندران میں ہے! ——
اب ہمیں اسی طرف کوچ کرنا پڑے گا!"

چنگیز نے حکم دیا

"لشکر کو حکم دو کہ آگے بڑھے!"

بڑی مشکل اور جدوجہد محنت شاقہ کے بعد یہ لشکر بخارا سے سمرقند ہوتا ہوا آیا تھا یہاں بھی اسے آرام نہ ملا یہاں آتے ہی اس نے محاصرہ کر لیا اور محاصرہ کرنے کے بعد جنگ لڑی اور جنگ میں کامیابی ہونے کے بعد شہر کی ساری عمارتوں کو ڈھایا، مردوں اور عورتوں کو غلام بنایا اور ہزار ہا ہزار آدمی کی گردن ماری۔ اس سارے کام میں دیر بھی لگی وقت بھی صرف ہوا! درتکان بھی ہوئی لشکر کے لوگ چاہتے تھے کہ ذرا سستا کر آگے بڑھیں گے، تمن خاں کی بھی یہی رائے تھی لیکن چنگیز کا حکم کون ٹال سکتا تھا!

تمن خاں نے ڈرتے ڈرتے کہا

"میں ابھی کوچ کا حکم دیتا ہوں، امید ہے صبح کو دم ہماری فوجیں یہاں سے روانہ ہو جائیں گی۔"

چنگیز نے تیوری چڑھا کر پوچھا

— "کل دم کیوں؟ —— ابھی کیوں نہیں؟"

تمن خاں نے عرض کیا۔

"آقائے نامدار کا حکم ہو تو سارا لشکر ابھی ایک لمحہ میں تیار ہو کر سر بکف روانہ ہو سکتا ہے لیکن ......

چنگیز :- لیکن کیا؟ .... صاف صاف کہو"

تمن خاں :- میں چاہتا ہوں ہمارا لشکر آج صرف آج کی رات آرام کرے، اس کے بعد پھر نہ جانے کہاں کہاں کی منزلیں مارنا پڑیں کدھر کا رخ کرنا پڑے ایک رات کے آرام میں سب لوگ تازہ دم ہو جائیں گے۔

چنگیز بگڑ گیا

"چنگیز ہر وقت تازہ دم رہتا ہے، وہ کبھی نہیں تھکتا!

تمن خاں :- میرے آقا ـــــ!

چنگیز خاں :- اور چنگیز کی فوج کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئیے۔ اسے بھی تکان کے نام سے چڑنا چاہئیے!"

تمن خاں :- میرے آقا! میرے آقا!

چنگیز خاں :- اپنی چھولداری یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔ تم اپنے ساتھیوں اور ہم خیالوں سمیت اس میں آرام کرو ـــــ جسے میرے ساتھ چلنا ہو وہ آئے

یہ کہہ کر چنگیز اچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ ایڑ لگانے ہی والا تھا کہ تمن خاں آگے بڑھا اور رکاب سے لپٹ گیا۔

"میرے آقا ـــــ میں بھی چلوں گا۔ ہم سب چلیں گے!

چنگیز خاں :- تو آؤ ـــــ بس گھوڑے پر بیٹھ جاؤ! ـــــ ابھی اسی وقت۔ اب میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کر سکتا!

تمن خاں نے رکاب پکڑتے پکڑتے عرض کیا۔
"کم از کم خاصہ تو نوش فرما لیجئے!"
چنگیز ہنس پڑا
"میں سمجھ گیا تم بھوکے ہو!"
تمن خاں:۔ نہیں میرے سردار میرے آقا! میں بھوکا نہیں ہوں ...... میں
چاہتا ہوں آپ خاصہ نوش کرلیں۔ کئی دن سے آپ اتنے مصروف ومنہمک
ہیں کہ دسترخوان کچھ ہی نہ سکا صرف پھلوں پر قناعت کرنا پڑی۔
چنگیز خاں:۔ ہاں .... اور میں نے ذرا بھی تکلیف نہیں محسوس کی!"
تمن خاں:۔ لیکن میں اہتمام کرچکا ہوں میرے آقا ــــــ صرف میری خاطر
ــــــ تھوڑی دیر، بس خاصہ نوش فرمانے ہی کوچ کرد
یجئے گا!
چنگیز خاں مسکرایا!
"چلو ہم دیکھیں گے خاصہ کہاں تیار ہو رہا ہے اور کیا تیار ہو رہا ہے؟"
تمن خاں:۔ چلئے میرے آقا۔ آئیے میرے ساتھ!
چنگیز:۔ "چلو!"
پھر اس نے ایک سپہ دار کی طرف دیکھ کر بلند آہنگی کے ساتھ کہا
"قرنا پھونک دو، سب کو اطلاع ہو جائے کہ ہم ابھی کوچ کریں گے!"
وہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر بولا
"ابھی لیجئے میرے آقا!"

چنگیز نے ممتن خاں سے کہا :

"آؤ ۔۔۔۔!"

سپہ دار کے حکم سے فوراً قرنا کی آواز بلند ہوئی۔ چنگیز ممتن خاں کے ساتھ اس خیمہ میں پہونچا جہاں دیگیں چڑھی ہوئی تھیں اور کھانا پک رہا تھا!

چنگیز نے کہا

"یہ ہے ہمارے خاصہ پکنے کی جگہ ؟"

ممتن خاں :۔ میرے آقا یہی ہے .... یہیں میری نگرانی میں آپ کا خاصہ تیار ہوتا ہے!

چنگیز :۔ کیا کیا پک رہا ہے ؟

ممتن خاں :۔ دنبے کا گوشت، کباب، روٹی، طرح طرح کے خوان نعمت!

چنگیز :۔ ہوں .... ہم دیکھ رہے ہیں!

چنگیز ممتن خاں سے باتیں کر رہا تھا، اور خیمہ میں گھل گھل کر پکنے کا سامان دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ایک باورچی کے پاس پہونچا جو روٹی پکا رہا تھا تازہ تازہ اور گرم گرم!

چنگیز نے ایک روٹی اٹھالی اور ممتن خاں سے کہا

"کباب لاؤ"

ممتن خاں دوڑا دوڑا کباب لینے گیا جب تک وہ آتے آتے چنگیز سات آٹھ روٹیاں روکھی ہی کھا چکا تھا۔

اتنے میں ایک قاب کے اندر بہت سے کباب لے کر ممتن خاں آیا چنگیز نے

قاب تمن خاں کے ہاتھ سے لے لی اور کہا۔

"پانی لاؤ"......!

تمن خاں دوڑا دوڑا پانی لینے گیا، اتنی دیر میں چنگیز نے کہا بیوں کی قاب صاف کر دی۔ ایک ایک لقمہ میں دو دو کباب وہ بڑی بے پروائی سے کھا رہا تھا ——— پہلے روٹی تھی کباب نہ تھے، اب کباب تھے روٹی نہ تھی، اتنے میں تمن خاں پانی لے کر آیا، چنگیز نے کھڑے کھڑے پانی پیا اور تمن خاں سے کہا

"ہم نے خاصہ نوش کر لیا!"

لشکر کی کمر بندی ہو چکی تھی، خیمہ سے باہر نکلا۔ گھوڑے پر بیٹھا اور لشکر سمیت مازندران کی طرف بڑھا۔

باپ کی وصیت

چنگیز کا لشکر بصفت سیل رواں آگے بڑھ رہا تھا، وہ جدھر سے گذرتا تھا، تباہی ہلاکت اور بربادی کے چہرے لگاتا ہوا بڑھتا تھا۔ مستعدی کا یہ عالم تھا کہ نہ دن کو دن سمجھتا تھا، نہ رات کو رات، اور خون آشامی کی یہ کیفیت تھی کہ گناہگار اور معصوم کی کوئی تفریق نہیں تھی، جو سامنے آیا وہ کشتۂ تیغ ستم ہوا..... امان، پناہ، احسان ان چیزوں سے چنگیز کے لشکر کا ہر فرد بالکل ناواقف تھا!

چنگیز کا لشکر اب طوفان آب و باد کی طرح، مازندران کی طرف بڑھ رہا تھا، بڑھتا چلا جا رہا تھا، راستے میں کئی شہر پڑے، وہ سب پامال ہوئے، بہت سی بستیاں گزریں وہ سب برباد کر دی گئیں، جتنے دیہات نظر آئے اجاڑ دیئے گئے، اور ان جگہوں کے باشندے بھی یا غلام بنا لئے گئے یا ہلاک کر دیئے گئے.......... غلامی موت سے بدتر تھی، جو لوگ غلام بنائے جاتے تھے، وہ پہلے تو خوش ہوتے تھے کہ جان بچی لاکھوں پائے لیکن جب غلامی سے سابقہ پڑتا تھا تو محسوس کرتے تھے، کاش وہ بھی ہلاک کر دیئے گئے ہوتے، انہیں وہ حقوق اور مراعات بھی حاصل نہیں تھے، جو حیوانوں اور

جانوروں کو ہوتے ہیں، ان سے دن رات کام لیا جاتا تھا، ذرا سی لغزش پر کوڑے
مارتے مارتے ان کی کھال اتار دی جاتی تھی، ان کی توہین کی جاتی تھی، انہیں بھوک کی
مار بھی دی جاتی تھی، انہیں خوشی، عافیت اور مسرت کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آتا تھا،
وہ اپنے جن ساتھیوں کو مرتے دیکھتے تھے ان کی خوش قسمتی پر رشک کرتے تھے،

اب چنگیز کا لشکر مازندران پہونچ چکا تھا! ——
اور یہاں آنے کے بعد بھی اس نے وہی سب کچھ کیا جو بخارا میں کر چکا تھا۔
سمرقند میں کر چکا تھا اور یہاں آتے آتے نواحی بستیوں میں کر چکا تھا، نہ رعایا کو اماں ملی
نہ امرا اور روسا کے ساتھ کوئی رعایت کی گئی، نہ عورتوں کو بخشا گیا، نہ بچوں کو معاف
کیا گیا، نہ بوڑھوں پر کوئی ترس کھانے والا تھا، نہ بیماروں، معذوروں اور اپاہجوں
کے ساتھ کوئی رعایت تھی —— لیکن ہاں ان لوگوں کے ساتھ رعایت
کی گئی جو ناکارہ تھے انہیں قید حیات سے آزاد کر دیا گیا!

یہاں پہونچ کر اگرچہ چنگیز اور اس کے حکم سے تمن خاں نے ظلم و ستم کا بازار
گرم کیا، عمارتوں کو ڈھا کر اپنی حسرت انتقام پوری کر لی، لوگوں کو قتل کر کے خونخوار
کے جذبہ کو تسکین دے لی لیکن ——

علاءالدین ہاتھ نہ آیا!

وہ چنگیز کے محاصرہ کے بعد یہاں سے جا چکا تھا، چنگیز نے دم کٹے سانپ
کی طرح پیچ و تاب کھایا، اسے بڑا غصہ تھا کہ علاءالدین اس دفعہ بھی بچ گیا، اسی
برہمی کے عالم میں اس نے تمن خاں کو طلب کیا، اسے [illegible] اور کہا

"تمن خاں ...... علاالدین یہاں بھی نہیں ہے!"
تمن خاں نے دست بستہ عرض کیا
"شاہ عالم پناہ، بے شک وہ یہاں نہیں ہے، حضور کی آمد کی خبر سنکر دُم دبا کر بھاگ گیا!"
چنگیز:۔ اور بھاگ کر اس نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم تعاقب کا سلسلہ جاری رکھیں، ہم عہد کر چکے ہیں کہ اگر وہ دنیا کے آخری سرے پر بھی ہوگا تو ہم وہاں جائیں گے اور اسے قرار واقعی سزا دیں گے ـــــ خواہ وہ کہیں بھی ہو!"
تمن خاں:۔ بے شک ہم اس کا تعاقب جاری رکھیں گے!
چنگیز خاں:۔ کتنے آدمی گرفتار ہوئے؟
تمن خاں:۔ ہزار ہا ہزار ـــــ گننے کی ضرورت کیا ہے؟
چنگیز خاں:۔ (ہنسکر) ہاں جن کی قسمت میں غلامی اور موت لکھی جا چکی ہے، انہیں شمار کرنے سے کیا حاصل؟
تمن خاں:۔ بجا ارشاد ہوا عالم پناہ!
چنگیز خاں:۔ بس تو اپنا کام کرو ـــــ جو کام کے آدمی ہوں انہیں غلام بنالو جو ناکارہ ہوں انہیں موت کے گھاٹ اتار دو!
تمن خاں:۔ بہت خوب ـــــ لیکن علاالدین کے کچھ اہل خاندان بھی گرفتار ہوئے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے؟
چنگیز خاں:۔ (چونک کر) خاندان شاہی کے بھی کچھ افراد گرفتار ہوئے ہیں؟
تمن خاں:۔ میرے آقا! ـــــ

چنگیز خاں:۔ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہونا چاہیئے، جو سب کے ساتھ ہو رہا ہے ـــــ غلامی یا ہلاکت!

ممن خاں:۔ بجا ارشاد ہوا، یہی ہوگا، لیکن غلام ایک بات گذارش کرنا چاہتا تھا۔

چنگیز خاں:۔ تم ہمارے غلام نہیں، دوست ہو بھائی، عزیز ہو ـــــ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

ممن خاں:۔ میری گذارش یہ تھی کہ جب تک خوارزم شاہی حکومت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک ـــــ

چنگیز خاں:۔ یہ لوگ قید رکھے جائیں؟

ممن خاں:۔ یہی غلام بھی عرض کر رہا تھا!

چنگیز:۔ لیکن کیوں؟ ـــــ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہیں پانسہ پلٹ نہ جائے، اور ہمیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں ـــــ؟

ممن خاں:۔ نہیں میرے آقا ـــــ میں جانتا ہوں پانسہ پلٹ ہی نہیں سکتا!"

چنگیز خاں:۔ ہم نے ہارنا نہیں سیکھا ہے!

ممن خاں:۔ بے شک ـــ چنگیز نے ہرانا سیکھا ہے ہارنا نہیں،

چنگیز خاں:۔ پھر اس مشورہ کی مصلحت؟

ممن خاں:۔ غلام کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح متفرق طور پر ان لوگوں کو ہلاک کر دینے سے کیا فائدہ، لطف تو جب تھا کہ علاء الدین کے سامنے ان لوگوں کی

گردن کاٹی جاتی ــــــــ صرف انہیں کی نہیں، اس کے سارے خاندان کی اور آخر میں اس کی گردن بھی اڑا دی جاتی۔

چنگیز :۔ (مڑ کر) ہاں تجویز معقول ہے ــــــــ ان سب کو فی الحال ایک خیمہ میں قید رکھو!

منن خاں:۔ بہت خوب، میرے سردار!

بخارا سے رد بہ فرار لانے کے بعد سے علاؤالدین خوارزم شاہ کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی!

وہ بوڑھا ہو چکا تھا ــــــــ بڑھاپے میں دبے ہوئے امراض ابھرتے ہیں۔ اور مریض کو چھاپ بیٹھتے ہیں، پھر علاؤالدین صرف بڑھاپے ہی کا مریض نہیں تھا۔ افکار و ہموم نے بھی اسے پریشان کر رکھا تھا، بیٹوں کی نافرمانیاں، وزیروں اہل خاندان کی ہوسناکیاں، امراء اور جاگیرداروں کی بے پروائیاں، حکام و عمال اور فوجی امراء کی بے ایمانیاں ان ہی سب چیزوں کا یہ نتیجہ تھا کہ بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں پر دشمن کا قبضہ ہو گیا اور اب حالات و آثار ایسے تھے کہ چنگیز کی کہیں بھی مدافعت نہیں کی جاسکے گی، وہ جہاں بھی پہونچے گا کامیاب اور فاتح بن کر بیٹھے گا۔ خوارزم شاہی حکومت ختم ہو جائے گی اور تاتاریوں کی برتری قوت اور غلبہ حاصل کرلے گی؛

علاؤالدین بستر علالت پر دراز تھا، اردگرد اس کے بیٹے اور خاندان کے دوسرے حکام و عمال بیٹھے تھے۔ علاؤالدین نے ادھر ادھر دیکھا اور کمزور نحیف آواز میں کہا؛

" جلال الدین (محمد بن بخش) کہاں ہے؟ ـــــــــــــ اسے بلاؤ

ابھی بلاؤ!

ایک خادم گیا اور تھوڑی دیر میں جلال الدین کو لے کر آ گیا!

جلال الدین باپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا

غلام کو یاد فرمایا تھا آپ نے؟

علاؤالدین :۔ ہاں بیٹا، میں نے تکلیف دی تھی تمہیں،

جلال الدین :۔ قبلہ و کعبہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ آپ کے ایک اشارہ پر جلال الدین

اپنی جان قربان کر سکتا ہے!

علاؤالدین :۔ میں جانتا ہوں میرے بیٹے ـــــــــــ مجھے تجھ سے کچھ

ضروری باتیں کرنی ہیں ـــــ بہت ضروری، بے حد اہم!

جلال الدین :۔ ارشاد، ارشاد!

علاؤالدین :۔ لیکن وہ باتیں سب کے سامنے نہیں کہی جا سکتیں، تخلیہ ضروری ہے،

یہ بات سنکر سب لوگ ایک ایک کرکے اٹھ گئے،

جب بالکل تخلیہ ہو گیا تو جلال الدین۔ نے کہا

۔ قبلہ و کعبہ سب لوگ چلے گئے۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے، ارشاد فرمائیے،

آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟"

علاؤالدین :۔ تم میرے اور قریب آ جاؤ، بالکل قریب ـــــــــــ دیوار

ہم گوش دارد!

جلال الدین کھسک کر اور قریب آ گیا اور منتظر نگاہوں سے باپ کو دیکھنے لگا

کہ وہ کیا کہنا ہے؟ علاءالدین نے خیمہ پر ایک متجسسانہ نظر ڈالی اور رازدارانہ انداز میں کہا۔

۔ کوئی ہماری باتیں سن تو نہیں سکتا؟ ۔

جلال الدین:۔ نہیں قبلہ وکعبہ کوئی بھی ہماری باتیں نہیں سکتا، بالکل تخلیہ ہے،

علاءالدین:۔ پھر بھی خیمہ سے باہر نکل کر دیکھ آؤ جاکر، کوئی آس پاس تو نہیں ہے؟

جلال الدین کو حیرت تھی کہ وہ کون سی راز کی بات ہے جو علاءالدین کہنا چاہتا ہے لیکن باپ کا حکم ٹال بھی نہیں سکتا تھا، باہر نکلا اور اچھی طرح ادھر ادھر دیکھ کر واپس آیا اور باپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا

۔ میں نے دیکھ لیا آس پاس کوئی بھی نہیں ہے، آپ فرمائیے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ۔

علاءالدین:۔ ایک بہت اہم معاملہ میں صلاح لینی تھی!

جلال الدین:۔ فرمائیے میں بڑی توجہ سے سن رہا ہوں،

علاءالدین:۔ کیا میں چنگیز کی اطاعت قبول کر لوں؟ ۔

جلال الدین:۔ (تیوری چڑھاکر) میں کیا عرض کر سکتا ہوں ——————

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند!

علاءالدین:۔ پھر بھی تمہاری کیا رائے ہے؟

جلال الدین:۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) میری رائے لینا بیکار ہے، سرداران فوج سے پوچھئے، ولی عہد مملکت سے دریافت کیجئے، ارباب حل وعقد کا ایما لیجئے!

علاءالدین:۔ ان سب سے پوچھ چکا، ان سب کی رائے ہے کہ ہمیں قسمت سے نہیں لڑنا چاہیئے!

جلال الدین:۔ قسمت؟ ـــــ یعنی یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ چنگیز سے لڑنا قسمت سے لڑنا ہے؟

علاء الدین:۔ ہاں یہی سمجھتے ہیں ـــــ اچھا یہ بتاؤ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے

جلال الدین خاموش رہا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

علاء الدین:۔ بتاؤ بیٹے، میں تم سے پوچھ رہا ہوں!

جلال الدین:۔ (جوش کے عالم میں) خدا آپ کو عمر خضر عطا فرمائے ـــــ

علاء الدین:۔ ارے کیا تم میرا مرنا نہیں چاہتے؟

جلال الدین:۔ آپ کی زندگی کیلئے میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں!

علاء الدین:۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) خیر ـــــ ہاں یہ بتاؤ! آگے تم کیا کہہ رہے تھے؟

جلال الدین:۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو زندگی کی آخری سانس تک چنگیز کا مقابلہ کرتا، چنگیز اگر قسمت ہے تو میں اس سے بھی مقابلہ کرتا، اور اسے شیشہ کی طرح چکنا چور کر دیتا۔

یہ سنکر علاء الدین اٹھنے لگا، جلال الدین نے اسے پھر لٹا دیا اور کہا قبلہ و کعبہ آپ بہت کمزور ہیں، ہرگز اٹھنے کا ارادہ نہ کیجئے۔

علاء الدین:۔ اچھا تو اور قریب آ، میرے بیٹے سینہ سے لگ جا، میں تجھے پیار کروں گا!

جلال الدین، باپ کے سینہ سے لپٹ گیا، علاء الدین نے اس کے سر پر ہاتھ

پھر اس کی پیشانی کا بوسہ کیا اس کی آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

- میرے بیٹے میرے بچے ـــــ مجھے تجھ سے یہی توقع تھی، تو نے میرا دل رکھ لیا۔ اب میں خوشی سے مروں گا،

جلال الدین :- آپ بہت دن زندہ رہیں گے۔

علاؤالدین :- نہیں بیٹے، میں اب چند گھڑیوں کا مہمان ہوں، اپنے متعلق میں دھوکا نہیں کھا سکتا، میں جانتا ہوں میری کیا حالت ہے؟

جلال الدین :- صرف کمزوری ہے اور یہ کمزوری بھی ان شاء اللہ جلد جاتی رہے گی

علاؤالدین :- بیٹے مجھے طفل تسلی نہ دو۔ میں اب زندہ نہیں رہ سکتا اور تمہاری اس گفتگو کے بعد مجھے زندہ رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے! مجھے امید ہے! تم میرا کام جاری رکھو گے۔

جلال الدین :- آپ کا مطلب چنگیز ـــــ

علاؤالدین :- ہاں ـــــ میں چاہتا ہوں، چنگیز کی وحشت اور بربریت سے تم مرعوب نہ ہو، تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ انہوں نے نامساعد سے نامساعد حالات میں، دشمن کا مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے، تم مسلمان ہو اور بدر و حنین کی معرکہ آرائیاں تمہارا مقدس ترکہ ہیں ـــــ کیا تم اس مقدس ترکہ سے دست بردار ہو جاؤ گے؟

جلال الدین :- ہرگز نہیں ـــــ قبلہ و کعبہ جلال الدین جب تک زندہ

ہے، وہ قوت وشوکت، طاقت اور جاہ وجلال، دبدبہ اور طنطنہ، کثرت افواج ومال وزر اور ساز وسامان جنگ سے مرعوب نہیں ہو سکتا وہ لڑے گا اور میدان جنگ سے کبھی منہ نہیں پھیرے گا۔

علاءالدین:۔ ہاں میرے بیٹے میں یہی چاہتا ہوں۔

جلال الدین:۔ میں جانتا ہوں چنگیز قہر خداوندی کا نمونہ ہے، ہوا کرے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، ہم اگر ڈٹ کر مقابلہ کریں تو اس کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں، ہم اگر متحد ہو کر میدان جنگ میں اتریں تو اسے شکست فاش دے سکتے ہیں

علاءالدین:۔ (کمزور آواز میں) کیا کہا، متحد ہو کر ——— کیا مسلمان متحد ہو سکتے ہیں؟

جلال الدین:۔ کیوں نہیں ہو سکتے، اگر وہ متحد نہ ہوئے تو بے شک تباہ ہو جائیں گے پھر خوارزم شاہی سلطنت بھی مٹ جائے گی اور خلافت عباسیہ کی بھی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی، پھر دانتی کچھ نہیں ہو سکتا۔

علاءالدین:۔ تو کیا اگر مسلمان متحد نہ ہوئے تو تم ہمت ہار جاؤ گے، بولو بیٹے؟

جلال الدین:۔ نہیں قبلہ وکعبہ ——— میں نتیجے سے بے پرواہ ہو کر جنگ جاری رکھوں گا، یہ میرا فرض ہے، یہ آپ کی وصیت ہے ——— میں اس فرض کو انجام دوں گا، میں وصیت کی تعمیل کروں گا!

علاءالدین نے پھر جلال الدین کو سینہ سے لگا لیا اور کہا میں اس مسافرت اور مجبوری کے عالم میں تمہیں کوئی انعام نہیں دے سکتا لیکن خدا اس حسن نیت کی جزا ضرور دے گا!

اتنے میں خادم نے آکر اطلاع دی کہ حکیم صاحب انتظار میں بیٹھے ہیں،
جلال الدین نے کہا
"جاؤ انہیں لے آؤ!"
حکیم صاحب، اور حکیم صاحب کے ساتھ خاندان کے دوسرے لوگ بھی
آموجود ہوئے، حکیم صاحب نے نبض دیکھی، ان پر اس وقت محویت کا عالم طاری تھا
پھر انہوں نے ہاتھ ہٹایا اور مایوسی کی نظر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے
جلال الدین نے پوچھا
"قبلہ و کعبہ کا مزاج کیسا ہے؟"
حکیم صاحب نے کہا
"اب پوچھنے کی ضرورت نہیں دیکھنے کی ضرورت ہے ——— دیکھ!
جلال الدین باپ کی طرف لپکا اس نے دیکھا کہ علاءالدین کی آنکھیں بند ہیں ایسا
معلوم ہوتا ہے، وہ سو رہا ہے، وہ سوچنے لگا قبلہ و کعبہ باتیں کرتے کرتے سو کیسے گئے؟
اس نے پھر حکیم صاحب سے پوچھا،
"کیا ہوا انہیں؟
حکیم صاحب نے کہا
"وہی جو ایک روز سب کو پیش آتا ہے ——— تجہیز و تکفین کا
سامان کیجئے!"
اس اچانک موت پر جلال الدین کے منہ سے چیخ نکل گئی مد   پہنے پروگرام
لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا!

بہ ہے کہ ہم اپنے

تمن خاں کا چنگیز کو مشورہ!

علاءالدین خوارزم شاہ کی وفات نے دوستوں کو مغموم اور خود غرضوں کو
مسرور کر دیا — دوست بہت کم تھے اور خود غرض بہت زیادہ!
چنگیز خاں کچھ دنوں کے لئے اپنے مستقر پر واپس آ گیا تھا، اگرچہ علاءالدین
اس کے ہاتھ نہ آیا، پھر بھی وہ اپنے تئیں ناکام نہیں سمجھتا تھا، تمن خاں نے اسے باور کرا دیا
تھا کہ اس کے ان پے بہ پے حملوں نے علاءالدین کی کمر توڑ دی ہے، اور اب وہ دل
سے ہاتھ باندھ کر حاضر ہونا ہی چاہتا ہے۔ چنگیز خاں یہ سوچ رہا تھا، اگر تمن خاں کی
بات پوری نہ ہوئی تو پھر بھی پہلے سے زیادہ جوش و خروش اور زور و قوت
کے ساتھ خوارزم شاہی حکومت کا تخت لینے کیلئے میدان میں آ جاؤں گا، مستقر
آ جانے سے یہ فائدہ ہو گا کہ فوج کی تنظیم جدید ہو جائے گی، اور ایک
مرتب ہو جائے گا! — وہ فوج کی تنظیم جدید اور نیا نقشہ جنگ
لیکن بڑے انہماک کے ساتھ مشغول تھا، ان کاموں میں اتنا الجھا
سرداران فوج سے اس نے ملنا جلنا تقریباً بند کر رکھا تھا

چنگیز نے ایک نئی پلٹن قائم کی تھی۔ آج اس کا معائنہ کرنا تھا۔ ابھی وہ اپنے خیمہ سے باہر نہیں نکلا تھی کہ تمن خاں دوڑتا ہوا اندر گھس آیا چنگیز کو اس کی اس کی اس حسارت پر حیرت ہوئی اس نے کہا

"تم یہاں کیسے آگئے، بغیر اجازت!؟

تمن خاں اپنے آقا کا اگرچہ مزاج شناس تھا، لیکن اس وقت اس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری تھی، اس نے کہا۔

"میرے آقا، میں اس وقت ایسی خبر لے کر آیا ہوں جسے فوراً گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، ایک لمحہ کا توقف بھی میرے لئے بیکار تھا!

چنگیز کو اور حیرت ہوئی کہ آخر وہ کون سی خبر ہو سکتی ہے؟ اس نے پوچھا

"تو کہتے کیوں نہیں کون سی خبر ہے وہ؟"

تمن خاں:۔ علاء الدین مرگیا!

چنگیز خاں:۔ (متعجب ہوکر) علاء الدین مرگیا؟ ــــ کیا واقعی؟

تمن خاں۔ غلام اپنے آقا تک وہی خبر پہونچاتا ہے، جو شک و شبہ سے بالا ہو!

اب تک باہر جانے کیلئے چنگیز کھڑا کھڑا تمن خاں سے باتیں کر رہا تھا، اب وہ بیٹھ گیا۔ اس نے کہا

"یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے!"

تمن خاں:۔ اس خبر کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اب ہم اپنے پروگرام پر نظر ثانی کرنے کیلئے مجبور ہو گئے ہیں!

چنگیز خاں:۔ پروگرام پر نظر ثانی؟ ــــــ کیا تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے

حملہ کا ارادہ ترک کر دیں؟

تمن خاں :- میرے آقا، میں یہی چاہتا ہوں!

چنگیز خاں :- تم احمق ہو ——— ہم اپنا ارادہ بدل نہیں سکتے، دشمن کی اس پریشانی اور ابتری سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیئے، اور تم چاہتے ہو کہ اسے ہم تیاریاں کرنے کا موقع دیں؟ ——— کتنی بے تکی بات ہے،

تمن خاں خاموش ہو گیا اسے خاموش دیکھ کر چنگیز خاں نے کہا

کیا تمہیں ہماری رائے سے اتفاق نہیں ہے؟

تمن خاں :- غلام میں یہ جرأت تو نہیں کہ وہ اپنے آقا کی رائے سے اختلاف کر سکے، ہاں وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ اپنے خیالات پیش خدمت کر سکتا!

چنگیز خاں :- اجازت ہے ——— کہو!

تمن خاں :- جہاں تک دشمن کی پریشانی اور ابتری سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے، میں پورے طور پر متفق ہوں اس تجزیہ سے، لیکن میرا طرز فکر دوسرا ہے!

چنگیز :- ہم سنیں گے، تمہاری رائے کی ہماری نگاہ میں وقعت ہے!

تمن خاں :- دشمن سے فائدہ اٹھانے کی بہترین ترکیب غلام کے خیال میں یہ ہے کہ اسے فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے!

چنگیز خاں :- بے وقوف ——— یہ کیوں؟

تمن خاں :- اگر ابھی اس پر حملہ کیا گیا تو وہ اس قدر جلد زیر نہیں ہوگا جتنا کچھ عرصہ بعد، حملہ کی خبر سنکر علاء الدین کے بیٹے متفق ہو جائیں گے، مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے گا، ہو سکتا ہے دوسری مسلم حکومتیں بھی ہمارے اس اقدام

کرنا پسند کریں اور اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں

چنگیز :۔ ہم کسی اسلامی حکومت کو خاطر میں نہیں لاتے ، جو ہم سے لڑنا چاہتا ہے وہ شوق سے میدان جنگ میں اتر آئے ہم اس کا خیر مقدم کریں گے

تمن خاں :۔ بیشک ــــ اور اس پر غالب بھی آئیں گے !

چنگیز :۔ جب یہ جانتے ہو تو پھر ایسا احمقانہ مشورہ کیوں دے رہے ہو ؟

تمن خاں :۔ اگر دشمن کو اس وقت یوں ہی اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو آپ جانتے ہیں نتیجہ کیا ہوتا ؟

چنگیز :۔ بتاؤ ــــ

تمن خاں :۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ علاء الدین کے بیٹے آپس میں لڑنے لگتے ، یوں بھی وہ کمزور ہیں ، اس خانہ جنگی سے وہ اور زیادہ کمزور ہو جاتے ، اور ان کے کمزور ہو جانے کے بعد صرف ایک فوج کشی میں کام بن جاتا !

چنگیز :۔ (مسکرا کر) پھر یہ حکومت پکے ہوئے پھل کی طرح ہماری گود میں گر جاتی !

تمن خاں :۔ بے شک ، سردار عالم بے شک !

چنگیز :۔ (مہربانی کیا ہے) اچھا ہم تمہاری تجویز پر غور کریں گے !

تمن خاں :۔ اس بندہ نوازی کا شکریہ !

چنگیز :۔ لیکن ایک بات کا سختی سے خیال رکھنا ، وہ یہ کہ فوجی تیاریوں میں کسی قسم کی ڈھیل نہ پڑنے پائے ، ہماری فوج ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہے ہمارے ایک اشارہ پر کوچ کر دے !

تمن خاں :۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہے ہماری فوج

تمن خاں:۔ ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتی ہے، وہ اپنے مالک کا اشارہ پاتے ہی دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑتی ہے جس طرح شہباز کبوتر پر!

چنگیز:۔ ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کیا فیصلہ کریں گے۔ لیکن تمہاری تجویز میں معقولیت کا پہلو ہمیں نظر آتا ہے۔ ہم اس پر غور کریں گے اور کل تمہیں جواب دیں گے ــــ!

تمن خاں:۔ بہت بہتر ــــ ہماری کئی پلٹنیں اس انتظار میں ہیں کہ آپ ان کا معائنہ فرمائیں گے۔

چنگیز:۔ چلو ــــ ہم معائنہ ہی کے لئے جا رہے تھے کہ تم آ گئے؛ ــــ
ــــ اور واقعی تم نے ہمیں ایسی خبر سنائی جسے سنکر ہم خوش ہوں
پھر چنگیز تمن خاں کو لے کر اپنے نئے بھرتی شدہ سپاہیوں کا معائنہ کرنے چلا گیا

اور چنگیز خاں اور اس کے مشیر تمن خاں کی یہ رائے غلط بھی نہیں تھی!

علاءالدین خوارزم شاہ جیسے ہی اس دنیا سے رخصت ہوا اس کے بیٹوں میں جنگ زرگری شروع ہو گئی، ہر شخص کی یہی تمنا تھی کہ وہ مالک تاج و نگیں ہو، ایک ہی بیٹا ہوتا تو یہ سوال نہ پیدا ہوتا۔ کئی بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک سب سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو جس شہر میں تھا وہیں اس نے اپنی کج کلاہی اور فرماں روائی کا اعلان کر دیا۔ ایسے موقعوں پر عوام اگر بیدار ہوں تو وہ خود ہی آگے بڑھ کر نااہلوں کو ہٹا دیتے ہیں اور کسی مستحق شخص کو اپنی قسمت کا مالک بنا لیتے ہیں، خوارزم شاہی سلطنت کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع تھا اور اس کے

اطاعت گزاروں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی لیکن یہ "عوام کالانعام" تھے، یہ حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ نااہل کو مار بھگائیں اور مستحق شخص کو اپنا فرماں رواں بنا دیں، نہ ان کی سیاسی تربیت ہوئی تھی، نہ ان میں شعور سیاسی تھا، یہ صرف اس لئے تھے کہ جو نیا فرماں روا قوت و شوکت کا مظاہرہ کرتا ہوا سامنے آئے، یہ اپنی گردن میں اس کی اطاعت کا قلادہ ڈال لیں، اور پھر علاء الدین کی تو لوگوں کے دلوں پر ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، اس کے بیٹوں کے متعلق بھی یہی خیال تھا کہ ان میں سے جو بھی مالک اورنگ حکومت ہوگا، وہ باپ سے زیادہ نمایاں کارنامے انجام دے گا، انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ صرف حکومت کرنا چاہتے ہیں حکومت کے فن سے ناواقف ہیں، یہ بادشاہت کے تخت پر اس لئے قابض ہونا چاہتے ہیں کہ بے اندازہ دولت کے مالک بن جائیں گے اور اس دولت سے عیش و عشرت کریں، لطف زندگی اٹھائیں، یہ اختیار و اقتدار کے اس لئے بھوکے تھے کہ اسے اپنی غلامی میں لے کر اپنے جیسے لوگوں کو نوازیں، اور ان لوگوں پر ظلم کریں جو ان کی حرص و حوص کو پسند نہیں کرتے، ان کے نزدیک بادشاہت کا مقصد خدمت خلق نہیں تھا، عوام کی داد رسی نہیں تھی، مظلوموں کی دستگیری نہیں تھی، محتاجوں کی امداد و اعانت نہیں تھی، ظالموں کی سرکوبی نہیں تھی۔ رشوت خوروں اور جاہ پرستوں کا قلع قمع نہیں تھا، یہ صرف ایک بات کے جویا تھے بادشاہت کریں، عیش کریں زندگی کے مزے اڑائیں قوم برباد ہوتی ہے تو ہو، ملک تباہ ہوتا ہے تو انہیں کوئی پرواہ نہیں، اسلام پر زوال آتا ہے تو آیا کرے، بے خطا اور بے گناہ مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح ہوتے ہیں تو ہوا کریں، یہ سارے وہ مسائل تھے جن سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا، جن پر

کرنا یہ وقت کا ضائع کرنا سمجھتے تھے . چنانچہ خوارزم شاہی حکومت کے مختلف شہروں میں بادشاہتیں قائم ہو گئی تھیں، کوئی بھائی بھی ایسا نہیں تھا، جو دوسرے سے اپنے کو کمتر سمجھتا تھا، لہذا قدرتاً ہر بھائی کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لے رہی تھی کہ وہ دوسرے بھائیوں کو اپنا مطیع بنا لے، اور خود اقتدار و اختیار کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لے! ـــــــ یہ ذہنیت خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کا پیش خیمہ تھی لیکن جب برے دن آتے ہیں، قسمت بگڑتی ہے اور ادبار سر پر منڈلانے لگتا ہے تو حقیقت پر کوئی غور نہیں کرتا، صرف اپنی ذات ہر شخص کو پیش نظر ہوتی ہے!

ـــــــ یہی اس وقت خوارزم شاہ کے خاندان میں بھی ہو رہا تھا!

ہاں ایک جلال الدین تھا، جو سب سے الگ تھا ـــ جب تخت حکومت پر قبضہ کے لئے خاندان خوارزم شاہی میں کشمکش ہو رہی تھی تو یہ الگ بیٹھا، حسرت و افسوس کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے نہ کسی بھائی کا ساتھ دیا، نہ کسی سے لڑا نہ کسی سے کوئی مطالبہ کیا! ـــــــ چونکہ یہ سب سے الگ تھلگ تھا. لہذا دوسرے بھائی بھی اسے بھولے ہوئے تھے. وہ الگ الگ شہروں میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر رہے تھے - اور یہ ایک گوشہ میں بیٹھا مسلمانوں کی قسمت کو رو رہا تھا!

ایک روز جلال الدین اسی فکر میں مستغرق بیٹھا تھا، کہ اس کے ایک جاں نثار اور فدا کار دوست اور ساتھی اور دور کے رشتہ دار معین الدین نے کہا!

ہمیں امید تھی کہ آپ حالات سنبھال لیں گے لیکن آپ کی اس خاموشی اور گوشہ نشینی نے ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دیں ـــ آخر آپ کیا

سوچ رہے ہیں ؟

جلال الدین مسکرایا ۔

۔ میرے دوست ، میرے عزیز ، میرے ساتھی کیا تم نہیں جانتے
کہ میں کیا سوچ رہا ہوں ؟

معین الدین :۔ بالکل نہیں جانتا ـــــــــ خدا کے لئے حالات کی نزاکت
کو محسوس کیجئے اور ـــــــ

جلال الدین :۔ حالات کی نزاکت کو تو اچھی طرح شاید تم سے بھی زیادہ محسوس
کر رہا ہوں لیکن ۔۔ اور ۔ کیا کروں ؟ یہ نہیں جانتا ۔ بتا سکتے ہو کچھ ؟

معین الدین :۔ ضرور بتا سکتا ہوں !

جلال الدین :۔ تو پھر نیک میں تاخیر کیوں ؟ ـــ بتاؤ !

معین الدین :۔ لیکن مجھے امید نہیں کہ آپ میری بات مان لیں گے !

جلال الدین :۔ بلا وجہ مایوس اور نا امید ہونا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ، میں جانتا
ہوں تم میرے عقیدتمند ہو ، کہو میں سنوں گا ، غور کروں گا ، اور اگر ممکن ہوا تو
مان بھی لوں گا !

معین الدین :۔ بھلائی کا صرف ایک راستہ ہے ـــــ یہ کہ آپ اپنی بادشاہت
کا اعلان کر دیں !

جلال الدین :۔ (زہرخند کیساتھ) تم جیسے دیرینہ اور آزمودہ کار مخلص دوست سے یہ
توقع نہ تھی کہ وہ ایسا بھیانک اور خطرناک مشورہ دے گا !

معین الدین :۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا آپ میری بات نہیں مانیں گے ۔۔ یہی ہوا ،

جلال الدین:۔ کیسے مان لوں؟ـــــ حکمرانی کے امیدواروں کی فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ کردوں؟ تم مجھے اتنا خودغرض سمجھتے ہو؟

معین الدین:۔ خودغرضی یہ ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو بچانے کے لئے مسلمانوں کو نظرانداز کر رہے ہیں، مسلمانوں کے مفاد عمومی کو فراموش کئے دے رہے ہیں،

جلال الدین:۔ـــ مسلمانوں کے حالِ زار پر میرا دل کڑھ رہا ہے، میں خون کے آنسو رو رہا ہوں لیکن افسوس میں ان کی مدد نہیں کر سکتا میں ان کے کام نہیں آ سکتا!

یہ کہہ کر جلال الدین بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، روتے روتے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی، ہچکی بندھ گئی، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

"کاش مجھے موت آجائے!"

معین الدین:۔ مر کر کیا کر لو گے میرے دوست؟ ـــــ زندہ رہ کر تم کچھ نہیں کر سکتے، مرنے کے بعد کون سے جھنڈے گاڑ لو گے؟ـــ تمہیں خدا نے دنیا میں موقع دیا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ اور خدا کے بندوں کے کام آؤ۔

جلال الدین:۔ دبے بسی کے ساتھ) کس طرح)؟

معین الدین:۔ تخت حکومت پر قبضہ کر کے!

جلال الدین:۔ تو یوں کہو گویا تم مجھے خانہ جنگی کی طرف مائل کر رہے ہو ـــــ

معین الدین:۔ اگر تم خانہ جنگی روک نہیں سکتے، تو خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر اس کا خاتمہ کر دو ـــــــ تم جانتے ہو، تمہارے بھائیوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو حالات پر قابو پا سکے!

جلال الدین:۔ ہاں اچھی طرح جانتا ہوں!

معین الدین:۔ تمہارے بھائیوں میں ایسا کوئی نہیں ہے جو ملکی امن و امان قائم رکھ سکے

جلال الدین:۔ ہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے!

معین الدین:۔ اور ان میں سے کوئی تاتاری یورش کا بھی حریف نہیں بن سکتا۔

جلال الدین:۔ حالانکہ والد مرحوم کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی!

معین الدین:۔ اور مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے وصیت کی تھی کہ اس کام کو جاری رکھنا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے، اگر چنگیز نے خوارزم شاہی حکومت ختم کر دی تو پھر کوئی اسلامی حکومت بھی ان کی دستبرد سے نہیں بچ سکتی، ہر مسلم حکومت ختم ہو جائے گی، مسلمانوں کا قتل عام ہوگا اور پھر ایک نہ ایک دن خلافت عباسیہ بھی تاتاری تلوار کے سامنے دم توڑ دے گی۔

جلال الدین:۔ (جوش کے عالم) جب تک میں زندہ ہوں یہ نہیں ہو پائے گا!

معین الدین:۔ کیا کرو گے تم؟ ـــــ بتاؤ تو سہی!

جلال الدین:۔ میں سدِ سکندری بن کر اس طوفان کو روکوں گا، اس کا مقابلہ کروں گا، اس کا رخ پھیر دوں گا، جب تک میں زندہ ہوں، چنگیز کی یہ حسرت نہیں پوری ہو سکتی، میں اس کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ اسے بتا دوں گا کہ جیسے وہ سمجھتا ہے

سمجھ رہا ہے، وہ فولاد ہے، جسے وہ ہضم نہیں کر سکتا، اس سے اس کے
دانت ٹوٹ جائیں گے، اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی!

معین الدین:۔ لیکن یہ سب کچھ کیونکر ہوگا؟ ـــــــ یہیں اسی گوشۂ قناعت میں بیٹھ کر، اگر واقعی تم اپنے قول میں مخلص ہو، تو پھر آؤ، باہر نکلو، اور وہ کرو جو تمہیں کرنا چاہیئے! جس کے تم اہل ہو، جو صرف تمہیں کر سکتے ہو!
مجھے یقین ہے تاتاری یورش کا مقابلہ واقعی جلال الدین کے سوا کوئی نہیں کر سکتا!

جلال الدین:۔ کیا تمہاری رائے ہے میں بھی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دوں؟

معین الدین:۔ بغیر کسی جھجک کے میرا جواب ہے ـــــــ ہاں!

جلال الدین:۔ (ایک عزم کے ساتھ) تو میں تمہیں اپنا نقیب بناتا ہوں اجازت دیتا ہوں میری بادشاہت کا اعلان کر دو!

معین الدین جوشِ مسرت میں جلال الدین سے لپٹ گیا۔ اس نے زور سے نعرہ لگایا

شہنشاہ جلال الدین خوارزم شاہ زندہ باد!

خاتمہ!

جس طرح غوری خاندان کا جاہ و جلال اور دبدبہ، سلطان غیاث الدین اور سلطان شہاب الدین کے دم سے تھا اسی طرح خوارزم شاہی خاندان کی آن بان علاء الدین خوارزم شاہ، اور محمد بن تکش جلال الدین خوارزم شاہ کی ذات سے تھی علاء الدین ۵۶۸ھ میں تخت نشین ہوا، اور مختصر مدت میں اس کا رقبہ سلطنت سندھ، ماوراء النہر، خراسان اور بغداد تک پھیل گیا سلجوقیوں کے گرد قر. جاہ و مرتبت اور شان و شکوہ کا خاتمہ اسی اولوالعزم فرماں روا کے ہاتھوں ہوا۔

لیکن زمانہ بڑا بے رحم ہے، وہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا نہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا، کسی پر احسان نہیں کرسکتا، کسی کے ساتھ مروت کا سلوک نہیں کرتا، اس کی چکی میں جو آجاتا ہے وہ پس جاتا ہے بہت بھی جاتا ہے، علاء الدین کا نیر اقبال بھی مائل بہ زوال ہوا چنگیز کی یورش نے اس کا دبدبہ ختم کر دیا، عالم غربت میں اسے موت آئی اور وہ اپنے شاندار آغاز اور حسرت انگیز انجام کو یاد کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوگیا اس کی جمعیت اور شوکت کو کچھ دھکا تو چنگیز کے باعث پہونچا، دوسری مصیبت یہ

آئی کہ اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ ان سب میں
اہل منفق اور سرا پا کردار شخصیت جلال الدین کی تھی پہلے تو وہ اس کشمکش سے ذرا الگ الگ
رہا لیکن پھر کچھ باپ کی وصیت کو یاد کر کے کچھ حالات کے اقتضا سے مجبور ہو کر اور کچھ
معین الدین کے مشورے سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لوگ
جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے، بہت جلد اس کی سلطنت مستحکم
ہو گئی چند ہی سال میں داخلی شورشوں اور خارجی یورشوں کے باوجود اس نے
اپنے حدود مملکت اپنے باپ سے بھی زیادہ بڑھا لئے۔ عراق سے لے کر ترکستان بلاد
غزنہ، ہندوستان کے بعض حصے سیستان، کرمان، طبرستان، جرجان، خراسان
اور فارس وغیرہ اس کے زیر اقتدار آ گئے۔

جلال الدین کی ذات عجیب و غریب صفات کا مجموعہ تھی!

وہ بہت بڑا فاتح تھا، کشور کشا تھا، فرماں روا تھا، ساتھ ہی ساتھ اسے علم
و ادب سے بھی گہرا شغف تھا۔ وہ اچھا شاعر اور عالم بھی تھا!

تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے جہاں نظام عدل و امن استوار کیا
نہایت اس نے علمی اور ادبی سرپرستی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، وہ علماء اور فضلا کی توقیر
کرتا تھا، ان کی صحبتوں اور مناظروں میں شریک ہوتا تھا، اختلافی مسائل کی تحقیق میں
بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ علماء کی مالی امداد کرتا تھا ان کے وقار اور احترام کو ہر حالت
میں ملحوظ خاطر رکھتا تھا ــــ علم سے اس کی وابستگی اور شیفتگی کا سب سے بڑا
سبب یہ تھا کہ وہ وقت کے بہت بڑے عالم، واعظ، صوفی، محدث، مفسر اور
معلم اخلاق حضرت امام فخر الدین رازی کا شاگرد تھا! اس کی ذرہ پاشیوں نے امام صاحب

کی عزت کو امارت سے

جلال الدین کی

سے محبت کرتا تھا۔ بچوں

آتا تھا، کسی کا دل نہیں

معین الدین پر وہ خاص طو

تھا اور کچھ اس طرح کہ اپنی ر

نازک موقعوں پر اس نے اپنی

تھی کہ جلال الدین اس پر حلہ سے ر

تاتاریوں سے جھڑپوں کا سلسلہ

چنگیز خاں اگرچہ تمن خاں کے مشورہ

جنگ کو سنسان نہیں ہونے دیا تھا کبھی وہ

سپہ دار کبھی اس کے عمال خوارزم شاہ کی قوت

موئے حملے کرتے رہتے تھے۔ جلال الدین صرف مز

اب تک اس نے کوئی زبردست لڑائی نہیں لڑی تھی،

چنگیز خاں یہ انتظار کر رہا تھا کہ خوارزم شاہی م

جاہ پرستی اور بد انتظامی، عوام کو اس حکومت سے اس حد

تب وہ بھرپور وار کرے۔ اور جلال الدین اس فکر میں تھا کہ اپنی قوم

سنبھالے، نظم و انتظام درست کرلے، سپاہ کو مضبوط کرلے، تب اپنے باپ

آئی تو اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ ان سب میں اہل منفق اور سراپا کردار شخصیت جلال الدین کی تھی پہلے تو وہ اس کشمکش سے ذرا الگ تھلگ رہا لیکن پھر کچھ باپ کی وصیت کو یاد کر کے کچھ حالات کے اقتضا سے مجبور ہو کر اور کچھ معین الدین کے مشورے سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے، بہت جلد اس کی سلطنت مستحکم ہو گئی چند ہی سال میں داخلی شورشوں اور خارجی یورشوں کے باوجود اس نے اپنے حدود مملکت اپنے باپ سے بھی زیادہ بڑھالئے۔ عراق سے لے کر ترکستان بلاد غزنہ، ہندوستان کے بعض حصے سیستان، کرمان، طبرستان، جرجان، خراسان، فارس وغیرہ اس کے زیر اقتدار آ گئے۔

جلال الدین کی ذات عجیب وغریب صفات کا مجموعہ تھی!

وہ بہت بڑا فاتح تھا کشور کشا تھا، فرماں روا تھا، ساتھ ہی ساتھ اسے علم دادب سے بھی گہرا شغف تھا۔ وہ اچھا شاعر اور عالم بھی تھا!

تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اس نے جہاں نظام عدل وامن استوار کیا وہاں اس نے علمی اور ادبی سرپرستی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، وہ علماء اور فضلا کی توقیر کرتا تھا، ان کی صحبتوں اور مناظروں میں شریک ہوتا تھا، اختلافی مسائل کی تحقیق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا علماء کی مالی امداد کرتا تھا ان کے وقار اور احترام کو ہر حالت میں ملحوظ خاطر رکھتا تھا ـــــ علم سے اس کی وابستگی اور شیفتگی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ وقت کے بہت بڑے عالم، واعظ، صوفی، محدث، مفسر اور معلم اخلاق حضرت امام فخر الدین رازی کا شاگرد تھا! اس کی ذرہ پاشیوں نے امام صاحب

کی عزت کو امارت سے

جلال الدین کی

سے محبت کرتا تھا۔ بچوں

آتا تھا۔ کسی کا دل نہیں د

معین الدین پر وہ خاص طو

تھا اور کچھ اسطرح کہ اپنی

نازک موقعوں پر اس نے اپنی

تھی کہ جلال الدین اس پر حد سے ز

تاتاریوں سے جھڑپوں کا سلسلہ

چنگیز خاں اگرچہ تمن خاں کے مشورہ

جنگ کی سنسان نہیں ہونے دیا تھا کبھی وہ

سپہ دار کبھی اس کے عمال خوارزم شاہ کی قوت

موسے حملے کرتے رہتے تھے۔ جلال الدین صرف مز

اب تک اس نے کوئی زبردست لڑائی نہیں لڑی تھی،

چنگیز خاں یہ انتظار کر رہا تھا کہ خوارزم شاہی

بداہ پرستی اور بد انتظامی، عوام کو اس حکومت سے اس حد

تب وہ بھرپور وار کرے، اور جلال الدین اس فکر میں تھا کہ اپنی قوت

سدھارے۔ نظم و امان درست کرلے، سپاہ کو مضبوط کرلے تب اپنے بار

علاؤالدین کی پسندیدہ اور مرغوب کنیزوں میں تھی لیکن نہ کسی سے حسد کرتی تھی نہ کسی سے جلتی تھی، نہ سازشوں میں حصہ لیتی تھی، نہ کسی کی غیبت کرتی تھی۔ محل میں اور بھی بہت سی کنیزیں تھیں، خوبصورت، طرحدار، سیم تن، سیم بر، گل عذار، پری چہرہ، وغیرہ یہ سب ایک دوسری کے کاٹ میں لگی رہتی تھیں، ایک دوسری کے خلاف سازشیں کیا کرتی تھیں، ایک دوسری کے خلاف شکایات اور حکایات کے دفتر اپنے دل میں پوشیدہ رکھتی تھیں، لیکن فائقہ کنیز ہونے کے باوجود ان سب سے الگ تھی صورت کے اعتبار سے بھی اور سیرت کے اعتبار سے بھی اور افتاد طبع کے لحاظ سے بھی۔ اور ایک بات اور بھی تھی!

یوں تو حرم شاہی کی ہر کنیز اپنی زندگی کا مقصد صرف یہ سمجھتی تھی کہ اپنے آقا کو خوش رکھے۔ اپنی باتوں، اپنی حرکتوں، اپنی خدمتوں اور اپنی صلاحیتوں سے آقا کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ اعزاز حاصل کرے اس کی منہ چڑھی بن جائے، اسکے دل کی مالک بن جائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو کسی موقع کی متلاشی نہ ہو، جو موقع پاکر اس سے شادی نہ کر لیتی ہو، جو غلامی کی زندگی سے عاجز نہ ہو، اور آزاد ہونے کی دعا نہ کرتی ہو ——— مگر فائقہ ——— فائقہ کا حال یہ تھا کہ وہ اگر زندہ رہنا چاہتی تھی تو اس لئے کہ اپنے آقا کی خدمت کرے، وہ کہیں اور نہیں اسی محل میں مرنا چاہتی تھی، وہ جب تک یہاں نہیں آئی تھی، بارہا اسکے دل میں آزاد ہونے، آزادی کی زندگی بسر کرنے، اپنا گھر بسانا کسی کو اپنا بنا لینے کی تمنا مچلیں، لیکن یہاں آنے کے بعد یک بیک یہ ساری تمنائیں اور مرادیں ختم ہو گئیں۔ یہ ساری حسرتیں ماضی کا ایک واقعہ بن گئیں، اب وہ یہ نہیں چاہتی کہ آزاد

ہو، اب اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا تھا کہ اپنا گھر بسا لے۔ اس نے جب پہلی مرتبہ جلال الدین کو دیکھا تھا تو نہ معلوم کیا بات تھی بڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی، پھر بھی اس کا جی نہ بھرا جی چاہا کہ بس دیکھتی ہی رہے ـــــ یہی پہلی نگاہ محبت کی نگاہ بن گئی۔ فائقہ ہر خیال سے بے نیاز ہو کر، ہر تمنا سے دستبردار ہو کر خوارزم شاہ کو چاہتی تھی، وہ اپنی حقیقت اور حیثیت جانتی تھی، وہ یہ بات سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ جلال الدین کی بیوی بن جائے گی حرم سرائے شاہی میں ایک ملکہ کی زندگی بسر کرے گی جلال الدین کے دل پر حکومت کرے گی اسلئے نہیں سوچ سکتی تھی کہ لونڈی بیوی نہیں بن سکتی، اور

خود اس کا یہ خیال تھا کہ لونڈی کو بیوی بننا بھی نہیں چاہیے، یہ حق تلفی تھی، وہ کسی کا حق مارنا نہیں چاہتی، ہاں یہ ضرور چاہتی تھی کہ اپنے محبوب کی خدمت کرتی رہے، اسے دیکھتی رہے۔ اسے دل ہی دل میں پیار کرتی رہے، اور اس کام سے اسے کوئی منع نہیں کر سکتا تھا، یہ کام وہ برابر کرتی رہتی تھی اور اس کا فیصلہ تھا کہ یہ کام وہ زندگی بھر کرتی رہے گی، وہ دل و جان سے جلال الدین کو چاہتی تھی لیکن اپنی چاہت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی! اتنی ہمت کہاں سے لاتی

اور جلال الدین بھی اس کے ساتھ تعلق خاطر، شفقت اور خلوص کا برتاؤ کرتا تھا لیکن اس برتاؤ سے وہ کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتی، وہ یہ سمجھتی اور یقین کرتی رہی کہ پروانہ کی طرح وہ شمع کا طواف کر سکتی ہے، اس پر تصدق ہو سکتی ہے۔ اسے اپنا نہیں سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ اسکی خدمت میں ایک عجیب قسم کی وارفتگی تھی، اسکی باتوں میں ایک خاص قسم کی کشش تھی، اس کی حرکتوں میں ایسا سوز تھا، جسے محسوس کیا

جا سکتا تھا، پایا نہیں جا سکتا تھا! وہ چپ رہتی تھی خاموش رہتی تھی سکھیوں اور سہیلیوں کے سامنے دل کی بات زبان پر لاتی تھی، نہ اپنے محبوب کو راز دار اور غمگسار بنانے پر تیار تھی، اس کا حسن، اس کا نغمہ، اس کا رقص صرف جلال الدین کے لئے تھا، اور جلال الدین یہ سمجھتا تھا کہ یہ بات صرف اسی میں کہاں ہر کنیز میں ہے یہی وجہ تھی کہ وہ اگرچہ فائقہ کی قدر دانی کرتا تھا، اس سے مہر و التفات کا برتاؤ کرتا تھا! لیکن کبھی اس نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ خاص طور پر فائقہ کو پسند کرتا ہے!

ہاں اس مرتبہ یہ نئی بات ضرور ہوئی تھی کہ جلال الدین اپنے ساتھ فائقہ کو بھی لایا تھا ——— صرف فائقہ کو ——— کسی اور کنیز کو نہیں ایسا کیوں ہوا تھا اسے وہ بار بار سوچتی تھی، لیکن کوئی جواب سمجھ میں نہ آتا تھا!

سیر و شکار سے فارغ ہو کر جلال الدین اپنے شاہی خیمہ میں پہونچ گیا! وہ اسوقت تھکا ہوا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا، فائقہ یہ سمجھی کہ دن کی تکان وہ رات کی مجلس آرائی اور رنگا رنگی سے دور کرے گا، بن ٹھن کر خیمہ میں پہونچی کہ رقص و نغمہ سے اپنے آقا کا دل بہلائے، اس میں نشاطیات پیدا کرے، لیکن جلال الدین نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اسے سر اٹھا کر دیکھا اور بے پروائی سے کہا،

جلال الدین خوارزم شاہ:۔ "ہم آرام کریں گے!" ———!

وہ الٹے پاؤں واپس چلی گئی!

واپس آنے کو تو وہ اپنے خیمہ میں آ گئی، لیکن اس طرز عمل سے اسکے دل پر چوٹ لگی، وہ اسے بے یار و مددگار خیمہ میں بیٹھ کر چپ چاپ رونے لگی ——— آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لیتے تھے، دل تھا کہ امڈا آرہا تھا! ———

نہ جانے کیسے اور کیوں معین الدین اوپر آ گیا ــــــــ معین الدین کی عظمت اور بڑائی سے فائقہ اچھی طرح واقف تھی، وہ یہ جانتی تھی یہ خوارزم شاہی حکومت میں سیاہ و سفید کرنے کے اختیارات رکھتا ہے اس کے ہاتھوں میں لوگوں کی زندگی ہے، اسکے پاس دولت ہے، عزت ہے، دفعت ہے شہرت ہے، یہ جس غریب کو چاہے امیر بنا دے جس امیر سے چاہے اس کی دولت چھین لے کسی میں ہمت نہیں کہ اس کی بات رد کر سکے، اسکا ہاتھ پکڑ سکے، اسکی زبان روک سکے یہ اگرچہ بادشاہ نہیں لیکن اختیار واقتدار بادشاہ کا رکھتا ہے، اسے دیکھ کر جلدی سے فائقہ نے اپنے منہ پر کچھے جو ڈھلکتے ہوئے گال تک آ چکے تھے پھر سرو قد تعظیم کو کھڑی ہوئی معین الدین اسے دیکھ کر مسکرایا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور باتیں شروع کر دیں،

معین الدین:۔ کیا بات ہے فائقہ آج تم بہت ملول اور افسردہ نظر آ رہی ہو ــ؟
ابھی تم رو رہی تھیں؟ کیا بات ہے؟

فائقہ:۔ (غمگین آواز سے) نہیں رو نہیں رہی تھی، خدا میرے آقا کو سلامت رکھے میں کیوں رونے لگی؟

معین الدین:۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے؟

فائقہ:۔ کچھ بھی نہیں، کوئی خاص بات نہیں،،

معین الدین:۔ پھر تم اتنی دلگیر اور افسردہ کیوں نظر آ رہی ہو؟

فائقہ:۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی طبیعت سست ہو جاتی ہے کچھ پرانی یادیں ابھرنے لگتی ہیں، کچھ بیتی ہوئی باتیں یاد آ جاتی ہیں،

معین الدین :۔ (ہنسکر) اچھا یہ بات ہے زندگی کے پرانے ورق الٹے جا رہے تھے؟
فائقہ :۔ یہی سمجھ لیجئے!
معین الدین :۔ یہ تو میں نہیں جانتا تمہارا حسب و نسب کیا ہے ؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو لیکن یہ کہہ سکتا ہوں تمہارے اندر شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ تمہارا دل بہت بڑا ہے۔ تمہارا باطن اتنا روشن ہے جتنا تمہارا ظاہر تمہاری روح اتنی ہی پاک ہے جتنا تمہارا جسم!
فائقہ :۔ (مسکرا کر) یہ اتنی ساری باتیں آپ نے کیسے جان لیں اور باتیں بھی وہ جنہیں میں خود نہیں جانتی۔
معین الدین :۔ انسان کی اچھائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دشمن اسکی تعریف کریں
فائقہ :۔ تو کیا آپ نے کسی دشمن سے میری تعریف سنی ہے؟
معین الدین :۔ ہاں ـــــ ہاں وہ بھی بڑے کٹر دشمن سے!
فائقہ :۔ میں اس کا نام نہیں پوچھوں گی اسلئے کہ میں کسی کی دشمن نہیں ہوں۔
معین الدین :۔ یہی وہ بھی کہہ رہا تھا!
فائقہ :۔ کیا جانے جھوٹ کہہ رہا ہو؟
معین الدین :۔ مجھے یہ یقین ہے وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا ـــــ اور تم سے چھپاؤں کیا نام بھی سن لو، سلطانہ کو تو تم جانتی ہی ہو؟ حرم سرا کی جتنی کنیزیں ہیں سب کی جانی دشمن ہے، اپنے سوا کسی کو حسین نہیں سمجھتی ہر ایک کی برائی کرتی ہے، آسمان سے حور بھی اتر آئے تو وہ اس کی برائی کریگی تعریف نہیں کر سکتی، لیکن اس نے تمہاری تعریف کی تمہارے کردار کی

یہ بہت بڑی سند ہے جو کسی کو مل سکتی ہے۔

فائقہ :۔ شکریہ ــــ !

معین الدین :۔ کس کا شکریہ ادا کر رہی ہو ؟

فائقہ :۔ سلطانہ کا بھی اور آپ کا بھی !

معین الدین :۔ میرا کیوں؟ کوئی وجہ ؟

فائقہ :۔ آپ کا اس لئے کہ آپ نے اس کی بات کا یقین کر لیا ،

معین الدین :۔ نہیں یہ تو کوئی بات نہیں، میں تو بہت دنوں سے تمہارا قائل ہوں ، سلطانہ نہ کہتی تو میرے دل میں تمہاری جو جگہ ہے وہ تو رہتی ۔

فائقہ :۔ (تعجب سے) آپ کے دل میں میری جگہ ہے ؟

معین الدین :۔ ہاں ــــ بہت زیادہ ! (فائقہ چپ ہو گئی شرما کر)

معین الدین :۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں ،

فائقہ :۔ (بے کسی کے ساتھ) آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں ؟

معین الدین :۔ ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں، نہیں چاہتا ہوں پوجتا ہوں تمہیں ،

فائقہ :۔ (گھبرا کر) نہیں میں اس عزت افزائی کے قابل نہیں ،

معین الدین :۔ واقعی تم بہت نیک ، بہت معصوم ، بہت بھولی ہو .... فائقہ تم اسی قابل ہو کہ تمہیں چاہا جائے !

فائقہ :۔ (معصومیت سے) کیا یہ بات بھی سلطانہ کہہ رہی تھی ؟

معین الدین :۔ (ہنس کر) نہیں ــــ یہ بات سلطانہ نے نہیں میرے دل نے کہی تھی ۔

فائقہ :۔ آپ دھوکے میں ہیں ـــــ مجھ میں کوئی خوبی نہیں کوئی اچھائی نہیں
مجھ سے محبت کر کے آپ محبت کی توہین کر رہے ہیں !
معین الدین :۔ قہقہہ لگاکر، میں نے تم سے کب صلاح لی تھی کہ تم سے محبت کرکے میں
گناہ کر رہا ہوں، یا ثواب لوٹ رہا ہوں، یہ میرا فعل ہے
کیا تم میری محبت کا جواب محبت سے نہیں دوگی ؟
فائقہ :۔ سہم کر، جی ـــــ ؟ جی ـــــ ؟
معین الدین :۔ تم گھبرا کیوں رہی ہو ؟ محبت کوئی جرم نہیں اور پھر میں تم سے کوئی ایسا
مطالبہ نہیں کرتا جو اصول کے خلاف ہو، میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تمہیں
جلال الدین سے مانگ لوں گا ۔ اور مجھے امید ہے بارگاہ شاہی میں میری
درخواست رد نہیں ہوگی ـــــــــ تم اس وقت بہت تھکی ہوئی
ہو اب آرام کرو ـــ کل پھر ملیں گے
وہ چلا گیا !
فائقہ پھر رونے لگی !

دامانِ خیالِ یار

معین الدین مطمئن ہو کر چلا گیا ــــــــــ اسے اطمینان تھا جلال الدین اس کی بات مان لے گا، فائقہ کا دامن اس کے ہاتھ میں دے گا، یہ اطمینان بھی تھا کہ ملکیت کی تبدیلی کے بعد فائقہ اس کی ہو جائے گی، دل سے چاہنے لگے گی اسے اب نہیں چاہتی نہ چاہے۔ پھر تو وہ مجبور ہو جائے گی چاہنے پر! لونڈی کا کام ہی اس کے سوا کیا ہے کہ اپنے مالک کو خوش رکھے۔ اس سے محبت کرے۔ اس کی دلبستگی کا سامان مہیا کرے۔ فائقہ لاکھ خوبصورت ہو، سلیقہ مند ہو، تعلیم یافتہ ہو، نغمہ و رقص کے فن میں یکتا ہو، بہرحال وہ ایک باندی ہے۔ اور باندی کتنی ہی بڑی اپنی شخصیت اور حسن و جمال کے اعتبار سے کیوں نہ ہو لیکن وہ باندی ہی رہتی ہے ــــــــــ اور پھر وہ سوچنے لگا فائقہ جب اس کی بن جائے گی۔ تو وہ اسے یوں چاہے گا۔۔ اس کے لئے اچھے اچھے زیور بنوائے گا خوبصورتی ان زیوروں سے دوبالا ہو جائے گی۔ طرح دار اور شوخ رنگ کے کپڑے پہنوائے گا۔ اس لباس میں اس کا حسن اور مکمل ہو جائے گا ایسا معلوم ہو جیسے کہ وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی پری ہے۔ اسے آسمان کے تارے جھک جھک کر

دیکھیں گے، چاند اس کی رعنائی اور زیبائی کا نظارہ کرے گا، صحن و چمن کے پھول اس کا روپ دیکھ کر شرما جائیں گے، شفق کا رنگ اس کے سامنے پھیکا پڑ جائے گا، اس کی آنکھوں سے جذب و کشش کی بجلیاں کوندیں گی، اور یہ بجلیاں میرے دل میں نشیمن بنا لیں گی جب فائقہ میری ہوئی تو اس کی ہر چیز میری ہی ہو گی ——— آہ کیا دن ہوں گے کیا راتیں ہوں گی۔ کیا سماں ہو گا۔

نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے شانے پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

یہ سب چیزیں میری ہو جائیں گی، کیونکہ فائقہ میری ہو گی!

معین الدین کی اب تک شادی نہیں ہوئی تھی، وہ کچھ عجیب من چلی طبیعت کا مالک تھا، طبیعت میں حسن پرستی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ جلد بازی بھی بہت تھی، جس چیز کو وہ پسند کر لیتا تھا اسے حاصل کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دیتا تھا، ہر قیمت پر، ہر خطرہ میں پڑ کر، ہر مشکل سے مقابلہ کر کے وہ اسے لے کر رہتا تھا۔ آج تک اس نے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ اب وہ ناکام ہو، فائقہ کون سی ایسی بڑی چیز ہے جسے عطا کرنے میں جلال الدین ہچکچائے، وہ تو مجھے اتنا مانتا ہے کہ اگر اس کی تمام دولت کو مانگ بیٹھوں تو وہ بھی عطا کر دے!

یہ سوچ کر وہ مسکراتا ہوا خوارزم شاہ کے خیمہ کی طرف بڑھا جیسے اب وہ فائقہ کو حاصل کرنے کا پروانہ لے کر ہی برآمد ہو گا!

——— اور ادھر فائقہ اب روتے روتے تھک چکی تھی!

وہ چپ چاپ بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی۔ یہ رات اس کے لئے شبِ بلا

ثابت ہو رہی تھی کسی پہلو قرار نہیں تھا، نہ دم بھر کو پلک جھپکتی تھی، نہ خیالات یکسو ہوتے تھے۔ ایک مہیب دیو زملاح معین الدین کا تصور اسے اپنی طرف بڑھتا بھی نظر آتا تھا اور اسے دیکھ کر لرز جاتی تھی چیخنے لگتی تھی۔ وہ خوارزم شاہ کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتی تھی جو کسی اور کے پاس گذارے!

وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

کیا واقعی خوارزم شاہ مجھے معین الدین کے حوالہ کر دے گا؟

کیا میں ملکیت کی اس تبدیلی کو منظور کر لوں گی؟

لیکن میں انکار بھی نہیں کر سکتی!

میں ایک کنیز ہوں!

اور کنیز کی حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ ہر خریدار کی خدمت کرے، بار بار بازاروں میں جائے، نئے نئے گھروں میں پہونچے، نئے نئے آقاؤں کا ذائقہ چکھے اسی طرح اپنی جوانی کے دن گذار دے اور ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جائے!

ایک لونڈی اور ایک آزاد عورت میں کتنا فرق ہوتا ہے، ـــــ کتنا بڑا اور عظیم فرق!

ایک آزاد عورت ماں باپ کے دامن میں پرورش پاتی ہے!

عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی ہے پھر جب وہ جوان ہوتی ہے تو اس کا پھیلتا ہے، پیام آنے لگتے ہیں، اور ایک دن وہ کسی سے بیاہ دی جاتی ہے

شادی کے بعد لڑکی سے بیوی بن جاتی ہے، ایک گھر کی ملکہ، ایک خاندان

کی مالک، ایک شوہر کی محبوبہ کئی بچوں کی ماں!

بچے اس سے محبت کرتے ہیں، شوہر اس پر جان چھڑکتا ہے، گھر والے اس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ اپنی نیند سوتی ہے، اپنی نیند جاگتی ہے خفا ہو جاتی ہے تو لوگ اسے مناتے ہیں۔ خوش ہوتی ہے تو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مسکرانے لگتے ہیں، وہ جو مانگتی ہے ملتا ہے جو چاہتی ہے وہ پاتی ہے، وہ اپنی مرضی کی پابند ہوتی ہے، جہاں چاہے جائے جس سے چاہے۔ کبھی وہ خود مہمان بن جاتی ہے کبھی اس کے ہاں مہمانوں کے قافلے آتے ہیں۔ پہلی صورت میں وہ مہمان ہوتی ہے دوسری میں میزبان اور مہمان اور میزبان ہر حالت میں اس کی عزت کی جاتی ہے، توقیر کی جاتی ہے خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ اسے دیکھ کر لوگ تکلف اور اخلاق کا اتنا مظاہرہ کرتے ہیں کہ بچھ بچھ جاتے ہیں اور جب وہ بچوں والی ہو جاتی ہے تو اس کا احترام اور اجلال پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے ——— اور جب وہ مرتی ہے تو نہ جانے کتنی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، یہ آنسو ہوتے ہیں محبت کے، تعلق خاطر کے خلوص کے!

اور اس کے برعکس ایک باندی!

آہ!

ایک باندی بالکل بے بس ہوتی ہے!

وہ ماں باپ کو یاد بھی نہیں کر سکتی کبھی کسی گوشۂ چمن سے کھینچتے ہوئے کبھی گھر میں سوتے ہوئے بردہ فروش اسے اٹھا لے جاتے ہیں کبھی دھوکہ دیکر کبھی تلواریں سونت کر کبھی ڈاکہ ڈال کر کبھی چوری کر کے!

پھر اسے اچھا کھانا کھلایا جاتا ہے، اس لئے نہیں کہ اسکی صحت بنے! اسلئے کہ اسکی رنگ روپ نکھرے تاکہ زیادہ اچھے داموں پر نیلام ہو سکے!

اسے اچھے اچھے قیمتی اور گراں مایہ کپڑے پہنائے جاتے ہیں ——— اس لئے نہیں کہ اچھے کپڑے پہننے کو اس کا جی چاہتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کپڑے اس پر سجتے ہیں، اس لباس میں وہ اور زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اصطرح وہ اپنی قیمت دگنی چوگنی کر لیتی ہے

اسے رقص و موسیقی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے

کیوں؟ ——— کس لئے؟ ——— کس کے لئے؟

اس لئے نہیں کہ یہ ایک فن ہے اور ایک لڑکی کو یہ فن سیکھنا چاہئے صرف اسلئے کہ اس فن میں کمال حاصل کئے بغیر نخاس میں اسکی بولی نہیں بولی جاسکتی

اسے کئی کئی زبانیں سکھائی جاتی ہیں،

اسے کئی کئی زبانیں سکھائی جاتی ہیں، اسے باسلیقہ اور سگھڑ بنایا جاتا ہے،

اسے نفسیات اور انسانی کا رمز شناس بنایا جاتا ہے،

اسے خدمت اور سیوا کی تعلیم دی جاتی ہے!

اور بڑی ریاضت سے وہ ان سب باتوں کو سیکھتی ہے ——— اپنے ان دیکھے مالکوں کیلئے، جن کے مزاج، صورت، سیرت، اخلاق، کردار کسی چیز سے بھی وہ واقف نہیں ہوتی!

پھر اسے شہروں شہروں کی سیر کرائی جاتی ہے، تاکہ وہ تجربہ کار اور جہاندیدہ بن جائے، پھر اسے ہاٹ ہاٹ اور بازار بازار گھمایا جاتا ہے تاکہ منہ مانگے داموں

فروخت کیا جائے اور ایک مرتبہ فروخت کرنے کے بعد پھر وہ بار بار بکتی رہتی ہے ہر خریدار اس کا ذائقہ چکھ کر اس سے لذت اندوز ہوکر اس کی پونجی لوٹ کر کم داموں پر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے اسکی قیمت اتنی کم ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کوئی مفت بھی نہیں پوچھتا نہیں قبول کرتا!

اور خریدنے والے لوگ!

یہ شوقین مزاج گاہک!

یہ رنگ رلیاں منانے والے امرا!

یہ کیا ہوتے ہیں؟

کوئی ان میں شرابی ہوتا ہے، کوئی جرائم پیشہ۔ کوئی بوڑھا ہوتا ہے کوئی جوان، کوئی موٹا ہوتا ہے کوئی دبلا، کوئی خوب صورت ہوتا ہے کوئی بد صورت کوئی با اخلاق ہوتا ہے کوئی بے اخلاق، کوئی رحمدل ہوتا ہے کوئی ذھانی ہوتا ہے کوئی قدر کرتا ہے انعام واکرام سے کوئی قدر کرتا ہے جوتے اور گھونسے سے!

باندی؟ ـــــ ان سب کی سیوا کرتی ہے۔ ان سب کی ہو رہتی ہے ان سب کیلئے رات رات بھر جاگتی ہے۔ دن دن بھر اپنے تن پر ریاضت کرتی ہے۔ وہ بیمار ہو جب بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہو سکتی، وہ مجبور ہو جب بھی اسے اپنے مالک کے حکم کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، اور کسی حالات میں وہ اپنے ارادے یا اپنی طبیعت پر عمل کرنے کی مجاز نہیں ہوتی،

فائقہ نے شعور کی آنکھیں جب سے کھولی تھیں اب تک نہ جانے کتنی باندیوں کے ساتھ وہ رہ چکی تھی، ان کی داستانیں سن چکی تھی، ان میں کچھ ایسی تھیں جو اپنی زندگی

پر قادر تھیں۔ کچھ ایسی تھیں جو فائقہ کی تبدیلی پر خوش ہوتی تھیں اور کچھ ایسی بھی تھیں جو بیک وقت دو دو کام کرتی تھیں، آقا کی خدمت، اور آقا کے کسی ملازم سے یارانہ دونوں کام اطمینان سے جاری رہتے تھے۔ دن ہفتے، مہینے اور برس گزر جاتے تھے اور زندگی کا یہ نظام اس طرح چلتا تھا جیسے یہ ہمیشہ اسی طرح چلتا رہے گا اور پھر ایک دن یک بیک بغیر پہلے سے اطلاع دیئے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا! اور وہ اپنے آقا اور اپنے ہمراز کو چھوڑ کر یوں چلی جاتی تھی جیسے ان دونوں سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، جیسے ان دونوں سے وہ کبھی ملی ہی نہیں تھی، جیسے یہ دونوں کبھی اس کی زندگی میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے!

فائقہ پر کپکپی طاری ہوئی اور اسکا دل کانپنے لگا۔ وہ سوچنے لگی،

کیا یہ سب کچھ میرے ساتھ بھی ہوگا؟

اور پھر اسے اپنا بچپن یاد آگیا!

کچھ خواب سا!

کچھ خیال سا!

جیسے کوئی بہت پرانی اور بھولی بسری بات!

حافظہ پر زور دینے سے اسے یاد آیا کہ وہ ایک چھوٹے سے لیکن صاف ستھرے گھر میں رہتی تھی۔ اس کی ماں خوب گوری چٹی اور بڑی ہنس مکھ تھی، اسکے کئی بھائی بہن اور بھی تھے۔ اس کا باپ بوڑھا ہو چلا تھا لیکن اس کے بڑھاپے میں ایک وقار تھا، ایک بانکپن تھا، ایک شان تھی!

پھر یاد آیا،

ابا اور اماں مجھے کتنا پیار کرتے تھے ؛ کوئی بھائی مجھے مار دیتا کوئی بہن مجھے چھیڑ دیتی تو نہ ابا اُسے معاف کرتے تھے ، نہ اماں!
اور چھوٹی چھوٹی سہیلیاں!
جن کا نام ذہن سے اتر گیا ہے جن کی بھولی بھالی تصویر حافظے کے پردہ پر تھرک رہی ہے کبھی وہ میرے ہاں آجاتی کبھی میں ان کے یہاں چلی جاتی
معلوم ہوتا ہے میرا گھرانہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ معزز تھا!
میری کھیوں سہیلیوں کے ساتھ میرے گھر میں اخلاق تپاک اور شرافت کا برتاؤ ہوتا، اور بس، لیکن جب میں ان کے ہاں پہونچ جاتی تو میری ایسی آؤ بھگت ہوتی جیسے کسی شہزادی کی!
وہ گھر کہاں تھا!
ہاں یاد آیا
ایک پہاڑی کے دامن میں!
کیا اچھا سبزہ تھا؟
کیسے اچھے چشمے تھے!
لوگ بھی کتنے اچھے تھے؟
میرے باپ کا نام کیا تھا؟ میری ماں کا نام کیا تھا؟ میرے بھائی بہن کا نام کیا تھا؟ پڑوس کے جو لوگ مجھے دیکھ کر مسکراتے، اٹھا کر پیار کرتے، پھر کاندھے پر بٹھا کر سیر کراتے۔ اس کا نام کیا تھا؟
کچھ نہیں یاد،

اور ہاں !

میرا گھر کہاں تھا ؟

یہ بھی یاد نہیں ؟

صرف اتنا یاد ہے ایک روز میں ایک محل کے پائیں باغ میں کھیل رہی تھی
ابھی ابھی میری سہیلی کھیلتے کھیلتے اس لیے بھاگ گئی تھی کہ آندھی آ رہی تھی اور وہ
شاید آندھی سے بہت ڈرتی تھی !

لیکن میں کھیلتی رہی !

اتنے میں بڑے زور کی آندھی آئی ، ہر طرف اندھیرا چھا گیا ، ساتھ ہی ساتھ
بادل گھر آئے اور پانی برسنے لگا !

موسلا دھار بارش !

پھر اولے گرنے لگے ،

دور سے آواز آئی ——— جیسے میری سہیلی مجھے پکار رہی ہو ، لیکن
مجھے میری اماں یاد آ گئیں میں پائیں باغ سے نکل کر اپنے گھر کی طرف بھاگی ، گھر
تھوڑی ہی دور تو تھا مجھے اسوقت کوئی خیال نہیں تھا سوا اسکے کہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچوں ،

میں بھاگی بڑی تیز رفتار سے !

مشکل سے چند قدم چلی ہوں گی کہ سامنے سے ایک سوار سرپٹ گھوڑا
دوڑاتا ہوا مجھے دیکھ کر اس نے گھوڑا روک لیا ، اترا ، پیار کیا ، گود میں بٹھایا اور
بڑی محبت بھرے لہجہ میں کہا

چلو ہم گھر تک پہونچا دیں ۔

میں نے اشارے سے اسے اپنا گھر بتایا، وہ گھوڑے پر بیٹھ کر رواں ہو گیا۔
میرے گھر کے بجائے نہ جانے کہاں لے کر چلا گیا بستی سے نکلنے کے بعد وہ
چمکارنے کے بجائے غصہ کرنے لگا، میں روتی تو وہ ڈانٹتا، مارتا، یہاں تک کہ وہ
ایک گھر میں پہونچا، وہاں اور بھی کئی لوگ موجود تھے!
وہ لوگ میری طرف دیکھ دیکھ کر کچھ اشارے کرتے رہے جنہیں میں بالکل
نہ سمجھ سکی سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی بس روتی رہی ۔۔۔ مجھے اپنی اماں یاد آرہی
تھیں میں ان کی گود میں جا کر سکون حاصل کرنا چاہتی تھی!

آہ ——!
میری اماں مجھ سے بچھڑ گئیں
یہ بردہ فروش لوگ مجھ پر انتہائی سختی کرنے، یہاں تک کہ میں ان کے اشارے
پر چلنے لگی پھر کسی اور نے خرید لیا اس نے مجھے اچھی طرح رکھا، پڑھایا لکھایا تعلیم
دی، تربیت کا انتظام کیا، فنون لطیفہ سکھائے، لباس اور زیور مجھے لادیا،
رفتہ رفتہ میں سب کچھ بھول گئی
اس نئی زندگی سے مانوس ہو گئی اور بقول بردہ فروش آغا کے رب نے
مجھے بچپن سے جوانی تک پالا پوسا اب میں کچھ سے کچھ ہو گئی تھی!
یہ کچھ سے کچھ کیا تھا؟
اسے لفظوں میں بتانا تو مشکل ہے!
ہاں اتنا کہہ سکتی ہوں، گھنٹوں آئینہ دیکھا کرتی اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوا
کرتی۔ آئینہ دیکھ کر مجھے کچھ عجیب قسم کی آسودگی حاصل ہوتی ایک عجیب قسم کا فخر محسوس

ہوتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے میں کوئی برتر مخلوق ہوں اور دوسرے لوگ مجھ سے کہیں زیادہ پست اور فروتر ہیں، بردہ فروش آغا کے پاس اور بھی کئی لڑکیاں تھیں، وہ خوبصورت اور طرحدار بھی تھیں، ہفت زبان اور ماہر فنون لطیفہ بھی تھیں، لیکن انہیں وہ بات نہیں حاصل تھی، جو مجھے تھی!

آغا مجھ سے مرعوب تھا، اس کے ملازم میرا ادب کرتے تھے، اسکے گھر والے مجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتے تھے، میری جیسی لڑکیاں میرے سامنے احساس کمتری کے مرض میں خود بخود مبتلا ہو جاتی تھیں، آغا میری اسطرح میری حفاظت کرتا تھا اور ریشم برمیں سے محفوظ رکھتا تھا جیسے کوئی جوہری کوہ نور ہیرے کی کرسکتا ہے ——— آغا کا خیال تھا کہ میں اتنی گراں قیمت ہوں کہ میری قیمت ہر بادشاہ بھی نہیں ادا کر سکتا مجھے وہی بادشاہ خرید سکتا تھا، جو حاتم کا دل رکھتا ہو ——— اور ایک روز حاتم کا دل رکھنے والا بادشاہ مل گیا!

جلال الدین خوارزم شاہ نے مجھے خرید لیا۔

اس نے آغا کے سامنے سونے اور چاندی کی تھیلیاں ڈھیر کر دیں

آغا خوشی خوشی آیا تھا خوشی خوشی چلا گیا۔

خوارزم شاہ کے محل میں آنے کے بعد واقعی میری قسمت چمک گئی۔

اب مجھے اندازہ ہوا کہ میں کیا کچھ ہوں۔

لیکن یہ خوشی کتنی ناپائیدار تھی۔

خوارزم شاہ نے مجھے منہ مانگے داموں خرید لیا لیکن نگاہ التفات سے محروم رکھا، وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا، میری راحت اور آسائش کا انتظام کیا میرے رقص و نغمہ سے

خوش ہوا مجھے نوازا ــــ الامال کر دیا مجھے!

بس ــــ؛

نہیں مجھے روپیہ نہیں چاہیئے، ہیرے جواہر نہیں چاہئیں، سونے اور چاندی کے زیور نہیں چاہئیں اطلس و کمخواب کا لباس نہیں چاہیئے، گراں قیمت موتیوں کا مالا نہیں چاہیئے ــــ مجھے کچھ نہیں چاہیئے صرف جلال الدین چاہیئے

میں خوارزم شاہ کی دولت نہیں چاہتی خوارزم شاہ کو چاہتی ہوں

میں نے اسے جب پہلی مرتبہ دیکھا تھا، تو میرا دل دھڑکنے لگا تھا!

اب جب میں اس کے سامنے پہونچتی ہوں تو دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے

شاید میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں! اگر یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے؟ ــــ

لیکن کیا اس محبت کا انجام یہ ہوگا کہ میں معین الدین کے حوالہ کر دی جاؤں؟

ــــ؟

آہ کیا ایسا ہوگا؟ کیا اتنا بڑا ظلم میں برداشت کر سکوں گی؟ ــــ

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے

کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اشک و تبسّم

صبح جب فائقہ بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت بہت سست تھی، انگڑائیوں پہ انگڑائیاں آ رہی تھیں، منہ کا مزہ بھی خراب تھا، کچھ کچھ حرارت بھی معلوم ہو رہی تھی یکایک حکم پہونچا کہ سب لوگ چلنے کو تیار ہو جائیں، بات یہ تھی کہ جلال الدین کا یہاں سیر و شکار میں بھی جی نہیں لگا۔ وہ تاتاریوں کی یہیم اور مسلسل یورش سے بہت گھبرایا ہوا تھا، اس نے اگرچہ نظم مملکت مستحکم کر لیا تھا، لیکن ان مسلسل حملوں اور یورشوں نے اس کی جمعیت خاطر چھین لی تھی، واپس آنے کے بعد سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے فائقہ بھی چپ چاپ اپنے ایوان میں پہونچ گئی اور بستر پر لیٹ گئی، اسے لیٹے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ راضیہ پہونچی، یہ بھی ایک کنیز تھی، اور فائقہ سے بہت مل جل کر رہتی تھی!

راضیہ آ کر فائقہ کے پاس بیٹھ گئی، اس نے بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا؛

راضیہ:- کیا بات ہے فائقہ بہت افسردہ اور نڈھال نظر آ رہی ہو، کسی نے کچھ کہا ـــــ میرا مطلب ہے سلطانہ نے یا کسی منہ چڑھی سہیلی

نے؟

فائقہ :۔ نہیں بہن کسی نے کچھ نہیں کہا۔

راضیہ :۔ پھر کیا بات ہے؟ ــــ ہم سے نہ چھپاؤ ورنہ ہم رو دیں گے۔۔تمہارے سوا ہمارا یہاں اور ہمدرد و غم خوار ہے بھی کون؟

فائقہ :۔ لیکن کہوں کیا بات بھی تو ہو؟

راضیہ :۔ اتنا پریشان ہم نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا، جتنی آج نظر آ رہی ہو، ضرور لڑائی ہوئی ہے کسی سے؟

فائقہ :۔ ہاں ہوئی ہے ...... بڑی سخت!

راضیہ :۔ (اشتیاق سے) تو بتاؤ کس سے ہوئی ہے؟

فائقہ :۔ دل سے ... میری لڑائی اسی سے جب دیکھو جب ہوا کرتی ہے اور کسی سے نہیں لڑتی!

راضیہ (مسکرا کر) ہاں میں سمجھ گئی!

فائقہ :۔ کیا سمجھیں؟ ــــ بے وقوف کہیں کی،

راضیہ :۔ تم محبت کرنے لگی ہو کسی سے ــ کیوں کیسی کہی؟

فائقہ :۔ محبت؟ ــــ یہ کیا چیز ہے؟

راضیہ :۔ یہ لو یہ محبت بھی نہیں جانتیں ــــ بڑی بھولی بڑی معصوم!

فائقہ :۔ ہاں میں نہیں جانتی،

راضیہ :۔ کیوں نہیں جانتیں .... کون نہیں جانتا محبت کو؟ بس ایک تم ہی اتنی بھولی بھالی ہو کہ محبت سے ناواقف ہو ــــــــ میں تو نہیں

مانتی!

فائقہ :۔ نہ مانو۔ تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے....... یعنی بات یہ ہے کہ محبت کی ہوتی تو مانتی بھی....... تم نے کی ہے کسی سے محبت؟

راضیہ :۔ تم سے کیا چھپاؤں گی؟....... ہاں کی ہے!

فائقہ :۔ بس اسی طرح سچ سچ کہتی رہو ــــ کس سے؟

راضیہ :۔ سرگوشی کے لہجہ میں) بتادوں!

فائقہ :۔ ہاں کیا مجھ سے بھی چھپاؤ گی...... کیوں!

راضیہ :۔ کہیں....... لیکن.....!

فائقہ :۔ نہیں اور لیکن سے کام نہیں چلے گا۔ اگر شرم آتی ہے تو آنکھیں بند کرلو اور نام بتادو!

راضیہ :۔ لیکن بتانے سے فائدہ؟

فائقہ :۔ یہ بتانے کے بعد معلوم ہوگا!

راضیہ :۔ پھر ہمیں تم چھیڑا کرو گی! ستایا کرو گی!

فائقہ :۔ نہیں چھیڑیں گے، نہیں ستائیں گے!

راضیہ :۔ تم بھی تو جانتی ہو اسے، ہیں۔

فائقہ :۔ یا اللہ ــــ ان اشاروں سے کب تک کام کرو گی۔ ہمت کرو اور لے دو نام اپنے محبوب کا!

راضیہ :۔ مجھے نہیں تو انہیں چھیڑا کرو گی؟

فائقہ :۔ اللہ کی بندی نہ تجھے ستاؤں گی نہ انہیں لیکن اگر تو یہ سلسلہ نکھیراتی رہی

تو واقعی کہہ دوں گی سب سے کہ یہ چھوکری عشق کرنا سیکھ رہی ہے،

راضیہ:۔ اگر کبھی نام لیا اس کا تو روٹھ جاؤں گی تم سے!

فائقہ:۔ کبھی حلف لے لو۔ قسم لے لو، لیکن اب وقت ضائع نہ کرو!

راضیہ:۔ (شرماتے ہوئے) ان کا نام ہے ـــــ او نو نہیں بتاتے!

فائقہ:۔ پھر وہی شرارت۔ ـــ بتاؤ!

راضیہ:۔ تم امیر معین الدین کو نہیں جانتیں؟

فائقہ:۔ (مسکراکر) آہا تو یہ کہو بڑی اونچی اڑیں!

راضیہ:۔ آخر تم نے چھیڑنا شروع کر دیا!

فائقہ:۔ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، لیکن ایک بات تو بتاؤ خود امیر معین الدین بھی تم سے محبت کرتے ہیں؟ ـــ سچ سچ کہنا!

راضیہ:۔ یہ میں نہیں جانتی،

فائقہ:۔ واہ ری لڑکی ـــ یہ نہیں جانتی اور خود محبت شروع کردی

راضیہ:۔ جب میں کرتی ہوں تو ضرور کرتے ہوں گے ـــ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے!

فائقہ:۔ عورت کی تالی ایک ہی ہاتھ سے بجتی ہے پگلی۔ آخر تو نے کیسے جانا کہ وہ تجھ سے محبت کرتے ہیں؟

راضیہ:۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے ہیں، باتیں کرتے ہیں۔ گانا سنتے ہیں میرا،

فائقہ:۔ بس اتنا ہی؟

راضیہ:۔ ہاں تو اور کیا یہ اتنا کافی نہیں ہے؟

فائقہ :۔ یہ تم جانو، میں کیا کہہ سکتی ہوں ـــــ ہاں یہ بتاؤ کلب سے تمہاری اور امیر معین الدین کی ملاقات نہیں ہوئی!

راضیہ :۔ اکثر ہوتی رہتی ہے ـــ آج بھی ملے تھے!

فائقہ :۔ پھر کیا باتیں ہوئیں؟

راضیہ :۔ آج تو کوئی بات نہیں ہوئی

فائقہ :۔ ملاقات ہوئی لیکن بات نہیں ہوئی ـــ یہ کیا؟

راضیہ :۔ میں کیا جانوں؛ ـــ میں خود ہی گئی تھی ان کے پاس بیٹھی رہی پھر اٹھ آئی! ـــ نہ جانے کیا سوچ رہے تھے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کسی فکر میں تھے، ـــــ نہ جانے کیا سوچ رہے تھے، میں خود فکر مند ہوں جب سے

فائقہ :۔ تو تم نے کوئی بات چھیڑ دی ہوتی!

راضیہ :۔ چھیڑی تو تھی، لیکن وہ سنیں بھی،

فائقہ :۔ کیا کہا تھا تم نے؟ ـــ؟

راضیہ :۔ میں نے کہا تھا اکیلے اکیلے سیر و شکار کو گئے ہمیں بھی لے چلتے تو کیا ہو جاتا؟ ہم یہاں تڑپتے رہے اور خود مزے کرتے رہے!

فائقہ :۔ تو اس کا جواب کوئی نہیں دیا؟ ـــ کچھ تو کہا ہوگا؟

راضیہ :۔ کچھ نہیں، سر اٹھا کر دیکھا، پھر نظر جھکا لی، کچھ بولے نہیں، جب زیادہ دیر ہو گئی تو میں اٹھی، میں نے کہا، اچھا اب چلتی ہوں، پھر آؤں گی،

فائقہ :۔ جب بھی کچھ نہیں بولے، بڑے عجیب آدمی ہیں،

راضیہ :۔ نہیں آدمی تو بڑے اچھے ہیں لیکن افسردہ سے ہیں شاید سلطان جلال الدین

سے کچھ ان بن ہو گئی،

فائقہ :۔ واہ بھلا امیرالسلطان میں کبھی کہیں ان بن ہو سکتی ہے؟

راضیہ :۔ پھر ہو گا کچھ ہمیں کیا

فائقہ :۔ اچھا راضیہ یہ تو کہو، اگر تمہیں یہ علم ہو جائے کہ امیر معین الدین تمہارے بجائے کسی اور کو چاہتے ہیں، تم تب کیا کرو گی؟

راضیہ :۔ کیا کریں، مجھے کیا؟

فائقہ :۔ تم جلو گی نہیں اس سے؟

راضیہ :۔ ضرور جلوں گی، موقعہ ملا تو مار بھی ڈالوں گی

فائقہ :۔ اور امیر کو کچھ نہیں کہو گی، کسی کو سائی کسی کو بدھائی!

راضیہ :۔ مردوں کو کیا کہا جا سکتا ہے، ان کا کام ہی اور کیا ہے، ہم تو اپنی جانتے ہیں اور اپنے ہی بارے میں کہہ سکتے ہیں!

فائقہ :۔ اپنے بارے میں کیا کہہ سکتی ہو؟

راضیہ :۔ کہ جس سے محبت کریں گے، آخر دم تک کریں گے!

فائقہ :۔ خواہ وہ کیسا ہی ہرجائی ہو؟

راضیہ :۔ ایسی باتیں نہ کرو، وہ ایسے نہیں ہیں، بڑے اچھے آدمی ہیں!

فائقہ :۔ اچھے آدمی ہیں ——— بگلا بھگت نہیں کہتی،

راضیہ :۔ سچ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں،

فائقہ :۔ ارے وہ بڑے حضرت ہیں، تو خود جیسی نیک اور بھولی ہے سب کو ویسا ہی سمجھتی ہے!

راضیہ :۔ اچھا بھئی وہ جانیں ہم جانیں کسی کو کیا؟
نائلہ :۔ ہاں یہ بات کہی تم نے پتہ کی اب ہم چپ ہو تے ہیں:
ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک چوبدار ہانپتا کانپتا آیا اس نے نائلہ سے کہا
۔ سلطان نے یاد فرمایا ہے آپ کو!
نائلہ کا رنگ رخ یہ حکم سنکر بدل گیا اس کے رخساروں پر سرخی سی دوڑ گئی،
سلطان نے بلایا ہے!
اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا!
وہ اٹھ کھڑی ہوئی،
نائلہ :۔ سلطان نے بلایا ہے؟
چوبدار :۔ جی سلطان نے یاد فرمایا ہے!
نائلہ :۔ چلو میں چلتی ہوں ــــــ!
چوبدار چلا گیا، اس کے جاتے ہی نائلہ نے لباس بدلا بناؤ سنگار کیا اور چودھویں رات کا چاند بن کر وہ سلطان کے ایوان کی طرف روانہ ہو گئی!
راستہ بھر اس کا دل دھڑکتا رہا، وہ سوچتی رہی، کیوں بلایا ہے؟
کیا وہ میرا گانا سنیں گے؟
ناچ دیکھیں گے؟
مجھ سے التفات کی باتیں کریں گے؟
میری دلدہی کریں گے؟

مجھے کوئی خوشخبری سنائیں گے؟

یہاں تک کہ وہ سلطان کی آرام گاہ میں پہونچ گئی اس وقت سلطان مسرور نظر آرہا تھا، ذرا بھی فکرمند نظر نہیں آرہا تھا۔ سامنے امیر معین الدین بیٹھا تھا، وہ بھی مسکرا رہا تھا، ابھی ابھی شاید اس نے کوئی لطیفہ سنایا تھا جس سے خوش ہو کر سلطان مسکرا رہا تھا۔

فائقہ جب سامنے پہونچی تو معین الدین سے آنکھیں چار ہوئیں!

وہ بھی مسکرا رہی تھیں!

پھر سلطان سے آنکھیں ملیں

اس کے تبسم میں التفات اور توجہ کی جھلک تھی!

سلطان نے فرمایا۔

تم آگئیں فائقہ؟

فائقہ :۔ آگئی میرے آقا! حکم ملا۔ اور کنیز چل پڑی،

خوارزم شاہ :۔ بہت دنوں سے ہم نے تمہارا گانا نہیں سنا!

فائقہ :۔ یہ کنیز کی بدقسمتی ہے!

خوارزم شاہ :۔ نہیں یہ تمہاری نہیں ہماری بدقسمتی ہے، مہمات سلطنت اور امور مملکت ہمیں سر اٹھانے کی مہلت نہیں دیتے، اندرونی شورشیں اور بیرونی یورشیں ہمیں یکسو ہونے کا ذرا بھی موقع نہیں دیتیں سچی بات تو یہ ہے کہ اب چنگ و رباب سے دلچسپی ہماری دلچسپی تقریباً ختم ہو چکی ہے، تلوار ہی نغمہ کا کام دیتی ہے!

ان باتوں کا فائقہ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ سر جھکائے سنتی رہی!

خوارزم شاہ:۔ ہم جانتے ہیں تم اپنے فن میں کتنی کامل ہو لیکن تمہارے فن کو ہمارے محل میں زنگ لگ رہا ہے۔ تم حسین و جمیل ہو شعر و ادب سے واقف ہو، کتنی زبانیں جانتی ہو، لیکن تمہارا کوئی ہنر بھی تمہارے کام نہیں آرہا ہے!

فائقہ بدستور خاموش تھی!

خوارزم شاہ:۔ ہم نے سوچا ہے تمہیں امیر معین الدین کے حوالہ کر دیں وہ تمہیں بہت آرام اور سکھ سے رکھیں گے!

یہ سنکر فائقہ کا خون خشک ہو گیا!

خوارزم شاہ:۔ کیوں فائقہ ہماری تجویز منظور ہے نہیں!

فائقہ:۔ ایک کنیز آقا کی کسی تجویز کو رد نہیں کر سکتی!

خوارزم شاہ:۔ نہیں بتاؤ، ہمارا یہ فیصلہ تمہیں ناگوار تو نہیں ——؟

دفعتاً فائقہ کا دل مضبوط ہو گیا! اب تک اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی اب اس میں بولنے کی طاقت پیدا ہو گئی اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا

فائقہ:۔ میرے آقا مجھے یہ آپ کی تجویز منظور نہیں۔

یہ سنکر معین الدین کے طوطوں کے نیچے سے زمین نکل گئی!

خوارزم شاہ:۔ تم معین الدین کو ناپسند کرتی ہو!

فائقہ:۔ میں کسی کو پسند نہیں کرتی، میں صرف ——————

اور یہ کہتے کہتے وہ رو نے لگی

خوارزم شاہ کو ترس آ گیا:

۔ ارے تم رونے لگیں ـــــ اچھا ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، جہاں چاہو جاؤ جہاں چاہو رہو، جو چاہو کرو۔ جتنی قیمت پر ہم نے تمہیں خریدا تھا، اتنا ہی روپیہ ہم عطا کرتے ہیں، تم اپنی زندگی کی مالک ہو، جس طرح چاہو اسے بناؤ ـــــ (مسکراکر) غالباً ہماری اس تجویز سے تمہیں اتفاق ہوگا

فائقہ :۔ کیا اب بھی آپ کنیز کی رائے لے رہے ہیں ؟

خوارزم شاہ :۔ ہاں ـــــ کیا اختلاف ہے نہیں !

فائقہ :۔ (لرزتی آواز سے) میرے آقا اتنا ہی شدید اختلاف جتنا پہلی تجویز سے تھا !

خوارزم شاہ :۔ (حیرت سے) تم آزاد ہونا بھی نہیں چاہتیں ؟

فائقہ :۔ نہیں میرے آقا ہرگز نہیں ۔

خوارزم شاہ :۔ پھر آخر تم کیا چاہتی ہو ؟

فائقہ :۔ آپ کے قدموں میں رہنا چاہتی ہوں ۔ آپ کی کنیز بنی رہنا چاہتی ہوں، مجھ سے سب کچھ چھین لیجیے، مگر یہ نعمت نہ چھینیے ۔

خوارزم شاہ :۔ (متحیر ہوکر) تم غلامی کو نعمت کہہ رہی ہو ؟

فائقہ :۔ آپ کی غلامی کو ! ـــــ میں آپ کی غلامی سے آزاد ہونا نہیں چاہتی !

جلال الدین :۔ آخر کیوں ؟ ـــــ ایسی باتیں ہم نے کسی سے آج تک نہیں سنیں !

فائقہ پھر خاموش ہوگئی !

سلطان نے معین الدین کو مخاطب کیا،

" ہم نے تمہاری خوشی پوری کرنی چاہی تھی لیکن اب ہم مجبور ہیں!

معین الدین کا دل اچھا! فائقہ کا منہ نوچ لے لیکن سلطان کے سامنے بے بس تھا!

خوارزم شاہ: ہم محل کی . . . جس کنیز کو چاہو لے لو، ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن

فائقہ اگر نہیں جانا چاہتی تو ہم اس پر جبر نہیں کر سکتے ———

یہ انسانیت کے خلاف ہے۔" اس کی باتوں سے ہم اس وقت بہت متاثر

ہوئے۔

پھر خوارزم شاہ فائقہ سے مخاطب ہوا،

" اب تم جا سکتی ہو!"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی!

اس نے سب سے بڑی نعمت پالی تھی!

———

راضیہ اور فائقہ

خوارزم شاہ کے فیصلے سے فائقہ کو بڑی تسکین ہوئی اس کے دل کا بوجھ اتر گیا وہ محسوس کرنے لگی، میری محبت کا صلہ مجھے مل گیا ——— یہ کیا کم ہے کہ جس کی محبت کے شرارے دل میں اٹھ رہے ہیں، اس سے قرب کی نعمت حاصل رہے گی، اس کے قدموں سے لگی رہوں گی، اس کے حضور میں حاضر ہوتی رہوں گی اس کی باتیں سنتی رہوں گی ———

پھر وہ سوچنے لگی:

بس بہت ہے، اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔

کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

وہ جب جلال الدین خوارزم شاہ کے ایوان زرنگار سے اپنے حسرت کدہ میں واپس آئی تو دفور مسرت سے اسکی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو،

راضیہ اس کے انتظار میں تھی ——— وہ دیکھ رہی تھی آج فائقہ بہت

ملول اور غمگین ہے، خاموش اور افسردہ ہے۔ دربار شاہی میں جاتے وقت اسکے چہرے پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی لیکن واپس آئی تو سطح کی مسرت اور انشاط کی کیفیت اس پر طاری تھی، پاؤں رکھتی کہیں تھی پڑتے کہیں تھے، اس انقلاب پر راضیہ کو بہت تعجب ہوا اس نے کہا

راضیہ :۔ بڑی خوش نظر آرہی ہو .... جیسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو!

فائقہ :۔ (جوش مسرت کیساتھ) ہاں ملی تو ہے نعمت، پھر تمہیں کیوں جلن ہورہی ہے؟

راضیہ :۔ خدا نہ کرے، میں کیوں جلنے لگی، میں تو تمہیں اپنی بہن سمجھتی ہوں تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔ تمہاری ترقی میری ترقی ہے ـــــ سچ کہنا کیا سرفرازی ہوئی!

فائقہ :۔ کچھ نہیں ـــــ جیسی گئی تھی ویسی ہی واپس آ گئی!

راضیہ :۔ پھر اتنی خوش کیوں ہو، باچھیں کھلی جارہی ہیں، بند قبا ٹوٹے جارہے ہیں ـــــ ہم سے چھپاؤگی؟ نہیں نہ بتاؤگی؟

فائقہ :۔ کچھ لگی ہوئی ہے، تجھ سے کیا چھپاؤں گی؟

راضیہ :۔ تو پھر بتاؤ دربار میں کیا ہوا؟

فائقہ :۔ بتادوں، لیکن تجھے خوشی نہ ہوگی، افسوس ہوگا!

راضیہ :۔ ایسی بات پر مسرور نظر آرہی ہو، جو میرے لئے غم کا سبب بن سکتی ہے؟

فائقہ :۔ ہا! خدا نہ کرے، ایسا ممکن ہے کہیں؟

راضیہ :۔ پھر مجھے افسوس کیوں ہوگا؟

فائقہ :۔ وہ بات ہی ایسی ہے ۔ ایک پہلو ایسا ہے جس سے تم خوش ہو گی اور دوسرا ایسا ہے جس سے تمہیں صدمہ ہوگا!

راضیہ :۔ کچھ بھی ہو، میں سننے کو تیار ہوں ۔ بتاؤ کیا بات ہے؟

فائقہ :۔ جانتی ہو سلطان نے مجھے کیوں یاد فرمایا تھا؟

راضیہ :۔ نہیں ـــــ جانتی ہوتی تو پوچھتی کیوں؟

فائقہ :۔ سلطان نے اس لئے بلایا تھا کہ مجھے امیر معین الدین کی کنیزیں دیدیں ۔

راضیہ :۔ (متحیر ہو کر) واہ ـــــــ یہ سلطان کو کیا سوجھی؟ کیا صرف امیر معین الدین ہی اس عطیہ کے قابل رہ گئے تھے؟

فائقہ :۔ سلطان اس لئے امیر الدین کے حوالے کر رہے تھے کہ خود امیر معین الدین نے یہ استدعا کی تھی!

راضیہ :۔ (رنجیدہ ہو کر) سچ کہو ۔

فائقہ :۔ تیرے سر کی قسم سچ ـــــــ وہ تو میرے اور سلطان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے ۔ لیکن میں راضی نہیں ہوئی!

راضیہ :۔ لیکن تمہاری نارضامندی سے کیا ہوتا ہے ، سلطان تو راضی ہو گئے امیر نے تو التجا کی؟

فائقہ :۔ لیکن میں نے یہ التجا ٹھکرا دی ،

راضیہ :۔ لیکن سلطان کو کیا کرو گی تم؟ ـــــ ان کے سامنے زبان کھل سکے گی تمہاری؟

فائقہ ۔ کیوں نہیں کھلے گی؟ ـــ کھلے گی ، کھلی ، اور میں نے دل کی بات کہہ دی

راضیہ :۔ (استفہامیہ سے) کیا کہا تم نے؟

فائقہ :۔ میں نے کہہ دیا۔ میں امیر کے ساتھ نہیں جانا چاہتی؟

راضیہ :۔ پھر سلطان نے کیا کہا؟

فائقہ :۔ سلطان نے فرمایا تو ہم بھی مجبور نہیں کر سکتے تمہیں اختیار ہے جہاں چاہو رہو

راضیہ :۔ اب میں سمجھی یہ بات ہے!

فائقہ :۔ ہاں دیکھ لیا اپنے امیر کو؟

راضیہ :۔ دیکھ لیا ——

پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

فائقہ نے اس کے آنسو پونچھے اور کہا

"یہ دنیا ہے یہاں ہر روز اسی طرح کے کھیل ہوتے رہتے ہیں، تقدیر اور مشیت کے سامنے کسی کی نہیں چلتی!"

راضیہ ابھی جواب میں کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ امیر معین الدین آتا ہوا نظر آیا۔ اسے آتا دیکھ کر راضیہ اٹھی اور اپنی آرام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ فائقہ سوچنے لگی دیکھئے اب کیا گل کھلاتا ہے؟

نکاح کی تجویز

معین الدین نے راضیہ کی موجودگی یا افسردگی پر ذرا بھی توجہ نہیں کی، وہ سیدھا فائقہ کے پاس گیا۔ فائقہ نے گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مسکراتے ہوئے کہا!

فائقہ :۔ اس وقت کیسے تشریف لے آئے آپ؟

معین الدین:۔ کیا تمہیں میرا آنا بھی گوارہ نہیں؟ ـــ اگر ناگوار ہو تو چلا جاؤں؟

فائقہ :۔ ایسی بے ادبی کی بات تو میں نہیں کہہ سکتی ـــ تشریف رکھئیے!

معین الدین:۔ فائقہ تم نے آج یہ اچھا نہ کیا........... تم نے میری توہین کی،

فائقہ :۔ جانتی ہوں آپ امیر کبیر ہیں، سلطان کے معتمد علیہ ہیں۔ آپ کی بات چلتی ہے، آپ کا سکہ چلتا ہے، آپ سیاہ کو سفید، اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں، بہت سے لوگوں کی زندگی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے ایک اشارہ پر گردنیں کٹ سکتی ہیں، اور جلاد کی تلوار کند ہو سکتی ہے ـــــــ

لیکن اتنے اقتدار و اختیار کے با وجود آپ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کا دل بدل سکیں۔

معین الدین:۔ ہاں میں دل نہیں بدل سکتا، لیکن مزاج بدل سکتا ہوں!

فائقہ:۔ آپ مزاج ہی نہیں زندگی بھی بدل سکتے ہیں ـــــ ضرور بدل دیجئے میں ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں!

معین الدین:۔ نہیں میں سزا نہیں دے سکتا، لیکن آج کا واقعہ بھول بھی نہیں سکتا! میں پھر کہتا ہوں تم نے میری توہین کی اور یہ اچھا نہ کیا!

فائقہ:۔ میں آپ کی توہین کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی ...... کس برتے پر یہ جرأت کر سکتی ہوں!؟

معین الدین:۔ تم نے مجھے ٹھکرایا، تم نے مجھے سلطان کے سامنے ذلیل کیا!

فائقہ:۔ میں نے نہ آپ کو ٹھکرایا نہ میں نے آپ کو ذلیل کیا۔ میں نے صرف یہ کیا کہ دل کی بات زبان پر لے آئی!

معین الدین:۔ یعنی مجھے نامنظور کر دیا .... سوچو تو کیا کہا ہوگا سلطان نے اپنے دل میں؟

فائقہ:۔ صرف یہ کہا ہوگا کہ یہ فائقہ ایک ایسی کنیز ہے جس کا دماغی توازن درست نہیں جو حد سے زیادہ بے وقوف ہے جسے آزادی دی گئی لیکن اس نے آزادی سے انکار کر دیا، جسے مملکت کے ایک بڑے رئیس کو سونپا گیا لیکن اسکی کنیزی نہ قبول کی اور اس نے اپنے شاندار مستقبل پر لات مار دی ـــــ اور کیا کہا ہوگا؟

معین الدین :۔ تمہیں کبھی اس کا احساس ہے کہ اپنے شاندار مستقبل کو تم نے ٹھکرا دیا؟

فائقہ :۔ بے شک ہے ...... حقیقت بہرحال حقیقت ہے!

معین الدین :۔ اگر اب بھی تم اپنے رد یہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرو، تو بگڑی بات آسانی سے بن سکتی ہے۔

فائقہ :۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر اپنے معروضات پیش کئے تھے!

معین الدین :۔ اب میں ایک دوسری تجویز لے کر آیا ہوں اس پر غور کرو گی؟

فائقہ :۔ ضرور ...... فرمائیے، وہ نئی تجویز کون سی ہے؟

معین الدین :۔ میں اس پر تیار ہوں کہ سلطان تمہیں آزاد کر دیں، اور میں تم سے نکاح کروں، جو رقم انہوں نے بطور انعام تمہیں دی ہے وہ واپس نہ لی جائے

فائقہ :۔ آپ نے تین باتیں کہی ہیں تینوں کا جواب الگ الگ دوں گی:

مجھے آزادی نہیں چاہیئے!

اس لئے کہ آزادی کی تمنا اسے ہوتی ہے جس کے دل میں امنگ ہو، ولولہ ہو آرزو ہو، کچھ کرنے کی تمنا ہو، زندگی کا کوئی پروگرام اس کے پیش نظر ہو،

...... جب یہ کچھ نہیں تو آزادی کو لے کر کیا کروں گی؟

میں نکاح کرنا بھی نہیں چاہتی!

اس لئے کہ نکاح اس کو کرنا چاہیئے جو گھریلو زندگی بسر کرنے کی شائق ہو

میرے دل میں آج تک یہ جذبہ نہیں پیدا ہوا۔

رہی انعام کی رقم

تو میرے دل میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، میں نے اسے صرف اسلئے

قبول کر لیا کہ وہ عطیہ سلطانی تھا! اور سلطانی عطیہ کو رد کرنا بدتمیزی اور گستاخی ہے ــــ باقی وہ رقم میرے کس کام کی ہے ؟

یوں ہی پڑے رہیں گے میرے پاس، جسے ضرورت ہو وہ لے جائے !

اب بتائیے ؟ ــــ اب کیا کہتے ہیں آپ ؟

معین الدین :- یہ کہ واقعی تم یا پاگل ہو یا بے وقوف .... اور یہ دونوں صورتیں افسوسناک ہیں ..... تمہارا جو جی چاہے کرو، میں جاتا ہوں۔

معین الدین چلا گیا اور خائفہ اس وقت تک اسے مسکرا مسکرا کر دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا ؛

چنگیز اور تمن خان!

علاؤالدین خوارزم شاہ کی وفات کے بعد سے اب تک چنگیز خاں خوارزم شاہی سلطنت پر کئی حملے کرچکا تھا لیکن ان حملوں کو معمولی جھڑپوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی، ان حملوں کا مقصد فیصلہ کن جنگ نہیں تھی۔ صرف اپنی شوکت کا اظہار اور دولت خوارزمیہ کو مرعوب کرنا تھا۔ اس طرح کافی مدت گذر چکی تھی۔ اور چنگیز سوچنے لگا تھا کہیں تمن خاں نے مجھے بے وقوف تو نہیں بنایا، وہ فیصلہ کن حملہ کی رائے کیوں نہیں دیتا۔

وہ اسی طرح پیچ وتاب میں بیٹھا ہوا تھا کہ تمن خاں آگیا، چنگیز خاں نے اسے شیر کی طرح گھور کر دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔

"تمن خاں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری احمقانہ تجویز پر عمل کیوں کیا"؛

تمن خاں:۔ عالی جاہ غلام ایک خطا کار انسان ہے لیکن اگر اس سے اسکی خطا معلوم ہوجاتی ـــــــ

چنگیز خاں:۔ کیا تم نے ہمیں یہ رائے نہیں دی تھی کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو مہلت دی جائے؟

کیا تم نے یہی نہیں کہا تھا کہ علاء الدین کے بیٹوں میں خونریزی کا انتظار کر لیا جائے؟

کیا وہ تم ہی نہیں ہو جس نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ فیصلہ کن لڑائی کا آغاز کرنے میں ابھی تامل کریں؟

تم نے ہمیں یہ احمقانہ مشورہ دیا اور ہم نے مان لیا۔

جانتے ہو اس مشورہ پر عمل کرنے کا انجام کیا ہوا؟

ہماری تلواریں زنگ آلود ہوتی جا رہی ہیں،

ہمارے سپاہیوں میں سستی اور تکان پیدا ہوتی جا رہی ہے،

ہماری فتوحات کا سلسلہ رک سا گیا ہے!

اب ہم انتظار نہیں کر سکتے .... تمن خاں فوج کو آراستہ کرو۔ تیاری کا حکم دو، ہم بہت جلد کوچ کریں گے .... ہم اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ خوارزم شاہی حکومت زیادہ سے زیادہ کمزور ہو لے تب حملہ آور ہوں گے۔ ہم کمزور نہیں ہیں ہم اپنی قوت و طاقت سے واقف ہیں ہم ساری مسلمان قوم سے بیک وقت لڑنے کو تیار ہیں۔ کیا تم ہمیں بزدل سمجھتے ہو کہ ——

تمن خاں: (کانپ کر) نہیں عالی جاہ۔ آپ کے لشکر کا کون بھی شیر دل اور بہادر کا مقابلہ کر سکتا ہے!

چنگیز خاں: تم نے خوارزم شاہی حکومت میں اپنا کوئی جاسوس بھی نہیں بھیجا۔

تمن خاں: بہت سے بھیج چکا ہوں ہمارے جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا ہے وہاں

.........ہمیں دم بدم کی خبریں مل رہی ہیں!

چنگیز خاں:۔ پھر وہ دم بدم کی خبریں ہم تک کیوں نہیں پہونچتیں؟

تمن خاں:۔ اس لئے کہ ان میں کوئی ندرت نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔

چنگیز خاں:۔ ان خبروں کا خلاصہ کیا ہے؟........ جلال الدین کی تیاریوں کا کیا عالم ہے؟ مسلمانوں کی جذبۂ جہاد کی کیا کیفیت ہے؟

تمن خاں:۔ یہ سب پرانی باتیں ہیں، نہ مسلمانوں میں وہ دم خم ہے نہ جلال الدین میں سکت ہے، ہم جب چاہیں دولت خوارزمیہ کا قلع قمع کر سکتے ہیں!

چنگیز خاں:۔ پھر انتظار کیوں؟ — تاخیر کس لئے؟

تمن خاں:۔ صرف ایک بات غلام کو قدم آگے بڑھانے سے روکتی ہے!

چنگیز خاں:۔ کون سی بات؟ —؟

تمن خاں:۔ یہ کہ اگر ابھی ہم نے حملہ کر دیا تو خلافت عباسیہ چوکنا ہو جائے گی، مشرق کی دوسری اسلامی سلطنتوں میں بیداری پیدا ہو جائے گی، خوارزم شاہی رعایا میں جہاد اور جنگ کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر ہم تھوڑا سا اور انتظار کر لیں تو ————

چنگیز خاں:۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) تو کیا ہوگا؟

تمن خاں:۔ خلافت عباسیہ اور دولت خوارزمیہ سے ٹھن چکی ہوگی، جن شہروں پر علاءالدین کے بیٹے قابض ہیں ان کی رعایا ان سے بہت زیادہ نالاں اور بیزار ہو چکی ہو گی، مشرق کی دوسری اسلامی حکومتیں خواب خرگوش میں ہو چکی ہوں گی —— پھر ہمارا حملہ کامیاب ہوگا، اور ایک ہی وار

میں ہم اپنے ہر دشمن کا خاتمہ کر چکے ہوں گے

چنگیز خاں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا

چنگیز خاں:۔ بہرحال ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد ہمارا لشکر دشمن پر ٹوٹ پڑنے کیلئے بڑھے گا ——— نتیجہ اور انجام سے بے پرواہ ہو کر ——— اس سے زیادہ ہم انتظار نہیں کر سکتے، ہمارا پیمانہ صبر اب لبریز ہو چکا ہے!

تمن خاں:۔ عالیجاہ ——— آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد تاتاری ٹڈی دل خوارزم شاہ اور اس کی سلطنت کے پرخچے اڑانے کے لئے صبح صبح یہاں سے کوچ کر رہا ہو گا!

پھر بھی میں لڑوں گا

جلال الدین خوارزم شاہ اگرچہ خاندانی اور ملکی مصائب میں گرفتار تھا، لیکن عقاب کی سی نگاہ رکھتا تھا، ہر بات پر، ہر پہلو، ہر مسئلہ پہ، بڑی گہری نظر رکھتا تھا کوئی بات ایسی نہیں تھی جو پیش آنے والی ہو، اور اس کے علم میں نہ ہو، وہ اپنی فکر و تدبیر شجاعت، دلیری، جہانبانی، اور جہانداری، دانش، بینش اور اعتدال و توازن کی بنا پر اپنے تمام معاصرین میں یگانہ اور منفرد تھا

حالات نامساعد تھے، فضا ناموافق تھی، دوست دشمن ہو رہے تھے، وہ تخت حکومت کو اپنا حق سمجھتے تھے امرار دولت اور اعیان ملک کی بھی ایک جماعت خفیہ و علانیہ سازشوں میں دن رات مصروف رہتی تھی۔ تاتاریوں کی نہ ختم ہونے والی یورشوں اور حملوں کا لگاتار سلسلہ جاری تھا۔ یہ حملے کبھی ہلکے ہوتے تھے، کبھی سخت لیکن ان کے تواتر اور تسلسل میں فرق نہیں آتا تھا، بلکہ کچھ دنوں سے ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ گئی تھی .... اور جلال الدین بڑی سنجیدگی سے اس فتنہ کی کمیت اور کیفیت پر غور کر رہا تھا۔ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح نہیں بہت جنگی زندگی

کا مقصد وحید یہ تھا کہ زندگی کے مزے لوٹیں ،

خوش باش دمے کہ زندگانی ایں است

اس کے سوا دنیا کے کسی اور مسئلہ پر وہ غور کرتے تھے ، نہ شائستہ توجہ سمجھتے تھے

ایک روز خوارزم شاہ جلال الدین نے اپنے سپہ داروں ، دوستوں ، ساتھیوں ملک کے امیروں اور با اثر اصحاب کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا ، سب لوگ خاموش اور ادب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے ، کسی کو نہیں معلوم تھا ، خوارزم شاہ نے کیوں بلایا ہے ، کیا کہے گا ؟

جلال الدین اپنے ایوان زرنگار سے برآمد ہوا تو سب نے سروقد کھڑے ہو کر تعظیم دی ۔ خوارزم شاہ نے اشارہ سے سب کو بیٹھنے کا حکم دیا ، خود کھڑا رہا ، پھر اس نے مخاطب کرتے ہوئے ان سب کو کہا ۔

جلال الدین خوارزم شاہ : دوستو ، عزیزو اور ساتھیو !

حالات کی نزاکت کتنی بڑھ چکی ہے ، مجھے امید ہے تمہیں اس کا احساس ہوگا آج ہر طرف سے ہماری حکومت پر یورش ہو رہی ہے ، خاص طور پر تاتاریوں نے پیچھا لے لیا ہے ، نہ وہ چین سے بیٹھتے ہیں ، نہ بیٹھنے دیتے ہیں ،

ایک درباری اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کہا

سلطان عالم ! ——— حالات کی نزاکت کا ہمیں پورا احساس ہے !

خوارزم شاہ : اور تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ میرے بھائی میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں ، میرے دوست دشمنوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں ، میرے ساتھی یہ اِسادہ دینے سے کتراتے ہیں ، بلکہ اگر یہ میں کہوں کہ میرے

ہاتھ پاؤں میرے دشمن ہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

یہ کہتے کہتے جلال الدین خوارزم شاہ کی آواز بھر آگئی،

ایک دوسرا درباری اٹھا، اس نے عرض کیا۔

"سلطان عالم کا ایک ایک لفظ حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے!"

ایک اور درباری۔ (سہمے ہوئے انداز میں) اور پھر بالائے ستم کم بخت تاتاریوں کی یورش!

خوارزم شاہ:۔ (ڈپٹ کر) کیا کہا تم نے؟ —— کیا کہا؟

درباری:۔ (ڈر کر) سلطان عالم!

خوارزم شاہ:۔ ہم سننا چاہتے ہیں کیا کہہ رہے تھے تم؟..... کیا کہنا چاہتے تھے

درباری:۔ (لرزتی ہوئی آواز میں) تاتاری ایک آن چین نہیں لینے دیتے، اپنے مورد ملخ سے لشکر کے ساتھ برابر جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں.......

ان کی قوت اتنی بڑھ چکی ہے اور عوام پر اپنی دہشت کچھ اس طرح انہوں نے قائم کر لی ہے کہ اب ان سے نپٹنا آسان کام نہیں رہا۔

خوارزم شاہ:۔ میں جانتا ہوں تاتاری انسان نہیں درندے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے وہ بے پناہ قوت و شوکت کے مالک ہیں، اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ ان کا نام لوگوں پر دہشت اور سراسیمگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے

—— پھر بھی میں لڑوں گا!

درباری:۔ (خوفزدہ آواز میں) پھر بھی آپ لڑیں گے؟

خوارزم شاہ:۔ ہاں لڑوں گا!

آخری وقت تک،
آخری سانس تک،
آخری قطرۂ خون تک،
میں جنگ جاری رکھوں گا۔ لڑتا رہوں گا۔ خواہ میرے ہاتھ شل ہو جائیں، میری طاقت جواب دے جائے، کوئی میرا ساتھ نہ دے۔ میری ہمت نہیں ٹوٹ سکتی میری عزم و استقامت میں فرق نہیں آ سکتا!

معین الدین:- بے شک بے شک، سلطان عالم بالکل بجا فرما رہے ہیں، تاتاری خواہ کتنے ہی طاقتور ہوں، لیکن وہ ہمارے عزم و عمل کو شکست نہیں دے سکتے ہم سلطان عالم کے جاں نثار ہیں اور زندگی کے آخری دم تک اپنے مسلک پر قائم رہیں گے!

خوارزم شاہ:- میں دیکھتا ہوں تاتاریوں سے مقابلہ کا نام سنکر تمہارے سرخ و سفید چہرے زرد ہو گئے تم پر مردنی چھا گئی، تمہارا نظام تنفس درہم برہم ہو گیا، اگر یہی بات ہے تو شوق سے تم گھروں میں بیٹھ رہو، میں تمہیں منع نہیں کرتا!

معین الدین:- عالی جاہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہیں اور اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے ہم اس کے قدموں سے لپٹے رہیں گے اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان کر دیں گے۔

خوارزم شاہ:- یہ تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا سب کی طرف سے
معین الدین:- سب کی طرف سے سلطان عالم!

خوارزم شاہ۔ نہیں تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو۔ اور تمہارے اس دعوے کو ہم تسلیم کرتے ہیں، دوسرے لوگ گونگے نہیں ہیں، وہ خود اپنی رائے ظاہر کر سکتے ہیں، نہیں بولنے دو تم بیٹھ جاؤ۔

معین الدین بیٹھ گیا

خوارزم شاہ:۔ آپ سب حضرات اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں، میں سنونگا میں غور کروں گا!

لیکن خوارزم شاہ کی آواز کے جواب میں کوئی آواز بلند نہیں ہوئی!

خوارزم شاہ:۔ تم خاموش ہو جواب دینے کی ہمت نہیں رکھتے۔ کوئی مضائقہ نہیں تم گھروں میں بیٹھے رہو، صرف مجھ کو اکیلے کو میدان جنگ میں جانے دو، میں اکیلا اگر سب کچھ نہیں کر سکتا، مر تو سکتا ہوں تاتاری شہروں کو ویران کر سکتے ہیں لیکن جلال الدین کے عزم و استقلال مستقل دنیا ویران نہیں کر سکتے، ان کی تلوار لوگوں کی گردن کاٹ سکتی ہے، لیکن جلال الدین کی دلیری اور شجاعت کو ذبح نہیں کر سکتی، وہ بادشاہوں کو مملکتوں کو حکومتوں کو کچل سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کی عزت نفس اور خودداری کو تاراج نہیں کر سکتے وہ جلال الدین کی گردن کاٹ سکتے ہیں، لیکن جلال الدین کی روح کو کچل نہیں سکتے، کاش تم سب متحد ہوتے، اگر تم سب متحد ہو، سلطان اگر باہمی اختلافات ترک کر دے، خود غرضی مفاد پرستی، جاہ طلبی اور اقتدار و اختیار کی بھوک ہمیشہ کے لئے نہیں، صرف تاتاری یورش کا مقابلہ کرنے تک کے لئے کم ہو جائے تو میں دعوی کرتا ہوں کہ تاتاریوں کو چیونٹی کی طرح مسل

کر رکھ دوں گا ——— لیکن اگر تم متفق نہیں ہوتے اختلافات کی
گرم بازاری جاری رکھنے پر مصر ہو، دوستوں کو نقصان پہونچانے
اور دشمنوں کو مدد دینے پر تلے ہوئے ہو تو بھی میں پروا نہیں کرتا، تو بھی
میری ہمت اور عزم میں کوئی فرق نہیں آسکتا، تمہیں خدا کے حوالے کروں گا
اور اپنے مٹھی بھر فدا کاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ اس سیل بلا کا مقابلہ
کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

میں گوشت پوست کے بنے ہوئے پتلوں پر ہوا سے اور فولاد کے بنے
ہوئے ہتھیاروں پر فنا ہو جانے والی اور نہ باقی رہنے والی دولت بھروسہ
نہیں کرتا، میرا بھروسہ صرف خدا پر ہے، اس خدا پر جس نے خود فرمایا ہے

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ

(جب عزم کرلو تو خدا پر توکل کرکے (اسے پورا کرو)
میں نے عزم کرلیا ہے، اور خدا کے بھروسہ پر اس عزم کو عملی جامہ پہنا کر
رہوں گا)

ایک مصاحب: لیکن سلطان ———

خوارزم شاہ: لیکن وقت گذر چکا ہے،

مصاحب: میرے عرض کرنے کا مقصد

خوارزم شاہ: عرض و معروض کا بھی وقت گذر گیا، اب صرف عمل کا وقت ہے، وقت
کی اہمیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے، غفلت اور خود فراموشی میں

قیمتی وقت گذر چکا ہے۔ اب تلافی مافات کی صرف یہ صورت ہے کہ عمل کی سرگرمی سے کوتاہی کا داغ دھویا جائے ——— میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں عزت کی موت یا ذلت کی زندگی میں سے تم کیا اختیار کرتے ہو؟ تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر عزت کی موت منظور ہو تو میرا ساتھ دو، میرے ساتھ چلو اور کٹ مرو۔ ذلت کی موت مرنا چاہتے ہو تو تاتاریوں کی اطاعت قبول کرلو۔ ذلت کی موت میں نے اس لئے یاد دلائی کہ جو لوگ تاتاریوں کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں، وہ انہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑتے، طرح طرح کی ذلتیں دے دے کر ان کی جان لیتے ہیں …… بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

خوارزم شاہ نے منتظر نگاہوں سے سب کو دیکھا!

مگر کسی طرف سے جواب نہ ملا!

سب ساکت وصامت بیٹھے تھے ——— کسی میں یارائے تکلم نہ تھا۔

خوارزم شاہ نے پھر پوچھا

بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے؟

مگر اب بھی سب خاموش تھے!

خوارزم شاہ نے پھر کہا

میں تمہارا فیصلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں تم؛ لئے کیوں نہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟ خاموش کیوں ہو تمہاری زبان کیوں نہیں کھلتی؟

لیکن ان پیہم سوالوں کا جواب ایک بھی کسی طرف سے نہ ملا۔
خوارزم شاہ نے پھر کہا،
میں تمہارے حوصلے تولنا چاہتا ہوں۔
تمہاری امنگوں کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری غیرت اور حمیت کو پرکھنا اور آزمانا چاہتا ہوں۔ لیکن تم اسطرح خاموش ہو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو، بولو بتاؤ، کچھ تو کہو؟
خوارزم شاہ کی ان چبھتی ہوئی باتوں کا کس کے پاس جواب تھا کہ وہ منہ کھولتا؟ کوئی کچھ نہ بولا، سب خاموش رہے!
یہ کیفیت دیکھ کر وہ بولا،
خوارزم شاہ پر اثر انگیز آواز اور تاسف آمیز لہجہ میں) ہاں میں سمجھ گیا!
تم میں وہ دولہ نہیں رہا جس نے کبھی تمہیں سربلند کرکے ہفت اقلیم کا فرمانروا بنادیا تھا، تم میں اب وہ خودی باقی نہیں جس نے تمہاری دھاک سارے دنیا پر بٹھادی۔ تم میں وہ زندگی باقی نہیں رہی، جو کبھی پہلی صفت سے عبارت تھی۔ آہ ــــــ!
تم اب ادبار و انحطاط کے راستے پر کھڑے ہو اور اس راستہ سے ہٹنا نہیں چاہتے۔ تم میں اب زندگی کی امنگ اور تڑپ باقی نہیں رہی۔ وہ امنگ جو کارناموں کی تخلیق کرتی ہے، وہ تڑپ جو تاریخ کے صفحات پر یادگار رہ جاتی ہے!
تمہیں زندگی عزیز نہیں!
تم موت کی طرف آرزو اور اشتیاق کے ساتھ لپک رہے ہو!

میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں، بہادری کی موت، سب سے اچھی اور ستھری زندگی ہے۔
بزدلی کی زندگی بدترین موت ہے، جو کسی بدترین شخص پر طاری ہو سکتی ہے"

آہ ـــ!
بجھی عشق کی آگ اندھیرا ہے
مسلماں نہیں خاک ڈھیرا ہے

آج سے میرا اور تمہارا راستہ الگ ہے ـــ بالکل الگ ـــــــــ تم اب جا سکتے ہو۔ جاؤ اور گھروں میں جا کر دبک جاؤ۔ لیکن دیکھو گھروں کو ایسا مضبوط بنانا کہ چنگیز کے تیشے انہیں منہدم نہ کر سکیں کیونکہ وہ گھر میں بیٹھنے والوں کو بھی امان نہیں دیتا۔ وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا!

ایک درباری:۔ ہم دل سے سلطان کی عزت کرتے ہیں لیکن ہم اپنی حقیقت سے واقف ہیں ـــــ ہم تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہمیں اپنی قوت اور طاقت کا اندازہ ہے ـــــ

خوارزم شاہ:۔ ...... تمہیں اپنی قوت کا اندازہ ہے طاقت کا اندازہ ہے!
تاتاریوں کی قوت اور طاقت کا بھی تمہیں پورا پورا اندازہ ہے!
لیکن شاید خدا کی قوت و طاقت کا اندازہ تم بالکل نہیں رکھتے
مجھے ہے اور اسی کے بھروسے پر میں تاتاریوں سے جنگ جاری رکھوں گا

خوشی کے آنسو

لیکن جلال الدین کو خوارزم نے امان دینے سے انکار کر دیا، اس کی بادشاہت تسلیم نہیں کی، اسے مجبور کیا کہ وہ خوارزم سے ترک تعلق کر لے۔ نکل جائے کہیں اور جا چھپے۔

یہ بڑا دلدوز سانحہ تھا!

دشمن کی تلوار اور سنگین سے جو زخم آتا ہے اسمیں وہ ٹیک اور کسک نہیں ہوتی جو اپنوں کی دلخراش باتوں میں ہوتی ہے، جلال الدین کو تاتاریوں سے وہ صدمہ نہیں پہونچا جو خوارزم کے اپنے اور یگانوں سے پہونچ گیا!

آسمان دور تھا، زمین سخت تھی۔ رفاقت اور محبت کا راستہ مسدود تھا، دشمنی اور عداوت کے طوفان اٹھ رہے تھے ـــــ زمین سخت تھی آسمان دور تھا!

وہ اسی فکر اور پریشانی میں کھویا تھا، یکایک اس نے گردن اٹھائی دیکھا سامنے فالقہ کھڑی ہے، فالقہ کو دیکھ کر خلاف معمول وہ مسکرایا۔ اس نے کہا

فائقہ...... کوئی ایسا گیت سنا دو کہ میں اپنی پریشانیاں، درد و درماندگیاں فراموش کر دوں ــــ تیری آواز میں رس بھی ہے، اور درد بھی، سوز بھی اور ساز بھی، تو ہی میرے زخم کا مرہم بن سکتی ہے اس وقت:

یہ درد بھرے بول سنکر فائقہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے کہا:

"میرے آقا، میرے مالک آخر وہ کون سی فکر ہے جس نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے؟

جلال الدین نے پہلو بدلتے ہوئے کہا:

"وہ ایسی پریشانی ہے، جسے نہ تو سمجھ سکتی ہے نہ محسوس کر سکتی ہے ــــ تو میرے سر پر تاج شہریاری دیکھ رہی ہے، نہیں یہ تاج شہریاری نہیں، کانٹوں کا تاج ہے، اس تاج نے میرے سر کو ــــ صرف سر ہی کو نہیں، دل کو بھی بلکہ اور سچ کہو تو روح کو بھی چھلنی کر دیا ہے، میں اس تاج کا جویا نہیں تھا، لیکن حالات نے مجبور کر دیا کہ اسے پہنوں اور پہنے رہوں، جب تک والد مرحوم کی وصیت پر عمل نہ کر لوں تاتاریوں کا قلع قمع نہ کر لوں، اس وقت تک اسے نہیں اتار سکتا، نہیں اتار سکتا!

فائقہ بولی

"لیکن میرے مالک کسی میں ہمت ہے کہ وہ آپ سے یہ تاج چھین سکے؟

جلال الدین نے ایک آہ سرد بھر کر کہا

"میرے بھائیوں میں، عزیزوں میں، میرے دوستوں میں ــــ تاتاریوں میں نہیں، چنگیز میں نہیں۔

ذائقہ لاجواب ہو گئی

اس حقیقت کی تردید وہ کس طرح کرتی، کس دلیل سے کرتی؟

اتنے میں معین الدین آگیا، اسے دیکھ کر جلال الدین سنبھل بیٹھا

۔ کہو کوئی نئی خبر؟

معین الدین نے منہ بنا کر کہا۔

۔ حالات کی رفتار بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے ــــ آپ جس چیز سے اجتناب کر رہے تھے، وہ ــ میرا خیال ہے ــ ہو کر رہے گی!

جلال الدین نے پوچھا

۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ۔

معین الدین نے جواب دیا۔

۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خانہ جنگی سے اب گریز نہیں کیا جا سکتا!

جلال الدین: جب تک میں زندہ ہوں ہرگز خانہ جنگی نہیں ہونے پائے گی!

معین الدین:۔ ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی۔ آپ لاکھ چاہیں صرف آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے.... خانہ جنگی تو ہم پر مسلط کی جا رہی ہے

جلال الدین:۔ اگر یہ بات ہے تو میں خوارزم کی اقامت ترک کر دوں گا، چلا جاؤں گا یہاں سے!

معین الدین (حیرت سے) آپ خوارزم کی اقامت ترک کر دیں گے؟ چلے جائیں گے یہاں سے؟

جلال الدین ۔ ہاں ــــ اس لئے کہ میں خانہ جنگی نہیں چاہتا، اس لئے کہ میرا اپنا

کا خون بہانا نہیں چاہتا، اس لیے کہ میں اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں سے لڑنا نہیں چاہتا ـــــ میری تلوار کی کاٹ میرے ہی بھائی بندوں پر نہیں آزمائی جا سکتی، اس کیلئے تاتاریوں کی گردن روز ازل سے مقرر ہو چکا ہے!...... جلال الدین کی تلوار کسی مسلمان پر نہیں اٹھ سکتی!

معین الدین:- خواہ کوئی مسلمان جلال الدین پر تلوار چلا دے

جلال الدین:- اگر کوئی ایسا کرے گا ـــــ

معین الدین:- یہ تو ہو رہا ہے ـــــ

جلال الدین:- ہاں ہو رہا ہے اور اس کا جواب بھی ہے کہ میں راستے سے ہٹ جاؤں!

معین الدین:- پھر کیا کریں گے؟

جلال الدین:- کہیں اور قسمت آزمائی کروں گا

ملکِ خدا تنگ نیست

پائے مرا لنگ نیست

معین الدین:- ہم خادمانِ خاص اور جاں نثارانِ قدیم کو تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کیا ارادہ ہے؟

جلال الدین:- ارادہ تو میں نے بتا دیا۔

معین الدین:- کہاں کا قصد ہے؟

جلال الدین:- بار بار سوچنے کے بعد غزنی کے نام پر طبیعت جمتی ہے!

معین الدین: آپ کے ساتھ کون کون جائیگا؟

جلال الدین:- جس کا جی چاہے ـــــ باقی میرے خاصہ کی سپاہ جو تقریبًا

آٹھ نو سو نفوس پر مشتمل ہے میرا خیال ہے ضرور میرے ساتھ جائے گی۔

معین الدین: کوئی نہ جائے، وہ لوگ ضرور جائیں گے .... اپنے آقا اور سردار کے نام پر جان دیتے ہیں .... اور ان کی تعداد آٹھ نو سو نہیں خدا کے فضل سے پوری ایک ہزار ہے ...... کل ہی میں نے گنتی کی تھی

جلال الدین: خدا کا شکر ہے ...... بس مجھے انہی پر بھروسہ ہے یہ لوگ بہر حال جائیں گے!

معین الدین: میرے بارے میں کیا حکم ہے؟

جلال الدین: (سنجیدگی سے) ابھی وقت ہے فیصلہ کر لو،

معین الدین: میں تو فیصلہ کر چکا ہوں آپ کا حکم معلوم ہونا چاہیئے۔

جلال الدین: میں جانتا ہوں تم کو مجھ سے کتنا تعلق خاطر ہے اور تم بھی جانتے ہو گے میرے دل میں تمہاری کتنی جگہ ہے لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ میں کوئی حکم نہیں دوں گا بلکہ مشورہ بھی نہیں دوں گا۔

معین الدین: اس سے قبل تو آپ کا برتاؤ میرے ساتھ ایسا نہ تھا

جلال الدین: ہاں نہیں تھا لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ حالات کیا ہیں، گوشت اور ناخن میں جدائی ہو رہی ہے، پرانے رشتے کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ رہے ہیں عزیزداری اور قرابت اور خون کا تعلق ختم ہو رہا ہے پھر میں کیسے حکم دے سکتا ہوں؟ ...... نہیں تم اس کی توقع مجھ سے نہ رکھو۔

معین الدین: لیکن میں چلوں گا، میں ہم رکاب رہوں گا، میں زندگی کے آخری سانس تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

جلال الدین :۔ اپنی ذمہ داری پر تم ایسا کر سکتے ہو لیکن سوچ لو، یہ جان جوکھوں کا کام ہے

معین الدین :۔ میں جان ہتھیلی پر لے چکا

جلال الدین :۔ تو بسم اللہ ...... کل صبح ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے

معین الدین :۔ کل صبح ......؟ اس قدر جلد؟

جلال الدین :۔ ہاں کیوں؟ کچھ مہلت چاہئے؟

معین الدین :۔ اپنے لئے نہیں، لیکن ......

جلال الدین :۔ سپاہ کیلئے؟ میری خاص فوج کے لئے؟ ...... یہی نا؟

معین الدین :۔ یہی میرا مقصد بھی ہے! .... میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا

جلال الدین :۔ تم غلطی پر ہو .... ممکن ہے تمہیں تیار ہونے میں کچھ دیر لگے ......
لیکن میری سپاہ ہر وقت چوکس رہتی ہے، وہ ایک اشارہ پر کوچ کرنے کو تیار رہتی ہے ..... اگر تم چاہو تو تمہیں کچھ مہلت دے دوں

معین الدین :۔ (شرمندہ ہو کر) نہیں مجھے مہلت نہیں چاہیئے!

جلال الدین :۔ اسی وقت جا کر میرے سپاہ خاصہ کو بھی میرا حکم سنا دو!

معین الدین :۔ ابھی تعمیل ہو گی اس ارشاد کی

معین الدین جانے لگا۔ وہ دروازے تک پہنچ چکا تھا کہ جلال الدین نے پھر بلایا اور کہا۔

• ایک بات کا خیال رکھنا، ہمارے ساتھ صرف وہی مال و اسباب جائے گا جو صرف ہمارا ہے، یعنی ہمارا ذاتی!

معین الدین :۔ لیکن وہ کون چیز ہے جو میرے آقا کی نہیں؟

جلال الدین:۔ ہر وہ چیز جو اس محل کے اس حصہ سے باہر ہو جہاں ہم رہتے ہیں!
معین الدین:۔ آپ کا حق خزانہ شاہی پر بھی ہے اور محلات کے مال و اسباب پر بھی ہے ــــ؟
جلال الدین:۔ ہوگا ... لیکن فی الحال میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں!
معین الدین:۔ لیکن اگر اس طرح ہم گئے تو بہت کم چیزیں ہمارے ساتھ ہوں گی
جلال الدین:۔ کوئی مضائقہ نہیں .... چیزیں کم ہوں لیکن اپنی ہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ چیزیں زیادہ ہوں لیکن دوسروں کی ہوں! ......
اس معاملہ پر گفتگو ختم کردو۔ جاؤ وہ کرو جو ہم نے کہا ہے، جس کی ہم نے ہدایت کی ہے!
معین الدین:۔ لیکن میرے آقا، اس بے سرو سامانی کے عالم میں ہجرت کر کے، ترک وطن اور ترک علائق کر کے جب ہم غزنی پہونچیں گے تو کیا کریں گے؟
جلال الدین:۔ اس کی فکر تم سے زیادہ مجھے ہونی چاہیئے .... میں یہاں سے کوئی ایسی چیز نہیں لے جانا چاہتا جو والد مرحوم کی زندگی میں میری نذر ہو چکی ہو
معین الدین:۔ بڑا اچھا خیال ہے .... لیکن ہم غزنی کیوں جا رہے ہیں؟
کیا اس لئے نہیں کہ جنگ کی تیاری کریں۔ تاتاری یورش کی مقاومت کا انتظام کریں؟
جلال الدین:۔ ہاں صرف اسی لئے:
معین الدین:۔ پھر تو ضرورت ہے کہ ہم ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس ہو کر جائیں!
جلال الدین:۔ (مسکرا کر) نہیں ــــ اگر نیت نیک اور ارادہ خالص ہے تو ہم طرح

تو ہر حالت میں ہم کامیاب ہوں گے!

معین الدین نے کوئی جواب نہیں دیا، گردن جھکائی اور واپس جانے کے لئے مڑا!

جلال الدین نے اس سے کہا

- میرے دوست خدا پر بھروسہ رکھو، وہ ان لوگوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا، جو اس سے لو لگاتے ہیں!

معین الدین یہ الفاظ سنتا ہوا چلا گیا!

معین الدین کے جانے کے بعد فائقہ نے کہا۔

- کیا میں جاؤں؟ -

جلال الدین نے کہا

- ہاں تم جا سکتی ہو! -

وہ جاتے جاتے ٹھٹکی۔ اور اسحٰی نے صورت سوال بن کر پوچھا:

- میرے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟

جلال الدین کچھ سوچنے لگا، پھر اس نے پوچھا۔

- تمہارے بارے میں؟ ——

فائقہ بول پڑی،

میں بھی ہم رکاب چلوں گی!

جلال الدین نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا

- نہیں ——

لیکن جب فائقہ بڑی اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"ارے تم پھر رونے لگیں؟ .... اچھا تم بھی تیاری کرو!"

فائقہ خوش ہو گئی .... اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسو لبالب بھرے تھے لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے!

شب خون

جلال الدین اپنے ساتھ فائقہ کو نہیں لے جانا چاہتا تھا، لیکن اس کے آنسو دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا۔ وہ خوش خوش اپنے کمرے میں پہونچی اور سامان سفر تیار کرنے لگی آج اسے اپنے آنسوؤں پر ناز تھا... کتنے قیمتی تھے یہ آنسو!!

دوسرے روز حسب قرارداد جلال الدین خوارزم پر حسرت و یاس کی نگاہ ڈال کر اپنے محل سے نکلے اور تھوڑی سی سپاہ کے ساتھ روانہ ہو گیا..... رخ غزنی کی طرف تھا، اب وہ اپنی قسمت آزمائی کرنا چاہتا تھا!

خوارزم سے بڑی بے سروسامانی اور آشفتہ خاطری کے عالم میں نکلا۔ ایک ہزار فاقہ کے سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ وہ بار بار سوچتا تھا۔ یہ لاکھ سرفروش اور جاں نثار ہوں مگر تاتاری کے ٹڈی دل لشکر کا کیا مقابلہ کر سکیں گے!

یہ قافلہ مشکل سے تین چار منزل گیا ہوگا کہ ایک روز ایک ہراول دستہ افتاں وخیزاں خیمہ شاہی کی طرف بڑھتا نظر آیا، جلال الدین اس وقت جس مقام پر خیمہ زن تھا یہ بڑا پرفضا اور روح پرور مقام تھا۔ اس وقت وہ معین سے بیٹھا آئندہ کے پروگرام

کر رہا تھا ——— نئی نئی سکیمیں۔ نئے نئے نقشے نئے نئے خاکے۔

ہراول دستہ کو یوں پریشانی کے عالم میں آتا دیکھ کر جلال الدین چونک پڑا۔ اس نے معین الدین سے کہا۔

"ایں یہ کیا؟ ——— یہ ہمارا ہراول دستہ اتنی گھبراہٹ کے عالم میں کیوں آ رہا ہے؟ ——— ضرور کوئی بات ہے!

معین الدین نے سر اٹھایا۔ اور دیکھنے لگا۔ اتنے میں وہ دستہ قریب آ گیا۔ جلال الدین کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے تم لوگ اتنے سہمے ہوئے کیوں ہو؟"

ایک آدمی بولا۔

"حضور عالی جاہ، جہاں پناہ، والا مرتبت ———

جلال الدین:۔ بے وقوف ——— کہتے کیوں نہیں؟

وہی شخص گویا ہوا۔

چند کوس کے فاصلہ پر تاتاریوں کا ایک عظیم لشکر فروکش ہے۔

جلال الدین:۔ شاید وہ خوارزم پر حملے کے ارادہ سے آئے ہیں!

ہراول دستہ کے آدمی نے کہا

"جی جہاں پناہ یہی بات ہے ——— بہت بڑا لشکر ہے، حد نظر تک آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے ہیں، تلواروں پر صیقل ہو رہی ہے، ہر ہر آدمی جنگ میں لڑنے کے لئے بیقرار اور مضطرب ہے! ———

جلال الدین :۔ خاموش .... !

وہ آدمی خاموش ہو گیا پھر جلال الدین نے معین الدین سے کہا

۔ ہماری فوج کو کوچ کے لئے آمادہ کرو ۔ دن ختم ہو رہا ہے ہم چنگیز کی فوجوں پر شب خون ماریں گے۔

اس حوصلہ کو دیکھ کر معین الدین گھبرا گیا صرف ایک ہزار نفوس کے بل پر چنگیز کے خون آشام لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ ؛ یہ جلال الدین ہی کی ہمت تھی یہ کام وہی کر سکتا تھا !

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا

چنگیز خوارزم پر حملہ کرنے جا رہا ہے .... جانے دیجئے وہاں کی حکومت نپٹ لے گی !

جلال الدین نے بگڑ کر کہا

۔ نہیں ! ہمیں دشمنوں کے مقابلہ میں بہرحال خوارزم عزیز ہیں ، ہم ان کی کچھ اور مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ شب خون مار کر دشمن کو بتا دیں کہ ہم موم نہیں ہیں ۔ تم میری رائے سے اب بھی متفق نہیں ہو ئے ؟

معین الدین نے عرض کیا

۔ غلام تو حکم کا بندہ ہے ۔ ویسے بظاہر تو بہتر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم تاتاریوں سے کترا کر غزنی کی طرف بڑھے چلے جاتے ، وہاں پہونچ کر ہماری تیاریاں مکمل ہو جاتیں تو دشمن پر ٹوٹ پڑتے !

جلال الدین ہنس پڑا ،

دشمن پر لوٹ پڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے، خواہ تیاریاں مکمل ہوں یا نامکمل!

اب معین الدین کیا کہہ سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مفاجات!

شام ہوتے ہوتے خوارزم شاہ کا یہ چھوٹا سا قافلہ کیل کانٹے سے مسلح ہو کر تاریوں کے لشکر گراں کی طرف بڑھا!

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

خاصہ کی سپاہ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ اسے نہ تاوقت ہم کہاں جا رہے ہیں ہماری منزل مقصود کدھر ہے،

قافلہ چلتا رہا، چلتا رہا! ——!

یہاں تک کہ نصف شب گذر گئی ...... چنگیز کا لشکر وہ سامنے نظر آ رہا تھا طلایہ دار پہرہ دے رہے تھے۔ سپاہیوں کا بڑا حصہ خواب خرگوش میں مبتلا تھا جو سپاہی جاگ رہے تھے، وہ اپنے خیموں میں بیٹھے خوش گپیوں میں معروف تھے چنگیز کا خیمہ وسط لشکر میں تھا، اور گرد پہرے دار مستعدی اور چوکسی سے پہرہ دے رہے تھے اور وہ آرام کر رہا تھا تاکہ صبح صبح تازہ دم ہو کر خوارزم کی طرف بڑھے!

خوارزم شاہ کی سپاہ جب چنگیز کے لشکر کے قریب پہونچی تو اس نے چلتے چلتے اپنے سپاہیوں کو روک لیا اور کہا،

" دوستو! عزیزو! رفیقو!!

وہ سامنے تمہیں آدمیوں کا ایک جنگل نظر آ رہا ہے، وہی جہاں سے روشنی کے دیئے ٹمٹماتے ہوئے نظر آ رہے ہیں! جانتے ہو یہ کیا

ہے! میں بتا دوں، ـــــــــ یہ چنگیز کا لشکر ہے، وہ لشکر جس پر چنگیز کو ناز ہے جو مسلمانوں کی انفرادیت ختم کرنے کا تہیہ کر چکا ہے، جو خوارزم شاہی حکومت کا تختہ الٹنے کا ارمان دل میں لئے بیٹھا ہے جو چاہتا ہے۔ کوئی مسلمان حکومت پنپنے نہ پائے جس کی یہ تمنا بھی ہے کہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کر دے!

میں خوارزم سے کنارہ کش ہو چکا ہوں، میں ایک نئی دنیا بنانے کے لئے ایک نئی زندگی حاصل کرنے کے لئے۔ ایک نیا خواب دیکھنے کے لئے غزنی کی طرف کوچ کر رہا ہوں تاکہ وہاں جا کر اپنی بکھری ہوئی قوت مجتمع کر دوں، اپنے دوستوں اور ساتھیوں کا جائزہ لوں اپنی قوت بڑھاؤں!

لیکن میں قوت کیوں بڑھانا چاہتا ہوں؟

اس لئے نہیں کہ ملک گیری کی ہوس رکھتا ہوں، صرف اسلئے کہ چنگیز کی قوت کو، اس کے غرور کو اس کے دبدبہ کو اس کی دہشت کو اس کے طنطنہ کو شکست دوں!

لیکن یہ تمنا نہ جانے کب تک پوری ہو ـــــــ!

اس میں دن لگیں گے،

وقت صرف ہوگا،

ماہ و سال گذر جائیں گے،

ممکن ہے زندگی بیت جائے ،

لہٰذا میں انتظار نہیں کر سکتا صبر نہیں کر سکتا ————

آج بھی چنگیز میرے سامنے ہے ، اس کا لشکر میرے سامنے ہے ، میں اسے شکست نہیں دے سکتا ، یہ جانتا ہوں اس وقت میں اس کا قلع قمع نہیں کر سکتا ، یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں .... لیکن سر نہیں کر سکتا ، مگر زخم ضرور لگا سکتا ہوں !

میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم کرٹی کمان کے تیر کی طرح چنگیز کے لشکر پر گریں اور جو سامنے آئے اسے چھیدتے ہوئے اس سرے سے اُس سرے تک نکل جائیں گے ، جب تک چنگیز کا لشکر سنبھلے سنبھلے ہم بہت دور جا چکے ہوں گے ..... اس کی وسعت رس سے بہت دور،

یہ میرا حوصلہ ہے !

کیا تم میرا ساتھ دو گے ؟

یہ جان جوکھوں کا معاملہ ہے .... ممکن ہے ہم سب حوصلہ دکھانے میں کام آجائیں ، ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے

پھر بھی میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اپنے فیصلہ پر قائم ہوں

بتاؤ !

کیا تم میرا ساتھ دو گے ؟

پوری صفائی کے ساتھ اپنے عندیہ کا اظہار کر دو

یہاں سے راستہ کٹ سکتا ہے تم خوارزم یا غزنی کی طرف آسانی

سے جا سکتے ہو!

یہ سنتے ہی خوارزم شاہ کے سپاہیوں نے بڑے جوش
اور ولولہ کے ساتھ نعرہ لگایا۔
خوارزم شاہ زندہ باد!
ہم دشمن پر ضرور حملہ کریں گے۔!
جلال الدین نے کہا
۔ شاباش، میرے بہادرو..... مجھے تم سے یہی امید تھی!
بس اب نعرے نہ لگاؤ، جوش نہ دکھاؤ۔ اپنے عمل سے اپنے جوش کو
ثابت کرو! دیکھو میں بڑھ رہا ہوں
آؤ میرے پیچھے پیچھے!

یہ کہہ کر خوارزم شاہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا چنگیز کے
لشکر پر شہاب ثاقب کی طرح گرا۔
چنگیز خود بھی چوکنا رہتا تھا، اور اس کے سپاہی بھی غفلت کو اپنے پاس نہیں
آنے دیتے تھے۔ لیکن آج عین غفلت کے عالم میں جلال الدین خوارزم شاہ اپنے
دلاور رفیقوں کیساتھ اسطرح ٹوٹ کر گرا، کہ واقعی لوگ نہ سمجھ سکے یہ کیا ہو رہا ہے۔
جلال الدین اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ چنگیز کے لشکر پر گرا اور جس
طرح شیر پانی کے دھارے کو کاٹتا ہوا ناک کی سیدھ بڑھتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے، اسی

طرح جلال الدین بھی ناک کی سیدھ پر چنگیز کے لشکریوں کے خیموں میں قیامت برپا کرتا سپاہیوں کو کاٹتا اور سامنے آنے والوں کی گردن قطع کرتا ہوا ایک سیل رواں کی طرح بڑھتا رہا یہاں تک کہ جس سرے سے چلا تھا اسے کاٹ کر دوسرے سرے پر پہونچ گیا اور یہاں سے برق خاطف کی طرح اپنی چمک دکھا کر غزنی کے راستے پر ہولیا!

چنگیز کے لشکر میں اس سانحے سے قیامت برپا ہو گئی۔ بہت سے لوگ زخمی ہو گئے بہت سے ہلاک ہو گئے، اندھیرے میں کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ یہ کیا ہو رہا ہے، کون حملہ آور ہے، دشمن کون ہے اور کدھر ہے، یہاں تک کہ جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز کے لشکر سے بہت دور نکل گیا، مگر چنگیز کے سپاہی خود آپس میں لڑنے لگے۔ اندھیرے میں جو سامنے آیا اسے دشمن سمجھ کر دار کو بیٹھے، یہ نہ سمجھے کہ اپنا ہی آدمی ہے۔ اتنی دیر میں چنگیز خاں جاگ گیا۔ تمن خاں بھی بیدار ہو گیا، لشکر کے دوسرے امرا اور سردار بھی خیمہ سے باہر نکل آئے فوراً روشنی کا حکم دیا گیا، تھوڑی دیر میں مشعلیں روشن ہو گئیں، اندھیرا غائب ہو گیا اور روشنی پھیل گئی

اب معلوم ہوا دشمن جا چکا ہے اور تاتاری خود آپس میں لڑ رہے ہیں، فوراً لڑائی بند کی گئی، زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی، جو ہلاک ہو گئے تھے، انہیں ٹھکانے لگایا گیا اور امن قائم ہو گیا،

"یہ کیا ہوا؟ —— یہ کون تھا؟"

تمن خاں نے لرزتے ہوئے کہا

"غلام بہت جلد تحقیق احوال کر کے عالم پناہ کو مطلع کریگا۔"

چنگیز:۔ کیا چنگیز کی اس سے بڑی توہین ہو سکتی ہے؟

متن خاں گردن جھکائے مجرم کی طرح کھڑا رہا کچھ جواب نہ دے سکا

چنگیز خاں: ہمیں جلد از جلد معلوم ہونا چاہیئے یہ جرأت کس کی تھی؟ ....
یہ معلوم کرلیں تب ہی ہم قدم آگے قدم بڑھا سکتے ہیں۔

متن خاں: غلام کو صرف چند گھنٹوں کی مہلت ہو، پھر سارا سراغ لگ جائیگا!

چنگیز خاں: مہلت دی جاتی ہے ـــــ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے
ہمیں حقیقت حال معلوم ہو جانی ہے!

متن خاں: آقائے نامدار، آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے یہ کام انجام دے
ڈالے گا۔

متن خاں اس عجیب و غریب دشمن کا سراغ لگانے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ روانہ ہو گیا، اور چنگیز خاں افسردگی حیرت اور اضمحلال کے عالم میں اپنے خیمہ کے اندر بیٹھ گیا۔ اس کی زندگی میں کبھی اس طرح کا واقعہ نہیں پیش آیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون دشمن ہے جو میرے گھر آیا اور میرے منہ پر طمانچہ مار کر نکل گیا گا لیکن وہ جہاں بھی ہوگا، میں بجلی بن کر پہنچوں گا اور اس کے نخل حیات کو جلا کر راکھ کر دونگا!

راکھ کا ڈھیر

چنگیز کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا
اس کا جوڑ جوڑ کانپ رہا تھا۔ جب سے وہ پیدا ہوا تھا آج تک اتنا بڑا دھوکا اسے
نہیں لگا تھا جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ اب تک کسی نے اتنا بھرپور وار نہیں کیا تھا
اس پر، جب سے وہ برسر اقتدار آیا تھا آج تک کسی بڑے سے بڑے تاجدار اور شہریار
نے بھی یہ جرأت نہیں کی تھی کہ اس طرح اس کے منہ میں کالک لگا کر چلا جاتا۔ یہ اس کی
سب سے بڑی توہین تھی۔ یہ ایسا داغ تھا جو کسی حالت میں اور کبھی فراموش نہیں ہو سکتا تھا
وہ مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا اور ٹہل رہا تھا۔ سامنے ممن خاں کھڑا
تھر تھر کانپ رہا تھا!

چنگیز خاں نے ہاتھی کی طرح دھاڑتے اور شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہا

۔ تو یہ حرکت جلال الدین خوارزم شاہ کی تھی؟

ممن خاں نے کانپ کر عرض کیا،

عالیجاہ اسی کی ــــ اس نے بڑی ناروا جسارت کا مظاہرہ کیا ہے

اور اس کو سزا ضرور ملنی چاہیئے!

چنگیز خاں:۔ ہاں ملے گی ...... صرف اسی کو نہیں اس کی قوم کو بھی، اس کے وطن کو بھی، اس کے شہر کو بھی .... ایسی عبرت انگیز سزا ملے گی کہ یہ لوگ پشتوں تک یاد کریں گے، چنگیز کا انتقام کیا ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے!

ممن خاں:۔ بے شک یاد کریں گے اور سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں گے، ان کی حالت عبرت انگیز ہوگی!

چنگیز خاں:۔ میں انہیں بتاؤں گا، انتقام کس طرح لیا جاتا ہے۔

ممن خاں:۔ عالیجاہ اس کام میں دیر نہ ہونی چاہیئے۔ خوارزم شاہ غزنی کی طرف گیا ہے .... کیا ہم اسی طرف کوچ کریں گے؟

چنگیز خاں:۔ (گرج کر) نہیں ،،،

ممن خاں پھر کانپ گیا، کچھ نہ کہہ سکا!

چنگیز خاں نے پھر بڑے زور سے کہا۔

ہم خوارزم کی طرف کوچ کریں گے! ــــ خوارزم کی طرف!

ممن خاں:۔ بہت خوب ــــ ہم خوارزم کی طرف کوچ کریں گے۔ خوارزم کی طرف!

چنگیز خاں:۔ لیکن کب ــــ؟

لہ یہی خوارزم آج کل خیوا کہلاتا ہے اور روس کے زیر نگیں ہے۔

تمن خاں: حسب حکم عالی ہو!

چنگیز: آج — ابھی — اسی وقت!

تمن خاں: میرے آقا ہم اسی وقت چلیں گے!

چنگیز خاں: بس تو میں تیار ہو کر باہر نکلتا ہوں — تم جاؤ!

تمن خاں باہر چلا گیا۔ چنگیز نے اسلحہ جنگ زیب جسم کیے اور تھوڑی دیر میں ہی تیار ہو کر باہر آ گیا۔ گھوڑا جو ساز و سامان سے آراستہ تھا خیمہ کے دروازے پر کھڑا اپنے سوار کا کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اچک کر اس پر بیٹھا۔ اتنی دیر میں ایک گھوڑے پر سوار تمن خاں بھی آ گیا۔ تمن خاں کیا تھا اور بھی بہت سے سردار ان لشکر تھے۔ چنگیز کسی سے مخاطب نہیں ہوا۔ سب پر ایک نظر ڈالی۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خوارزم کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے روانہ ہوتے دیکھ کر دوسرے امرائے فوج نے، اور ان کی پیروی میں تمام سواروں نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے اور یہ لشکر بڑے جاہ و جلال اور تزک و احتشام کے ساتھ خوارزم کی طرف ایک سیل بلا کی صورت میں روانہ ہو گیا!

خوارزم پر جلال الدین کا بھائی قطب الدین حکمرانی کر رہا تھا۔ درحقیقت اسی کے طرز عمل کے باعث جلال الدین کو خوارزم سے رخصت سفر باندھنا پڑا تھا۔ وہ ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ اپنے بھائی سے لڑے، اپنے بھائی کا خون بہائے، اپنے ہم قوموں سے معرکہ آرا ہو۔ قطب الدین اول تو بڑا بے تدبیر حکمران تھا، اس میں نہ حوصلہ تھا نہ امنگ، نہ جوش نہ ولولہ، نہ ہمت نہ تدبیر، نہ فراست نہ دانش، نہ بصیرت نہ تدبر۔ اسے صرف ایک ہی بات کی فکر تھی کہ کسی طرح عنان حکومت ہاتھ میں آ جائے!

اسے نہ چنگیز کا خطرہ تھا، نہ تاتاریوں سے دہشت۔ وہ کہا کرتا تھا،
جو لوگ اپنے سے زیادہ طاقتور لوگوں سے لڑتے ہیں، وہ احمق ہوتے ہیں۔ جلال الدین
احمق ہے جو تاتاریوں سے لڑنے کے خواب دیکھتا ہے۔ مجھ سے اول تو چنگیز خاں سے
لڑائی ہونے ہی کی نہیں کیونکہ تاتاری دونوں ہاتھوں سے نکلی ہے۔ جب میں لڑنا نہیں چاہوں گا
تو چنگیز کیوں لڑنے لگا۔ اور اگر پھر بھی وہ لڑنے پر آمادہ ہوا تو میں اس کی ہر سال
کچھ تحفے بھیج دوں گا۔ فوراً سارا جھگڑا ختم ہو جائے!

اور جب چنگیز کا لشکر خوارزم کی شہر پناہ کے پاس پہونچ گیا قطب الدین
ازلاق کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ذرا بھی ہراساں یا پریشان نہیں ہوا۔ اس نے
اپنے وزیر بختیار کو بلایا اور اس سے کہا۔

"جاؤ، ہماری طرف سے چنگیز سے ملو۔ اسے اطمینان دلاؤ کہ ہم ہرگز اس سے
لڑنا نہیں چاہتے۔ ہم اس سے دوستی کے طالب ہیں۔ ہم اس کی مہمان داری کریں گے
اس کی خاطر داشت کریں گے۔ اس کی خدمت میں گیسے زر پیش کریں گے اس کی جناب
میں تحائف نادرہ پیش کریں گے۔ اور یہ سب ہر سال کرتے رہیں گے وہ خوب
کھائے تحائف لے، اور چلا جائے!

بختیار بھی

وزیرے چنیں شہریارے چناں

کا مصداق تھا۔ وہ فوراً راضی ہو گیا اور ایک گھوڑے پر سفید جھنڈا اس کا لہراتا
ہوا چنگیز کے لشکر میں پہونچا وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تمن خاں نے اسے فوراً چنگیز
کے خیمہ میں پہونچایا۔ جو جو باتیں اس نے قطب الدین ازلاق سے کہی تھیں، وہ

سب سے بڑی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ اس کے سامنے دہرائیں، وہ غور اور توجہ سے بختیار کی باتیں سنتا رہا اور عین اس وقت جب بختیار توقع کر رہا تھا کہ اب وہ خلعت فاخرہ سے نوازا جائے گا، وہ اپنے بادشاہ کی خدمت میں امن و صلح کی خوشخبری لے کر روانہ ہوگا۔ چنگیز نے بلند آواز سے کہا،

"ہم قطب الدین کا سر چاہتے ہیں .... اگر تم غور زندہ رہنا چاہتے ہو تو جاؤ اس کا سر کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کرو!

یہ سنتے ہی بختیار کے ہوش و حواس جاتے رہے ... اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"میں اپنے بادشاہ تک آپ کا پیام پہونچا دوں گا!

چنگیز خاں اٹھ کھڑا ہوا،

"جاؤ ـــــ !

بختیار لرزاں و ترساں واپس آیا، قطب الدین اس کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اسے دیکھتے ہی لپکا اور پوچھا،

"کہو کیا خبر لائے؟

بختیار نے کہا

"وہ آپ کا سر چاہتا ہے .... اس سے کم پر صلح نہیں ہو سکتی!"

اور پھر اس نے ساری روداد اول تا آخر سنا دی۔

برخلاف توقع باتیں سنکر قطب الدین گھبرا گیا، اس نے کہا

"پھر جاؤ ـــ اور کہو قطب الدین آپ کا خادم ہے، وہ آپ کے حق میں

بادشاہت سے دستبردار ہوتا ہے۔ تشریف لایئے اور شہر پر قبضہ کر لیجئے صرف اس کی جان بخشی کر دیجئے۔ وہ کہیں بھی نکل جائے گا...... جاؤ بختیار ہر قیمت پر اس سے امان طلب کرو تم خود کہہ چکے ہو۔ اس کا لشکر حد شمار سے خارج ہے —— ہم اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکیں گے؟"

بختیار پھر ایلچی بن کر پہونچا۔ اور اس نے چنگیز کے حضور میں پہونچنے کے بعد پھر ساری رام کہانی کہہ سنائی۔ آخر میں اپنی اور قطب الدین کی طرف سے کہا

"اہل شہر آپ کا استقبال کرنے کو بے تاب ہو رہے ہیں۔ آپ کب تشریف لائیں گے کہ وہ اپنی حسرت دید پوری کریں؟"

چنگیز خلاف عادت مسکرایا۔

"تم چلو، ہم آتے ہیں۔"

بختیار خوشی خوشی ازلاق کے پاس واپس آیا اور کہا

"بڑی مشکل سے چنگیز نے یہ بات مانی ہے ...... شکر ہے آپ کی جان بچ گئی اب وہ اپنے لشکر سمیت شہر میں آ رہا ہے اس کے استقبال کا انتظام کیجئے۔"

قطب الدین ازلاق یہ مژدۂ جانفزا سنکر خوش ہو گیا۔ فوراً چنگیز کے استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں، تھوڑی دیر میں ہر طرف سے آہ و بکا اور فریاد الغیاث کے نعرے بلند ہونے لگے۔ ازلاق گھبرا گیا۔ اس نے بختیار سے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ ——؟"

بختیار باہر آ گیا اور تھوڑی دیر میں آ کر خبر دی کہ چنگیز " گیا۔

یہ سنکر ازلاق کے حواس جاتے رہے۔ وہ شہر والوں " تم و" ہم کھولئے لیا۔

پیشوائی کے لئے محل کے دروازے تک اپنے خدم و حشم کے ساتھ پہنچا، چنگیز نے میان سے تلوار نکال کر ایک ہی وار میں ازلاق کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھ جو اس کے مصاحب اور امرا تھے، انہیں بھی تہ تیغ کیا۔ پھر سارے شہر میں پوری سفاکی کے ساتھ اس کے سپاہیوں نے کاٹ مار شروع کر دی، خوارزم بڑا وسیع شہر تھا آبادی بہت گنجان تھی، ہر محلہ ایک مستقل بستی کا حکم رکھتا تھا۔ خوارزم کے باشندوں نے یہ دست درازی دیکھ کر مقابلہ کرنا چاہا، تاتاری جلے ہوئے تو تھے ہی سارے شہر میں آگ لگا دی۔ بہت سے محلے جل کر راکھ کے ڈھیر بن گئے، تاتاریوں نے ایک ایک محلہ پر دھاوا بولا۔ سارے شہر پر قبضہ کر لیا، آبادی کو فصیل سے باہر لے جا کر ایک وسیع اور کشادہ میدان میں جمع کیا ایک لاکھ اہل خوارزم کو تاتار بھیجنے کے لئے چھانٹ کر باقی آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا۔ شہر کی ایک ایک چیز لوٹ لی۔ؔ

ؔ یہ ساری تفصیل تاریخی ہے۔

مشہور مؤرخ ابن اثیر نے تباہی کی ایک دوسری داستان لکھی ہے "تاتاریوں نے شہر فتح کرنے کے بعد بند کو جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا کھول دیا اور ساری آبادی مع شہر کے غرق آب ہو گیا!"

فائقہ کا مشورہ

غزنی پہونچنے کے بعد سب سے اہم اور پیچیدہ سوال جلال الدین خوارزم شاہ
کے سامنے یہ تھا کہ کیا کرے؟ .... یہاں پہونچنے کو تو پہونچ گیا تھا
لیکن وسائل کامیابی اسے مسدود تر نظر آتے تھے، یہاں کے عوام نے اس کا استقبال
کیا، ایسے جوش و خروش کے ساتھ دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے، لیکن عوام کے
پاس دیدہ و دل کے سوا اور ہوتا بھی کیا ہے؟ خواص بھی اس کی شخصیت کی جلالت سے
واقف تھے، آنے والے خطرات کا بھی کسی حد تک اندازہ تھا، اس لئے پذیرائی کا جہاں
تک تعلق ہے وہ بھی عوام سے پیچھے نہیں رہے، لیکن اس کے آگے؟ —؟
اب کیا کیا جائے؟

بادشاہت تو موروثی تھی، وہ جہاں بھی جائے، جس حال میں بھی پہونچے
بہرحال وہ بادشاہ تھا!

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است!

لیکن خالی صدارت سے تو کام نہیں چلتا، اس کے ساتھ جو ایک ہزار سوار خاصہ کے تھے

چنگیز کے لشکر پر شب خون کے سلسلے میں ان کی تعداد ـــــ بہت مختصر سہی ـــــ لیکن کم ہو گئی تھی، اور یہ بھی ہوتی تو کیا یہ ایک ہزار مردان خدا ہمیشہ چنگیز کے لشکر کا مقابلہ کر سکتے تھے؟

ناممکن! ـــــ!

ضرورت تھی کہ یہاں حالات ایسے پیدا کئے جائیں کہ اگر چنگیز ادھر کا رخ کرے تو منہ کی کھائے، لیکن کیونکر؟ ـــ کیسے؟ ـــ کس طرح؟

جلال الدین اسی فکر میں حیران و پریشان، مغموم و دل گرفتہ بیٹھا تھا، کچھ درباری بھی موجود تھے۔ معین الدین بھی حاضرین میں شامل تھا!

جلال الدین نے کہا

- ہم یہاں آ گئے ـ لیکن اب؟

ایک درباری نے عرض کیا

- جہاں پناہ یہاں پہونچ گئے، عوام نے خیر مقدم کیا، خواص نے ترانے گائے نئی حکومت قائم ہو گئی ـــــ

جلال الدین خوارزم شاہ:- لیکن میں نئی حکومت قائم کرنے نہیں آیا ہوں، میں اس لئے آیا ہوں کہ وہ وسائل مہیا کر دوں کہ چنگیز کا منہ توڑ سکوں اسکا سر پر غرور جھکا سکوں! ـــــ یہ میرا مقصد نئی حکومت قائم کرنا نہیں۔

وہی درباری بولا،

- چنگیز ادھر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا!

جلال الدین بپھر گیا
کیوں نہیں آسکتا؟ ..... کیا اس کے پاؤں میں مہندی لگی ہے!
معین الدین نے کہا
اسے کیا معلوم ہم کہاں ہیں؟
جلال الدین:۔ اس کا نظام جاسوسی بہت مکمل ہے، ضرور معلوم ہو چکا ہوگا، منصب خزن کس نے مارا تھا اور وہ کہاں گیا
معین الدین:۔ پھر بھی اسے آتے آتے یہاں دیر لگے گی
خوارزم شاہ:۔ کیوں لگے گی؟ ...... اسے تیاری تو کرنی نہیں ہے، اس کا لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو، وہ اس کا انتظار بھی نہیں کرے گا کہ ہم لنگر لنگوٹ کس کر تیار ہو لیں تب وہ آئے ...... وہ تو ہماری کمزوری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے ہم پلک جھپکائیں اور وہ وار کر گذرے، ایسے دشمن کے بارے میں تم کہتے ہو یہاں آنے میں اسے دیر لگے گی..... حسن ظن کی انتہا ہے!
معین الدین:۔ تو پھر ہمیں جنگی تیاریاں شروع کر دینی چاہیئے؟
خوارزم شاہ:۔ ضرور ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر لیکن وہ تیاریاں کیا ہیں جنہیں ہم انجام دیں گے؟ .... روپیہ ہمارے پاس نہیں، سامان جنگ سے ہم محروم سپاہیوں کی تعداد ہمارے پاس قدرے قلیل!
اب ہم ان چیزوں کو کس طرح بڑھائیں؟
ایک اور درباری بول اٹھا،

رعایا پر ٹیکس لگا کر !"

خوارزم نے جھڑک دیا،

"رعایا ویسے ہی پریشان ہے، اس وقت ٹیکس لگانے کے معنی یہ ہیں کہ اسے لوٹا جائے، اور میں اس کے لئے تیار نہیں کہ لوگ مجھے لیٹرا کہیں!

معین الدین:- تو جہاں پناہ پھر ہم اس بے سرو سامانی اور عزبت کے عالم میں کیا کر سکتے ہیں؟

خوارزم شاہ:- یہی میں بھی سوچ رہا ہوں...... آج ایک بات فائقہ نے ایسی کہی جو ہمیں بہت پسند آئی۔ ہم چاہتے ہیں اسی پر عمل کریں۔

معین الدین:- وہ کون سی بات جہاں پناہ؟

خوارزم شاہ:- ہمیں ملول و افسردہ دیکھ کر اس نے سبب دریافت کیا نہ جانے کیا بات تھی کہ ہم نے اپنی ساری پریشانیاں اس سے کہہ دیں۔ آدمی جب زیادہ پریشان ہو جاتا ہے تو وہ ہر شخص کو شریک مشورہ بنا لیتا ہے ——

معین الدین:- کیا ارشاد ہوا جہاں پناہ!

خوارزم شاہ:- اس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم خلیفہ المسلمین کی خدمت میں سفارت بھیجیں ....

معین الدین:- لیکن اس سے حاصل ——؟

خوارزم شاہ:- اور خلیفۃ المسلمین سے استدعا کریں کہ وہ چنگیز کے خطرہ کو محسوس کریں اس کی اہمیت اور وقتیت کو نظر انداز نہ کریں۔ چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں کو ختم کر کے وہ ضرور بغداد کی طرف رخ کرے گا!

معین الدین :۔ بجا ارشاد ہوا۔

خوارزم شاہ :۔ وہ کہتے تھی اگر خلیفۃ المسلمین اسے محسوس کر لیں ہماری سرپرستی کریں۔ ہماری مدد کریں تو اس سے ہمیں بڑی مدد ملے گی۔ بڑا سہارا ملے گا ——

کیا غلط کہا اس نے؟

معین الدین :۔ بہت صحیح کہا جہاں پناہ ...... واقعی بڑی اچھی اور قابلِ غور تجویز ہے۔

خوارزم شاہ :۔ غور تو ہم نے کر لیا ——!

معین الدین :۔ تو ارشاد ہو تاکہ اس کی تعمیل کی جائے!

خوارزم شاہ :۔ ہم وہاں جلد از جلد اپنی سفارت بھیجنا چاہتے ہیں —— کیا تم جانے کے لئے تیار ہو؟

معین الدین :۔ غلاموں سے مشورہ نہیں کیا جاتا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

خوارزم شاہ :۔ ہمیں تمہاری وفاداری پر ناز ہے۔ تمہارے اخلاص کی قدر ہے۔ تمہاری جاں نثاری پر بھروسہ ہے!

معین الدین :۔ بندہ پروری ہے آقائے عالم پناہ کی!

خوارزم شاہ :۔ تو پھر کب رخصتِ سفر باندھنے کا ارادہ ہے؟

معین الدین :۔ جب ارشاد ہو —— اگر منا سب نہ ہو تو کل سہی

خوارزم شاہ :۔ ہاں ہم یہی چاہتے ہیں!

یہ کہہ کر خوارزم شاہ نے مجلس برخاست کر دی پھر وہاں خیمہ میں پہونچا جو

اس کے آرام کرنے کا کام دیتا تھا، یہاں فائقہ موجود تھی، اپنے آقا کو آتا دیکھ کر وہ سروقد کھڑی ہو گئی خوارزم نے اسے التفات کی نظروں سے دیکھا اور کہا

"فائقہ ہم نے تمہارے مشورہ پر غور کیا اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے!

فائقہ پھول کی طرح کھل گئی اس نے اپنی مسرت کو چھپاتے ہوئے عرض کیا

"وہ کون سا مشورہ تھا عالم پناہ کنیز کو تو یاد بھی نہیں!

جلال الدین :- ذہانت کے ساتھ بدحواسی ... عجیب بات ہے!

کیا تم نے ہمیں صلاح نہیں دی تھی کہ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں ہم اپنی سفارت بھیجیں،

فائقہ :- یاد آ گیا، عالم پناہ کنیز نے یہ عرض کیا تھا!

جلال الدین :- کل صبح ہماری سفارت بغداد جا رہی ہے!

فائقہ :- کاش اس سفارت میں کنیز بھی جا سکتی ——— میں خلیفۃ المسلمین کو بتاتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اور کیا کرنا چاہیئے!

جلال الدین :- (مسکرا کر) نہیں تمہیں جانے کی ضرورت نہیں، تم یہیں رہ کر ہمیں اچھے اچھے مشورے دے سکتی ہو!

شب غم

اے شب غم تری سحر بھی ہے ؟

(۱)

بغداد پر ناصر الدین اللہ کا پرچم شان و شکوہ کے ساتھ لہرا رہا تھا اگرچہ ہارون الرشید اور مامون الرشید اور معتصم کا یہ جانشین اس ہیبت اور جلال کو کھو چکا تھا جس نے قیصر روم کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ اگرچہ وہ دبدبہ اور طنطنہ رخصت ہو گیا تھا جس نے سارے مشرق پر خلافت عباسیہ کی دھاک بٹھا رکھی تھی، اگرچہ وہ دم خم ختم ہو چکا تھا جس کا تصور بھی دشمنوں پر ہیبت اور لرزہ طاری کر دیتا تھا پھر بھی خلافت عباسیہ کی سطوت اور جلالت کام کر رہی تھی، ابھی تک خانہ جنگیوں، سازشوں اور شرارتوں کے باوجود بھرم قائم تھا۔ ترکی غلاموں کی سرکشی، بعض طاقتوں کی اسلامی حکومت کی مداخلت، اور سربراہی نیز اقتدار و ثروت کے باوجود خلیفہ کی ذات اب تک مرجع نام تھی اور خلافت کا وجود، خلیفہ کی ذات اب تک دوستوں کیلئے باعث تسکین اور دشمنوں کیلئے موجب ملال تھی۔ درحقیقت اندر سے کھوکھلا ہو تا جا رہا ہے۔ اسکا اندازہ نہ ہو

کو تھا لیکن بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔ آثار اور شواہد کے باوجود اسے ماننے کے لیے بڑے سے بڑے طاقت ور حریف بھی تیار نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ ہر طرح کی کمزوری اور نااہلیوں کے باوجود نہ خلافت کی ساکھ میں فرق آیا تھا نہ خلیفہ کے اعزاز میں کمی ہوئی تھی۔

بدقسمتی کی ایک اور بات یہ تھی کہ عباسی خاندان میں اب کوئی ایسا مرد کار بھی نہیں نظر آتا تھا جو اپنی ہمت اور صلاحیت سے کام لیکر فتنوں کو کچلتا۔ حالات پر قابو پاتا اور ملت کے ڈگمگاتے ہوئے سفینہ کو ساحل مقصود کی طرف رواں دواں لے جا سکتا۔ امیر المومنین کی حرم سرا رنگ رلیوں، عیش پرستیوں کا مرکز تھی اور دربار سازشوں اور جوڑ توڑ کے لیے وقف تھا۔ حرم سرا میں ناؤ نوش اور چنگ و رباب اور رقص و سرود کی محفلیں برپا ہوتی تھیں اور دنیائے عالم کی حسین و جمیل طرحدار سیم تن کنیزوں کا جھرمٹ تھا۔ دن عید تھا اور رات شب برات نہ اس سے غرض تھی کہ حکام و عمال اور عوام کے درمیان کیسی خلیج روز بروز ابھرتی جاتی ہے نہ ہارون الرشید کی سی وہ اولوالعزمی اور ترس شناسی تھی کہ رات کی تاریکی میں خلیفہ بھیس بدل کر باہر نکلے اور قوم کے ظاہر و باطن کا مطالعہ کرے نہ یہ جوش تھا کہ حدود مملکت میں توسیع ہو، کلمۃ اللہ کی سربلندیوں کے لئے کام کیا جائے۔ دشمنوں کا اس طنطنہ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے کہ ان کا پتہ پانی ہو جائے نہ وہ تدبر تھا کہ بگڑے ہوئے حالات باتوں باتوں میں سدھار لئے جائیں۔ خلوت کی محفلیں مینڈ کے دور اور کنیزان با تمکین کے جھرمٹ نے اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ عیش کے سوا کسی اور چیز پر غور کیا جائے

اور بادشاہی ـــــــ ؟

دربار کا حال سب سے ابتر تھا!

یوں تو بڑے بڑے امرا تھے، حکام عالی مقام تھے، وزرائے عالی مرتبت تھے، دولت کی فراوانی تھی، اقتدار کا دبدبہ تھا۔ سب کچھ تھا لیکن دربار میں اب تو اندرونی معاملات و مسائل پر اس سنجیدگی اور ہم آہنگی سے غور نہیں ہوتا تھا جس سنجیدگی اور ہم آہنگی سے نشاط و طرب کے پروگرام بنتے تھے۔

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششیں ہوتی تھیں! ——

باہمی جوڑ توڑ، سازش اور سرگرمی کار کی ساری قوت صرف اس بات پر صرف ہوتی تھی کہ اسے کس طرح امیر المومنین کی نظروں سے گرایا جائے اسے کیونکر امیر المومنین کا مقرب خاص بنا دیا جائے،

شاعر اور ساز نوازوں کا بھی ایک گروہ موجود تھا!

اس گروہ کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلیفہ اور شاہزادوں کو جہاں تک ہو سکے امور مملکت سے بے خبر اور امور عشرت میں منہمک رکھا جائے! ——

کیونکہ بغیر اس کے نہ جاگیریں مل سکتی تھیں نہ سیم و زر سے بھری ہوئی تھیلیاں بخشی جا سکتی تھیں۔ پھر خوش اندام اور زہرہ جمال لونڈیاں عیش و عشرت کیلئے تحفے کے طور پر حاصل کی جا سکتی تھیں .... جو خلیفہ جتنا زیادہ امور مملکت سے غافل اور امور طرب سے شاغل رہتا تھا، یہ دل سے اس کی درازی عمر و اقبال کی دعائیں مانگتے تھے۔ اپنی ساری فن کاری، اس کی شان میں جھوٹے لیکن پر زور قصیدے لکھنے میں صرف کر دیتے تھے، دربار کے حکام و امرا اور امرا و درباری بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے انہیں شہ دیتے تھے اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ دھرتے تھے، بلکہ اگر موقع ہو تو اپنی

جیب خاص سے بھی سرپرستی اور مدد کے طور پر زر سرخ کی ہینٹ چڑھا دیتے تھے۔

ناصر الدین اللہ میں جتنی ذاتی صلاحیتیں اور اہلیتیں تھیں وہ ان صحبتوں نے غارت کر کے رکھ دی تھیں وہ اپنے اقتدار اور اپنے آرام کے سوا کسی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتا تھا۔ مصاحبوں اور خوشامدخوروں نے اس کی اس عادت میں اور زیادہ استحکام پیدا کر دیا تھا، وہ اپنی رائے سے بہت کم کام لیتا تھا، دوسروں کی رائے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتا تھا ــ جس نے اپنی زندگی دوسروں کے رحم وکرم پر ڈال دی ہو۔ وہ کس طرح خودرائی سے کام لے کر اپنی خودی کو بیدار اور خود شناسی کو مستحکم کر سکتا ہے؛

جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت معین الدین کی سرکردگی میں بغداد پہنچ چکی تھی۔ لیکن اب تک اسے شرف باریابی نہیں حاصل ہوا تھا۔

یہ عام معمول تھا کہ ممالک غیر سے جو سفرا حاضر ہوتے تھے انہیں دربار خلافت میں کئی کئی ماہ بعد بلکہ اکثر اوقات سال سال اور دو دو سال بعد حاضری کی اجازت ملتی تھی تاکہ وہ دربار حکومت کے دبدبے سے زیادہ سے زیادہ متاثر اور مرعوب ہو جائیں، پھر جب انہیں حاضری کا موقع ملتا تھا تو اس مرحلہ پر اس شان سے نمائش ہوتی تھی، اسی شان سے امیر المومنین کا جلوس نکلتا تھا اس شان سے دربار میں تشریف فرما ہوتے تھے ایسے پر تکلف طریقہ پر دربار کو سجایا جاتا تھا اور نمود و نمائش کے ایسے ایسے ہوش ربا انتظامات روپیہ پانی کی طرح بہا کر کئے جاتے تھے کہ جب سفیر اپنی آنکھوں سے جاہ وجلال اور کر و فر کا یہ منظر دیکھتا تھا تو دل میں قائم ہو جاتا تھا کہ واقعی دنیا کے

کے پردہ پر ایسی باجبروت، طاقت ور اور عظیم حکومت نہیں :

یہی ساری باتیں اب جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت میں بھی پیش نظر تھیں،

خوارزم شاہ کی سفارت آچکی تھی،

لیکن مصالح پرستوں نے اب تک اسے حاضر دربار ہونے کی اجازت نہیں دی تھی!

بلکہ خلیفہ کے علم و اطلاع میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ خوارزم شاہ کی

کوئی سفارت بغداد پہونچ چکی ہے!

(۲)

ایک روز خلیفہ مجلس شبینہ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اطلاع ملی، وزیر اعظم اسی وقت

شرف باریابی حاصل کرنے کا متمنی ہے!

خلیفہ کو تعجب تو ہوا لیکن اس نے اجازت دے دی، فوراً ہی وزیر اعظم حاضر ہوا،

خلیفہ نے پوچھا،

خلیفہ ناصر: کیوں خیریت تو ہے؟ ——— اس وقت تم کیسے آئے؟

وزیر اعظم: امیر المومنین جلال الدین خوارزم شاہ کی ایک سفارت عرصہ سے حاضر ہے

اور شرف حضوری حاصل کرنے کی تمنا کر رہی ہے .... میں اب تک

تو ٹالتا رہا لیکن خوارزم کے سفیر نے آج یہ تک کہہ دیا کہ اگر اسے خلیفہ

کی خدمت میں فوراً نہ پیش کیا گیا تو .... !

خلیفہ ناصر: تو کیا؟ ——— کیا خوارزم شاہ کا سفیر نہیں جانتا ہمارے

دربار میں حاضر ہونے کے آداب و شرائط کیا ہیں؟

وزیر اعظم: جانتا ہے، لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ وہ صبر نہیں کر سکتا ———

بلکہ وہ تو یہ کہہ رہا تھا کہ اب کی جمعہ کو بعد نماز وہ امیر المومنین کا دامن پکڑ کر کھڑا ہو جائے گا!

خلیفۂ ناصر:۔ آخر وہ ایسے کیا حالات ہیں کہ سفیر کی بیقراری اور اتنی بیتابی بڑھی ہوئی ہے؟

وزیر اعظم:۔ بات یہ ہے امیر المومنین کہ ——

خلیفہ:۔ ہاں...... کہتے کیوں نہیں؟

وزیر اعظم:۔ بات یہ ہے امیر المومنین کہ

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

یہ کہہ کر وزیر اعظم نے ہونٹ دانتوں سے دبا لئے..... ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہی تھی۔

خلیفۂ ناصر:۔ یہ تم نے ایسی بات کہی ہے جو تشریح طلب ہے، بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے ہو!

وزیر اعظم:۔ تاتاریوں نے خوارزم شاہ کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے؟

خلیفۂ ناصر:۔ ہمیں معلوم ہوا تھا، چنگیز کسی بات پر خوارزم شاہ سے بگڑ گیا ہے۔

وزیر اعظم:۔ اور پھر چنگیز نے پھر ایسے تابڑ توڑ حملے کئے کہ اسی غم میں علاء الدین خوارزم شاہ مرگیا۔ اب اس کے فرزند ارجمند جلال الدین خود چنگیز خاں سے الجھ رہے ہیں۔

خلیفۂ ناصر:۔ لیکن ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ علاء الدین کے بعد تخت حکومت پر قطب الدین تھا

از لاتی بیٹھا ہے، پھر جلال الدین کہاں سے آگیا ـــــــ خانہ جنگی ہوئی ہوگی شاید!؟

وزیر اعظم: تخت نشین تو بیشک نظام الدین از لاتی ہوا تھا، لیکن وہ تو چنگیز کے ہاتھوں مارڈالا گیا ـــــ

خلیفہ ناصر: مارڈالا گیا ـــــ؟

وزیر اعظم: جی! ـــــ اور جلال الدین کو بھی خوارزم سے بھاگ کر ایک دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی!

خلیفہ ناصر: یہ برا ہوا ـــــ!

وزیر اعظم: بہت برا ہوا ـــ! امیر المومنین،

خلیفہ ناصر: چنگیز کی یہ چیرہ دستیاں وحشت انگیز طور پر بڑھ رہی ہیں ـــــــ ان کا سد باب ہونا چاہیئے!

وزیر اعظم: بجا ارشاد ہوا ـــــ لیکن چنگیز سے ہمیں تو کوئی خطرہ نہیں ہے

خلیفہ ناصر: ہاں آج نہیں ہے لیکن کیا کل بھی نہیں ہوگا؟

وزیر اعظم: کبھی نہیں ہوگا ـــ!

خلیفہ ناصر: اس حسن ظن کی وجہ؟ ـــ دلیل؟

وزیر اعظم: نہ ہم اسے چھیڑیں گے نہ وہ ہمیں چھیڑے گا!

خلیفہ ناصر: تو کیا خوارزم شاہ نے چنگیز کی دعوت پیکار دے کر حماقت کا ثبوت دیا تھا؟

وزیر اعظم:۔ بالکل یہی بات ہے سلطان عالم پناہ! ـــ خوارزم شاہ خود اس نے بھڑا تھا!
خلیفہ ناصر: تو اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگت رہا ہے ـــ بہرحال وہ ہم سے
کیا چاہتا ہے؟
وزیر اعظم:۔ امداد ـــ وہ چاہتا ہے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین اسکی امداد
فرمائیں
خلیفہ ناصر:۔ ہمیں خوارزم شاہ سے ہمدردی ہے ـــ
وزیر اعظم: جب امیر المومنین کو اس سے ہمدردی ہے تو ہم خدام بارگاہ کو بھی ہے بلکہ
ہر مسلمان کو ہے!
خلیفہ ناصر:۔ ہونی ہی چاہیئے، ضرور ہونی چاہیئے!
وزیر اعظم:۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ ہمدردی عملی جامہ پہنے، مسئلہ کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ
ان پر ضرور غور کر لینا چاہیئے، ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے۔
خلیفہ ناصر:۔ شاید تم چاہتے ہو کہ ہم خوارزم شاہ کی مدد نہ کریں!
وزیر اعظم:۔ میں وہی چاہتا ہوں جو امیر المومنین کی مرضی ہو، لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں
کہ حقائق سے امیر المومنین کو باخبر کر دوں!
خلیفہ ناصر:۔ تمہیں اجازت ہے ـــ کہو!
وزیر اعظم:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خوارزم شاہ ہمارا دوست نہیں ہے، کبھی بھی نہیں
تھا۔ اس خاندان کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے وقار کو صدمہ پہونچ چکا
ہے ـــ یہی خاندان تھا جس کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے
اقتدار پر بھی کاری ضرب لگ چکی ـــ!

خلیفہ ناصر: ہاں.... ماضی کی تلخ یادیں ہمارے دماغ پر بھی ابھر رہی ہیں اور ان تلخ یادوں کے ساتھ کتنا کش کشمکش، مخالفت، قومیت، اقتدار، یہ سب باتیں یاد آرہی ہیں اور انہیں یاد کر کر کے ہماری طبیعت منغض ہو رہی ہے،

وزیراعظم: بجا ارشاد ہوا ——— میں بھی یہی عرض کرنا چاہتا تھا.........
میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ہم ایسے شخص کی مدد کریں جو خاندان خلافت کی توہین کر چکا ہے، اقتدار، خلافت کو مجروح کر چکا ہے، قوت کے بل پر خلافت عباسیہ کے معاملات میں مداخلت کر چکا ہے ———
آج جلال الدین پر دنیا تنگ ہو رہی ہے وہ ہم سے امداد کا جویا ہے۔ لیکن کل جب مصائب کے یہ بادل چھٹ جائیں گے وہ چنگیز کی فکر سے آزاد ہو جائے گا تو قوت و طاقت حاصل کرنے کے بعد کیا وہ ہمارے لئے ایک لٹکتی ہوئی تلوار بن جائے گا؟ کیا وہ ایک ایسے خطرہ کی صورت نہیں اختیار کرے گا جس کا ٹالنا، فرد کرنا اور دبانا ناممکن ہو جائے گا؟
کیا ماضی کے تلخ اور ناقابل فراموش واقعات ہمیں سبق نہیں دیتے؟ تنبیہ نہیں کرتے؟

خلیفہ ناصر: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو،
وزیراعظم: بس میں یہی عرض کر رہا تھا!
خلیفہ ناصر: یہ تو ایک بات ہوئی، اور دوسری بات؟ ——— ؟
وزیراعظم: دوسری بات یہ کہ چنگیز ایک وحشی اور درندہ صفت فرمانروا ہے

نہ جانے کس طرح اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ خانوں کا
خان یعنی خاقان ہے[1]
وہ خدا کو نہیں مانتا۔ لیکن کہتا ہے جس طرح سورج ایک ہے، چاند ایک
ہے اسی طرح ساری دنیا کا بادشاہ بھی ایک ہونا چاہیئے!
خلیفہ ناصر:۔ (ہنس کر) تو گویا فلسفی بننے کی کوشش بھی کر رہا ہے؟
وزیر اعظم:۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الحاد اور دہریت کے باوجود خدا اس کی مدد بھی
کر رہا ہے!
خلیفہ ناصر:۔ یہ کیسے جانا تم نے؟
وزیر اعظم:۔ چنگیز آج تک نہیں ہارا اس نے ہر مقابل کو شکست دی، اس کی قوت کی
کوئی انتہا نہیں، اس کی فوج حد شمار سے خارج ہے اس کے اسلحہ جنگ
اپنا جواب نہیں رکھتے، اس کے سپاہی اتنے ظالم، سفاک ہیں کہ وہ مغلوب و
مفتوح قوم کے اسیروں کا بے دردی سے خون بہاتے ہیں، گردنیں کاٹتے
ہیں اور مسکراتے ہیں، عصمتیں لوٹتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، جان لیتے
اور قہقہے لگاتے ہیں، ان کے ظلم، سفاکی، شقاوت اور سنگدلی کے تصور
سے روح کانپتی ہے۔ وہ دنیا میں قہر خداوندی کا نمونہ ہیں، وہ اتنے خون
آشام ہیں کہ دنیا میں آج تک کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا!
خلیفہ ناصر:۔ (متوحش ہو کر) ہاں یہ سب ہم سن چکے ہیں۔

---

[1] ہیرلڈ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے۔

وزیر اعظم:۔ امیرالمومنین چنگیز کو خلقت "تازیانۂ الٰہی" کے نام پکارتی ہے۔

خلیفہ ناصر:۔ واقعی وہ تازیانۂ الٰہی ہے۔ خدا اس کے شر سے ہر شخص کو محفوظ رکھے!

وزیر اعظم:۔ امیرالمومنین اس کے شر سے محفوظ رہنے کی صرف ایک صورت ہے

خلیفہ ناصر:۔ (چونک کر) وہ کیا ——؟

وزیر اعظم:۔ یہ کہ ہم اسے نہ چھیڑیں اسے دعوت پیکار نہ دیں، اس کے معاملات میں حصہ نہ لیں۔ اسے اس کے راستے چلنے دیں، پھر وہ بیشک ہمارے معاملات میں بھی دخیل نہیں ہوگا۔

خلیفہ ناصر:۔ لیکن اس کی ضمانت کیا ہے؟

وزیر اعظم:۔ ہماری امن پسندی، ہماری شرافت، ہماری غیر جانداری!

خلیفہ ناصر:۔ ہمیں تمہاری رائے سے اتفاق ہے —— واقعی ایسے درندہ صفت انسان سے الجھنا مناسب نہیں۔

وزیر اعظم:۔ اور ظل اللہ کے شایان شان بھی نہیں!

خلیفہ:۔ ٹھیک کہتے ہو، درست کہتے ہو تمہاری اصابت فکر و رائے سے ہم متاثر ہوئے۔

وزیر اعظم:۔ یہ ظل اللہ کی بندہ نوازی ہے، کرم گستری ہے۔ نوازش ہے۔ احسان ہے۔

خلیفہ ناصر:۔ ہم یہ بھی سوچتے ہیں جس سے ہمیں انس نہیں نفرت ہے جس سے ہمارے ذہن و دماغ کو اذیت پہونچی اسکی مدد آخر ہم کریں بھی تو کیوں؟

لے دیکھو ہیرلڈ لیمب کی کتاب "چنگیز"۔

وزیراعظم:۔ بجا ارشاد ہوا امیر المومنین!

خلیفہ ناصر:۔ تو پھر خوارزم شاہ کے سفیر کو کیوں ٹھہرا رکھا ہے۔ کیوں نہ اسے رخصت کر دو!

وزیراعظم:۔ نہیں امیر المومنین، یہ بات آداب سفارت کے خلاف ہوگی!

خلیفہ:۔ تو تم چاہتے ہو ہم اس سے ملیں؟ ملاقات کریں؟ اسے عرض حال کا موقع دیں؟

وزیراعظم:۔ امیر المومنین غلام کی یہی رائے ہے ۔۔۔ اسی طرح آداب سفارت قائم رہیں گے!

خلیفہ ناصر:۔ تو اسے اذن باریابی دو ۔۔۔۔۔ ہم خود اس سے گفتگو کریں گے اور بتا دیں گے کہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی مدد کی جائے!

وزیراعظم:۔ یہی مناسب تر صورت ہے امیر المومنین!

خلیفہ ناصر:۔ تم اسے اطلاع دے دو کہ وہ دوشنبہ کے روز دربار میں حاضر دربار ہو!

وزیراعظم:۔ غلام اس حکم کی ابھی تعمیل کرے گا ظل اللہ!

خلیفہ ناصر:۔ اسے بتا دو کہ ہمارے دربار کے آداب کیا ہیں؟

وزیراعظم:۔ اس حکم کی بھی پوری تعمیل ہوگی ظل اللہ!

(۳)

خلیفہ نے مسند پر بیٹھے بیٹھے پاؤں پھیلا دیئے یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ تم جا سکتے ہو۔ وزیراعظم وہاں سے رخصت ہوا اور دوسرے دن صبح صبح وہ معین الدین کے پاس پہنچا اور اسے اطلاع دے دی کہ امیر المومنین از راہ نوازش

شاہوا لسطان خسروانہ دوشنبہ کے روز طلوع آفتاب کے دو گھڑی بعد شرف یابی عطافرمائیں گے معین الدین یہ مژدۂ جانفزا سنکر!

جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں!

اسے بڑی خوشی ہوئی اس نے شکر گذارانہ لہجہ میں وزیر اعظم سے کہا۔

معین الدین:۔ میں آپ کی کرم گستری کا شکر گذار ہوں

وزیر اعظم:۔ نہیں اس میں شکر گذاری کی کیا بات ہے: یہ تو میرا فرض تھا،

معین الدین:۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ سے معذرت کروں!

وزیر اعظم:۔ معذرت؟ ــــــ معذرت کا ہے کی؟

معین الدین:۔ کل جو آپ سے گفتگو ہوئی تھی، میں اس وقت اپنی محرومی اور مایوسی سے بہت متاثر تھا۔ ممکن ہے میرے منہ سے کچھ الفاظ نکلے ہوں جو آپ کی طبیعت پر گراں گذرے ہوں!

وزیر اعظم:۔ آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی کوئی بات مجھے ناگوار نہیں گذری میں آپ کے دکھ، درد، اور پریشانی کو سمجھتا ہوں، مجھے آپ سے ہمدردی ہے، میں آپ کی کامیابی کا دعاگو ہوں!

معین الدین:۔ مجھے آپ کی حمیت ملی۔ جذبہ دینی۔ اور غیرت قومی سے یہی امید ہے!

وزیر اعظم:۔ آپ کے ساتھ ہمدردی کرنے میں صرف حمیت ملی۔ جذبۂ دینی اور غیرت قومی ہی کام نہیں کر رہی ہے ایک اور چیز بھی ہے!

معین الدین:۔ فرمایئے ــــــ وہ کون سی چیز ہے؟

وزیر اعظم:۔ خود غرضی ــــــ

یہ کہہ کر وہ مسکرا دیا!

معین الدین:۔ (حیرت سے) خود غرضی؟ — میں نہیں سمجھا!

وزیر اعظم:۔ بات یہ ہے کہ اگر آج ہم نے آپ سے ہمدردی نہ کی تو کل آپ ہم سے ہمدردی نہیں کریں گے۔ آج ہم نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ تو کل یہ سیلاب جب ہماری طرف بڑھے گا تب ہم کس سے رفاقت کی امید رکھیں گے؟

معین الدین:۔ (مطمئن ہوکر) آپ کو اس کا احساس ہے کہ یہ سیل بلا بغداد کی طرف بھی رخ کر سکتا ہے؟

وزیر اعظم:۔ کیوں نہیں ہے۔ — چنگیز نہ ہمارا دوست ہے نہ آپ کا نہ کسی کا! — ہم جانتے ہیں۔

آج وہ کل ہماری باری ہے!

اسی لئے ضروری ہے کہ وقت پر اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سر کچل دیا جائے۔۔

معین الدین:۔ جزاک اللہ، مرحبا — بہت صحیح بات کہی آپ نے!

وزیر اعظم:۔ میرے بھائی یہ باتوں کا نہیں کام کا وقت ہے!

معین الدین:۔ کام کے بارے میں اچھی طرح یاد رکھئے کہ اسے ہم کرلیں گے، اگر دربار خلافت کی طرف سے ہماری پشت پناہی ہو ئی!

وزیر اعظم:۔ ضرور ہوگی — کیسے نہ ہوگی؟

معین الدین:۔ اب تو مجھے امید بندھ گئی ہے!

وزیر اعظم:۔ تو کیا پہلے آپ مایوس تھے؟

معین الدین:۔ ہاں بہت زیادہ۔۔۔

وزیر اعظم:۔ بڑی دلچسپ بات کی آپ نے (مسکرا کر) آخر مایوس کیوں تھے؟

معین الدین:۔ مجھے اور میرے آقا خوارزم شاہ دونوں کو یہ اندیشہ تھا، کہیں امداد و اعانت کے راستہ میں ماضی کی تلخیاں اور بدمزگیاں مانع نہ ہوں!

وزیر اعظم:۔ یہ وقت ماضی کی تلخیوں کو یاد کرنے کا نہیں۔ مستقبل کے بارے میں سوچنے کا ہے۔

معین الدین:۔ بے شک بے شک، بہت صحیح فرمایا آپ نے!

وزیر اعظم:۔ اور ایک بات اور بھی تو سوچئے .... ہم اگر آپ کی مدد کریں گے تو اس لئے نہیں کہ آپ کی مدد کریں، بلکہ اسلئے کہ اپنی مدد کریں ـــــ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر آپ کی مدد کرنا اپنی مدد کرنا ہے۔ ہم ہرگز اطمینان کی زندگی نہیں بسر کر سکتے اگر اتنا بڑا اور طاقتور دشمن جیسا ہے، دنیا میں موجود

معین الدین:۔ بہت صحیح ـــــ بہت درست!

(۴)

ان رسمی باتوں کے بعد وزیر اعظم مسکراتا ہوا اپنے قصر عشرت کی طرف چلا گیا اور

معین الدین کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔
جب سے وہ خوارزم شاہ سے جدا ہوا تھا آج پہلی بار مسکرایا تھا!

خلیفہ کا دربار!

آج بغداد کی سجاوٹ دیکھنے کے قابل تھی!

خلیفہ ناصر الدین اللہ کے دربار کی رونق آج قابل دید تھی!

آج جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت دربار خلافت میں باریاب ہو رہی تھی!

معین الدین کے دل سے دہشت کافور ہو چکی تھی —— اب دہشت کی جگہ امید تھی، آس تھی! —— بے چینی اور بیقراری کا دور ختم ہو چکا تھا اب سکون اور اطمینان کی کارفرمائی تھی —— اندیشہ ہائے دور دراز اور فکر و وسواس کا نہ ختم ہونے والا دور ٹوٹ چکا تھا۔ اب حوصلہ مندی تھی امنگ تھی، ولولہ تھا!

دربار کے در و دیوار پر جواہرات کی جوت اور آئینوں کی چمک سے جگمگاہٹ کا عجیب عالم طاری تھا!

معین الدین کے چہرے پر امید کا نور جگمگا رہا تھا۔ اب زیادہ کس میں ہے؟ چشمک باہم ہوتی ہے!

معین الدین کو اگر اضطراب تھا تو صرف یہ کہ وہ وقت کب آئیگا جب وہ

خلافت پناہ کی بارگاہ فلک پایگاہ میں حاضر ہوگا؟ ـــــ خلیفہ اب تک حرم سرا سے برآمد نہیں ہوا تھا!

یکایک نقاروں پر چوٹ پڑنے لگی۔

آسمان کانپ اٹھا زمین دہل اٹھی!

طبل پر پھر ایک چوٹ پڑی ـــــ!

دربار کے ایک گوشے سے چوبدار نے صدا لگائی!

یہ امیر المومنین۔ خلیفۃ المسلمین خلیفہ ناصر الدین اللہ کا دربار ہے قصر خلافت سے امیر المومنین کی سواری بادبہاری روانہ ہو چکی ہے!

یہ سنتے ہی چوبدار نے پھر نعرہ لگایا۔

"ہوشیار خبردار! ـــــ امیر المومنین تشریف فرما ہو رہے ہیں!

تھوڑی دیر کے بعد پاؤں کی چاپ کی آواز آئی۔ سراپردہ میں جنبش سی پیدا ہوئی

دو چوبداروں نے بیک وقت زور سے کہا۔

"نصر من اللہ و فتح قریب!"

ایک دوسرا چوبدار اور زور سے چلایا

"امیر المومنین ـــــ!"

ان آوازوں نے ایک عجیب با ہیبت سناٹا طاری کر دیا تھا!

اتنے میں پردہ ہٹا اور امیر المومنین دربار میں رونق افروز ہوئے! ـــــ امیر المومنین کو جیسے ہی نمودار ہوتے حاضرین دربار نے دیکھا، سر خم کر لئے آنکھیں چھپا لیں اور عبودیت کی پوری شان اپنے اندر پیدا کر لی۔

امیر المومنین وقار و اجلال کے ساتھ مسند پر متمکن ہوئے۔ پھر انھوں نے فرمایا

خلیفہ ناصر:۔ ہمیں معلوم ہوا ہے جلال الدین خوارزم شاہ کا قاصد شرف باریابی حاصل کرنا چاہتا ہے؟

وزیر اعظم:۔ امیر المومنین خوارزم شاہ کا قاصد دربار میں حاضر ہے!

خلیفہ ناصر:۔ حاضر کیا جائے!

وزیر اعظم نے اٹھ کر معین الدین کو خلافت پناہ کے سامنے لا کھڑا کر دیا

معین الدین خلیفہ کے سامنے پہونچتے ہی وہ تمام آداب و مراسم بجا لایا۔ جو ایسے موقع پر سفراء کے لئے لازمی تھے۔

خلیفہ نے ایک نظر قاصد پر ڈالی، پھر کہا

خلیفہ ناصر:۔ تم ہو جلال الدین خوارزم شاہ کے قاصد؟

معین الدین:۔ امیر المومنین غلام ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے!

خلیفہ ناصر:۔ کیا پیام بھیجا ہے اس نے ہمارے حضور میں؟

معین الدین:۔ امیر المومنین کی نگاہ باخبر سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ تاتاریوں نے سر اٹھایا ہے، وہ اسلام کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں ——

خلیفہ ناصر:۔ نہیں —— یوں کہو وہ خوارزم شاہ کے دشمن ہیں،

معین الدین:۔ امیر المومنین —— وہ میرے آقا خوارزم شاہ کے بھی دشمن ہیں انھوں نے شہر لوٹ لئے آبادیاں ہلاک کر دیں، وہ جاہل ہیں درندہ صفت ہیں خون آشام ہیں، اجڈ اور گنوار ہیں، ان کے ہاتھوں انسانیت کا خون ہو رہا ہے اور —— اور تہذیب و تمدن ثقافت حضارت اور عمرانیت کے گلے پر بھی چھری

پھر رہی ہے، وہ عمارتوں کو ڈھاتے ہیں مسجدوں میں آگ لگا دیتے ہیں، مکاتب اور مدارس کو خاکستر بنا دیتے ہیں، باغوں کو اجاڑ دیتے ہیں کھیتوں کو کچل ڈالتے ہیں۔ دنیا ان کی بیہودگی، شرارت اور خباثت دیکھ رہی ہے مگر ان سے نہیں کرتی، ایک میرا آقا جلال الدین خوارزم شاہ ہی جو ہر خطرہ سے بے نیاز ہو کر ان تاتاریوں کے مقابلہ میں کوہ البرز کی طرح ڈٹا ہوا ہے جس نے تاتاریوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ جو ناموافق حالات، ناسازگار فضا، اور ناساز گار ماحول میں بھی ڈٹا ہوا ہے

خلیفہ ناصر:۔ ہماری طرف سے اسے ان کارناموں پر اسے شاباش دینا!

معین الدین:۔ امیر المومنین، میرا آقا صرف حوصلہ افزائی نہیں چاہتا امداد بھی چاہتا ہے!"

خلیفہ ناصر:۔ کیا کہا خوارزم شاہ ہم سے مدد چاہتا ہے؟

معین الدین:۔ امیر المومنین ——

خلیفہ ناصر:۔ (زہر خند کے ساتھ) نہیں، جلال الدین ہماری امداد کا محتاج نہیں جو تاتاریوں کی یورش کا تنہا مقابلہ کر سکتا ہے اسے کسی سے مدد طلب کرنے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے، جلال الدین خود ایک فاتح ہے کشور کشا ہے، فرماں روا ہے شہنشاہ، اس لئے دوسرے مدد طلب کر سکتے ہیں وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہو سکتا یہ اسکا انکسار ہی ہے جو انہوں نے تمہیں یہاں بھیجا —— ہم نے اس انکسار سے لطف لیا

معین الدین:۔ امیر المومنین، میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ وہ تن تنہا تاتاریوں کی یورش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خلیفہ ناصر:- پھر کس طرح کر سکتا ہے

معین الدین:۔ ممالک اسلامیہ کے اتحاد، تعاون سے، اشتراک اور ایک جہتی سے!

خلیفہ ناصر:- ہوں ــــــ!

معین الدین:- میرے آقا نے امیر المومنین کی دعائے درازی عمر واقبال کے بعد عرض کیا تھا کہ وہ تاتاریوں کو کچل سکتا ہے، ان کا کس بل نکال سکتا ہے، انکی جسارت اور درندگی کا ترکی بترکی جواب دے سکتا ہے،

خلیفہ ناصر:- پھر وہ ایسا کیوں نہیں کرتا؟

معین الدین:- امیر المومنین میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ تاتاریوں کا فتنہ بہت بڑا بہت ہولناک اور بے انتہا تباہ کن ہے، تاتاری علوم وفنون کے دشمن ہیں دین و مذہب کے دشمن ہیں، وہ آج دولت خوارزم شاہی کی تباہی و بربادی کرنے پر تلے ہوئے ہیں. کل جب انہیں موقع ملے گا تو ــــــ

خلیفہ ناصر:- تو وہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجاویں گے (ہنسکر) کیوں یہی کہنا چاہتے تھے تم؟

معین الدین:- میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا، میرے آقا نے حکم دیا تھا کہ میں صاف صاف عرض کر دوں ــــــ

خلیفہ ناصر:- ہم نے سن لیا اس نے کیا کہلوایا تھا، اور تم نے کیا کہا؟ ــــــ بس یا کچھ اور بھی؟

معین الدین:- میرے آقا نے عرض کیا تھا کہ امیر المومنین امداد اور دستگیری فرمائیں تاکہ وہ تاتاری فتنہ کا سر کچل سکے ــــــ یہ فتنہ ہر روز مہیب سے مہیب تر

صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے ۔۔۔ ضرورت ہے کہ جلد از جلد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا سر کچل دیا جائے!

خلیفہ ناصر: خوارزم شاہ سے کہہ دینا کہ ان بلند پایہ نصائح کیلئے ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

معین الدین: اور درخواست اعانت کا جواب؟

خلیفہ ناصر: کہہ دینا ہم بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ لگانا نہیں چاہتے جب وہ ہم سے برسر پیکار نہیں کہ ہم انہیں اپنا دشمن بنا لیں؟

معین الدین: لیکن امیر المومنین، وہ اسلام دشمن!

خلیفہ ناصر: غلط ۔۔۔ جلال الدین اور اسلام دو الگ وجود ہیں،

معین الدین: امیر المومنین۔ وہ ہر مسلمان کے دشمن جاں ہیں!

خلیفہ ناصر: یہ بھی غلط ۔۔۔ وہ صرف جلال الدین خوارزم شاہ کے دشمن ہیں،

معین الدین: امیر المومنین ۔۔۔ اور کل جب وہ خوارزم شاہ کو پامال کر چکیں گے تو ان کی منزل مقصود صحرائے گوبی نہیں، شام عراق اور بغداد ہوگی، امیر المومنین ۔۔۔

خلیفہ ناصر: زیادہ غلط بیانی سے کام نہ لو۔

معین الدین: غلام ایک ایک بات سچ عرض کر رہا ہے .... اور کل اس کی صداقت ضرور آشکار ہو جائے گی ۔۔۔ ضرور!

خلیفہ ناصر: تم جھوٹ بولتے ۔۔۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے ہماری فوجیں جانتی ہیں کہ بغداد کی حفاظت کس طرح کرنا چاہیئے ۔۔۔

عساکر خلافت اس بات سے واقف ہیں کہ دشمن آگے بڑھے تو کس طرح پیچھے دھکیلا جا سکتا ہے ــــــ تاتاری اتنے احمق نہیں ہیں کہ خلافت اسلامیہ سے ٹکرلیں خلیفۃ المسلمین سے برسرِ پیکار ہوں بغداد کا رخ کریں!

معین الدین:- امیر المومنین ـــ امیر المومنین ـــ "

خلیفہ ناصر:- جلال الدین سے کہہ دینا ہم اس کی مدد کرنے سے قاصر ہیں اور اگر کبھی ہم پہ وقت پڑا تو ہم بھی اس سے مدد طلب نہیں کریں گے،

معین الدین:- امیر المومنین ـــ کیا اس فیصلہ پر نظر ثانی نہیں فرما سکتے؟

خلیفہ ناصر:- ہرگز نہیں ـــ ہم اس کے عادی نہیں۔

معین الدین:- یہ ایک شخص کا نہیں پوری قوم کے مستقبل کا فیصلہ ہے!

خلیفہ ناصر:- ہاں ـــ ہم اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح جانتے ہیں ـــــــ جاؤ، ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ جلال الدین کو بتا دو! ـــــ

دربار برخواست ہو گیا!!

ـــــــ S R ـــــــ

انتظار کا خاتمہ

جلال الدین خوارزم شاہ کی سفارت بغداد کو گئے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا مگر اب تک اس کی کامیابی یا ناکامی کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی!

ہر روز خوارزم شاہ انتظار کرتا تھا، دور دور تک لوگوں کو خبر لینے کیلئے بھیجتا تھا اور ہر روز اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا!

وہ تنگ آ گیا تھا انتظار کرتے کرتے۔ آخر معین الدین کب آئے گا؟

بارگاہ خلافت کا فیصلہ کب صادر ہوگا؟ ——— یہ فیصلہ میرے لئے موت اور زندگی کا فیصلہ بن چکا ہے۔ میرا ہی نہیں مشرق کی تمام اسلامی حکومتوں اور ایشیا کی تمام آزاد مملکتوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور اس سوال کا جواب صرف امیر المومنین کے پاس ہے!

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا، اور فکر و خیال کی وادی میں بھٹک رہا تھا!

بار بار ذہن و دماغ کے صفحہ پر ایک ہی سوال ابھرتا تھا۔

اب کیا ہوگا؟ ——— اب کیا ہوگا؟

اور اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا اور ان لوگوں کے پاس تو خاص طور پر نہ تھا جو اپنے آقا کے خیمہ میں بیٹھے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہے تھے یا وہ اس سوال کو حل کرنے کی جتنی جتنی کوششیں کرتے اتنا ہی مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا تھا

عین اسی عالم میں خوارزم شاہ کو اس کے سرہنگوں نے آ کر دعائے درازیٔ عمر و اقبال کی دعا دی، اور عرض کیا

"معین الدین آ گیا!"

یہ سنکر خوارزم شاہ اچھل پڑا۔ بیتابی کے ساتھ اس نے بھی یہی الفاظ دہرائے

"معین الدین آ گیا؟ —— ؟"

سرہنگ نے گردن جھکا کر عرض کیا،

"وہ در دولت پر حاضر ہے؟"

خوارزم شاہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا

"تخلیہ —— ہم تخلیہ چاہتے ہیں!"

یہ سنتے ہی تمام حاضرین مجلس ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد خوارزم شاہ نے سرہنگ سے کہا

"معین الدین کو حاضر کرو!"

چند لمحوں کے اندر اندر آقا کا جاں نثار خادم حضوری میں حاضر ہو گیا، خوارزم شاہ نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور محبت بھرے لہجے میں کہا،

"تم آ گئے —— ہم بہت دنوں سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ اگر یہ کہیں کہ تمہارے انتظار میں ہم ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے، تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا

معین الدین نے عقیدت اور فدا کاری کے نشے سے سرشار ہو کر کہا

" غلام حاضر ہو گیا، واقعی بہت دیر لگی۔ لیکن کیا کرتا حالات پر اختیار نہ تھا

خوارزم شاہ :۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں ——— مجھے معلوم ہے دربار خلافت میں باریابی کتنی مشکل سے اور کتنی دیر میں ہوتی ہے ؛ یہ بتاؤ کیا رہا ؟ کیا ہوا ؟ کیسی گذری ؟

معین الدین :۔ (غم انگیز آواز میں) کیا عرض کروں آقائے ولی نعمت !

خوارزم شاہ :۔ (چونک کر) کیوں کیا ہوا ؟ ——— ناکامی

معین الدین :۔ جہاں پناہ ناکامی !

خوارزم شاہ :۔ امیر المومنین نے امداد سے انکار کر دیا ؟

معین الدین :۔ صاف انکار، صاف جواب، بلکہ انھوں نے ———

خوارزم شاہ :۔ جھجک سے کام نہ لو، کہو انہوں نے کیا فرمایا ؟

معین الدین :۔ انھوں نے ہمارے سلطان عالم کا مذاق اڑایا :

خوارزم شاہ :۔ لیکن یہ سوال تنہا میری ذات کا تو نہیں تھا .... تم نے گفتگو کے اس نقطہ کو صاف نہیں کیا ؟

معین الدین :۔ میں نے بڑی صفائی سے گفتگو کی اور وہ تمام باتیں عرض کر دیں جو جہاں پناہ نے فرمائی تھیں ———

خوارزم شاہ :۔ پھر ——— ؟ لیکن تم نے کہا کیا تھا ؟

معین الدین :۔ میں نے تاتاریوں کی ذہنیت، کردار اور سیرت بیان کرنے میں پوری تفصیل سے کام لیا، میں نے انکی درندگی اور شقاوت کے واقعات بتائے، میں نے

اس خطرہ کی وسعت اور اہمیت کی طرف انہیں متوجہ کیا، میں نے اسلام کا واسطہ دیا، میں نے قومیت کے نام پر اپیل کی، میں نے ان کے جذبۂ ملی کو ابھارا، لیکن سب رائگاں، سب بیکار، انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا، چنگیز خوارزم شاہ کا دشمن ہے ہمارا نہیں اور اگر اس نے ہم سے دشمنی کی تو ہم بھگت لیں گے ہم آج خوارزم شاہ کی مدد کرنے سے انکار کرتے ہیں، کل جب ہم پر وقت پڑے تو یہی حق ایسے بھی ہوگا ـــــ امیر المومنین نے یہ فرمایا۔

خوارزم شاہ: جواب اگرچہ خلاف توقع نہیں لیکن تکلیف دہ ضرور ہے!

معین الدین: تکلیف دہ بھی اور ہمت شکن بھی، حوصلہ فرسا بھی!

خوارزم شاہ: نہیں معین الدین یہ نہ کہو، صرف تکلیف دہ کہہ سکتے ہو بس اس سے زیادہ نہیں۔ شاید خدا ہمیں آزما رہا ہے، ہم نے غلطی کی، خدا کے بجائے مخلوق کی طرف رجوع کیا، شاید یہ بھی بات خدا کو بری لگی، بہرحال ہم اس غلطی سے تائب ہوتے ہیں، اب ہمارا سہارا نہ امیر المومنین کی ذات ہے، نہ دربار خلافت اب ہمارا بھروسہ جو کچھ ہے وہ صرف خدا پر ہے، اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے اختیار میں اقتدار اور حکومت ہے اسی کے قبضہ میں انقلاب اور تغیر ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوگا، جو اس کی مرضی ہوگی وہ بہرحال پوری ہوگی،،

معین الدین: لیکن جہاں پناہ اب ہمارا مدار کار کیا ہوگا؟

خوارزم شاہ: کچھ نہیں، صرف عزیمت اور استقامت، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے

معین الدین: کام جاری رکھیں گے، لیکن کس طرح؟ ـــــ کیوں کر؟

خوارزم شاہ:۔ غزنی فی الحال ہمارے درد کا مداوا نہیں بن سکتا،
معین الدین:۔ تو کیا ہم یہاں سے پھر رخت سفر باندھیں گے کہیں اور جائیں گے؟
خوارزم شاہ:۔ ہاں — میرا ارادہ ہے ہم یہاں سے ترمذ چلیں!
معین الدین:۔ جہاں پناہ کا ارشاد ہے تو ضرور اس کی تعمیل ہو گی لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟
خوارزم شاہ:۔ جو یہاں نہیں کر سکے؟
معین الدین:۔ کیا جہاں پناہ کا خیال ہے، وہاں حالات زیادہ سازگار ہیں؟
خوارزم شاہ:۔ ہاں ہمارا خیال یہی ہے!
معین الدین:۔ لیکن تاتاری لشکر جس طرح یہاں پہونچ سکتا ہے وہاں بھی پہنچ سکتا ہے، اگر ہم یہاں مزاحمت نہیں کر سکتے تو وہاں کس طرح مزاحمت کر سکیں گے؟
خوارزم شاہ:۔ تم نہیں جانتے .... ہم غزنی سے اس لئے نہیں جا رہے ہیں کہ یہاں تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تاتاریوں کا مقابلہ کریں تو ضرور ہم ہر جگہ مقابلہ کر سکتے ہیں، یہاں بھی، وہاں بھی کہیں بھی — بات جو کچھ ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ترمذ میں ہمیں تیاری کا زیادہ موقع مل سکے گا، اس وقت جو کچھ سوال ہے وہ صرف یہی ہے اور کچھ نہیں،
معین الدین:۔ بہتر ہے — یہی سہی!
خوارزم شاہ:۔ ایک بات جنگی نقطۂ نظر سے اور بھی قابل غور ہے
معین الدین:۔ وہ کون سی بات جہاں پناہ؟

خوارزم شاہ: تاتاری موجودہ حالت میں جس تیزی کے ساتھ یہاں آ سکتے ہیں، وہاں نہیں آ سکتے لہٰذا ہم اپنے جنگی نقشہ پر اعتیاط سے عمل درآمد کر سکیں گے

معین الدین: امیر المومنین نے جواب صاف دیا، جہاں پناہ میں سوچتا ہوں کسی اور معاصر فرمانروا سے کیوں نہ ہم دستگیری کی التماس کریں؟

خوارزم شاہ: تم امیر المومنین کے انکار سے ہراساں ہو گئے ہو، ایسا نہیں ہونا چاہیئے امیر المومنین ہوں یا اور کوئی بزرگ اب ہم کسی سے امداد کی درخواست نہیں کریں گے، خدا کافی ہے، اگر ہم حق پر ہیں تو پھر وہ ہماری مدد کرے گا ناحق پر ہیں تو پھر ہمیں مٹ ہی جانا چاہیئے:

معین الدین: حق اور ناحق کا فیصلہ میدان جنگ میں نہیں ہوتا جہاں پناہ!

خوارزم شاہ: کہنا کیا چاہتے ہو تم ......؟

معین الدین: غلام یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ ہم ضرور حق پر ہیں لیکن میدان جنگ میں فیصلہ جو ہوتا ہے وہ صرف قوت و طاقت کے بل پر ہوتا ہے، اگر ہم کمزور رہیں تو ہاریں گے طاقتور رہیں تو جیتیں گے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

یہ فطرت کا اٹل قانون ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔

خوارزم شاہ: لیکن خود فطرت تو بدل سکتی ہے، اور جس نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ عہد اول میں مسلمان اپنی بے بضاعتی کے باوجود کمی تعداد کے باوجود، قلت اسلحہ کے باوجود اپنے سے کئی گنا افواج کے مقابلہ میں اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور حکومتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے

کہاں ایران کی عظیم الشان حکومت کہاں عرب کے صحرا نشین کہاں روم کی وسیع و عریض مملکت، کہاں عرب کے بادیہ نشین۔ لیکن وہ جیتے یا نہیں؟

معین الدین:- لیکن وہ مسلمان اب کہاں ہیں؟

خوارزم شاہ:- ہاں نہیں ہے۔ لیکن خدا کی رحمت کیا تم اس سے کبھی مایوس ہو؟ جاؤ ہمت سے کام لو اور ترنت چلنے کی تیاریاں کرو ...... شاباش

ترمذ کا انجام

خلیفہ ناصر الدین اللہ کے انکار اور معاندانہ رویہ نے بہتوں کو سراسیمہ اور حواس باختہ کر دیا لیکن جلال الدین خوارزم شاہ کی جبین استقامت پر بل بھی نہیں آیا، یہ بات نہیں تھی کہ اس واقعہ کا اسے صدمہ نہ ہوا ہو، اسے صدمہ ہوا، اس کے دل کو تکلیف پہنچی اس کے جذبات مجروح ہوئے لیکن اس کی عزیمت اور اتفاقات میں جنبش نہیں ہوئی اس نے اپنے دل سے کہا

یہ میری حماقت تھی کہ میں نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا، غیر اللہ سے مدد چاہی، غیر اللہ کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھا۔ مجھے اسوقت کی سزا مل گئی اب میں صرف خدا سے لو لگاؤں گا۔ اسی سے مانگوں گا، اسی کے حضور میں سر جھکاؤں گا، اور اسی سے صرف اسی سے امداد و اعانت کی التجا کروں گا، وہ خدا ہی تو ہے جو سب کی مدد کرتا ہے۔ ناصر الدین اللہ بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا وہ بھی اسیوقت تک مسند آرائے خلافت ہے جب تک خدا کی مرضی ہے، پھر میں اسکے سامنے دست طلب دراز کروں جنہیں وہ دیتا ہے جس کے وہ محتاج ہیں اسی سے کیوں نہ مانگوں جو سب کا پالنہار ہے

جو سب کو دے سکتا ہے، جو خود کہتا ہے مجھ سے مانگو میں دوں گا پھر اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا در چھوڑ کر دوسرے بندوں کے سامنے میں گڑگڑاؤں اور مانگوں؟ اس خیال نے جلال الدین کے عزم میں اور تیزی پیدا کر دی۔ کتنی عجیب بات ہے جو واقعات دوسروں کو حواس باختہ اور سراسیمہ کر دینے کیلئے کافی تھے وہی واقعات خوارزم شاہ کے عقیدے اور ایمان میں پہلے سے کہیں زیادہ استحکام پیدا کر دیتے تھے

دوسری طرف چنگیز تھا! ——— جو طوفان رعد و برق کی طرح کڑکتا، چمکتا رواں دواں تھا۔ اسے اگرچہ خوارزم شاہ کی تلاش تھی، اگرچہ وہ خوارزم شاہ کا دشمن تھا، اگرچہ خوارزم شاہ کو قتل کرنا اس نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا لیکن خوارزم شاہ اصل مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا، اصل مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کیا جائے، اسلامی سلطنتوں کو ختم کیا جائے، مسلم فرمانرواؤں کو تہ تیغ کیا جائے اور یہ مقصد جلال الدین خوارزم شاہ کو قتل کئے بغیر بھی بدرجہ اتم اسے حاصل ہو رہا تھا وہ بدستور آگے بڑھ رہا تھا!

اور اب ایک عجیب بات پیدا ہو گئی تھی ....!

چنگیز اگر خوارزم شاہ کا تعاقب کر رہا تھا، تو خود خوارزم شاہ بھی چنگیز کا تعاقب کر رہا تھا، یہ دوسری بات تھی کہ چنگیز کے پاس سب کچھ تھا اور خوارزم شاہ کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کے پاس ساز و سامان جنگ ضرورت سے بہت زیادہ تھا اور دوسرے کے پاس ضرورت سے بہت کم، لیکن جو تندی پہلے میں تھی وہی دوسرے میں بھی، چنگیز دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دوڑ رہا تھا جو ملک جو شہر جو قریہ سامنے آجاتا تھا، خواہ وہاں جلال الدین ہو یا نہ ہو وہ اسے زیر نگیں کر لیتا، اور ضروری بند و بست کر کے پھر آگے بڑھ جا

تھا اس کے جانے ہی خوارزم شاہ وہاں پہونچتا تھا اور اس کے سارے انتظامات کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا تھا!

وہ جس طرف کا رخ کرتا تھا، جلال الدین مقابلے کے لئے موجود ملتا تھا!

چنگیز نے خوارزم شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے اپنے تمام ذرائع اور وسائل ختم کر دیئے اپنی ساری دولت داؤں پر لگا دی اپنا ٹڈی دل لشکر لے کر مقابلے کی ہوس میں پیش قدمی کرتا رہا۔ اور فتوحات حاصل کرتا رہا،

لیکن وہ جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست نہ دے سکا وہ جلال الدین کے حوصلہ کو نہ ہرا سکا،

وہ جلال الدین کی خودداری، عزت نفس، شجاعت اور دلیری کو مجروح نہ کر سکا چنگیز کا غصہ بڑھتا جاتا تھا ——— ہر ناکامی پر وہ، دریا وہ غضبناک ہو جاتا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں وہ غصہ سے اپنی بوٹیاں نوچنے لگتا، یہاں تک کہ وہ ترمذ پہونچا!

ترمذ...... وہ خاک پاجو ایک علم کدہ تھا، جہاں مشائخ تھے، علماء تھے فضلاء تھے، واعظ تھے، شرفاء اور سادات کرام تھے، امراء اور صلحاء تھے ——— جس کے تمدن، تہذیب اور ثقافت میں ایک بانکپن تھا، ایک شان تھی، ایک دبدبہ تھا!

لیکن یہ ساری خصوصیتیں چنگیز کیلئے بے معنی تھیں وہ ان چیزوں کا نہ قدر دان تھا نہ اداشناس اسے ایک شاندار عمارت کے ڈھانے میں وہی لطف آتا تھا جو ایک معمار کو کسی شاندار عمارت کے بنانے میں آتا ہے، اس کے نزدیک انسانی زندگی کی بھی کوئی قیمت نہ تھی، وہ تمام لوگ جو اس کی قوم سے باہر تھے صرف اسیئے تھے کہ

کہ ہلاک کر دیئے جائیں یا غلام بنا لئے جائیں! وہ نہ خدا کو مانتا تھا، نہ اسکی عبادت کرتا تھا۔
لہٰذا نہ وہ خدا پرستوں کا لحاظ کرتا تھا۔ نہ عبادت گاہوں کا احترام، وہ ترذ میں آیا
ان لوگوں کو جو اس کے ملک میں کوئی نہ کوئی کارِ غلامی انجام دے سکتے تھے، ان عورتوں
کو جو ابھی بوڑھی نہیں ہوئی تھیں غلام اور کنیز بنا لیا، باقی جتنے لوگ تھے، ان سب کو حسب
معمول ایک میدان میں جمع کیا اور تہ تیغ کر دیا، عورتوں کی چیخیں، بچوں کے نالے، بوڑھوں
کی فریادیں آسمان کو تہ و بالا کر رہی تھی کنگرۂ عرش کو ہلا رہی تھیں، لیکن چنگیز پر ان
ولدوز اور جگر فگار منظر کا کوئی اثر نہیں تھا وہ صرف مسکرا رہا تھا اس کے نزدیک قتل عام
ایک دلچسپ منظر تھا جس کی داد مسکرا کر ہی دی جا سکتی تھی
کس میں ہمت تھی کہ چنگیز کے سامنے شفیق بن کر حاضر ہوتا۔ کس میں حوصلہ تھا کہ
اس سے جاں بخشی کی التجا کرتا؟ اس کا فرمان فوراً نافذ ہوتا تھا چنانچہ یہ فرمان بھی فوراً
نافذ ہو گیا یعنی غلاموں کے سوا تمام لوگ قتل کر دیئے گئے!
چنگیز قہقہے لگا لگا کر قتل عام کا تماشہ دیکھتا رہا!
قتل عام کے بعد چنگیز نے تلوار کی ٹیک لگائے لگائے تمن خاں سے پوچھا۔
"اب تو کوئی باقی نہیں رہا ہے!"
تمن خاں نے جواب دیا۔
"کوئی نہیں ـــــ قتل ہو گئے!
بہت اچھا ہوا ـــــ خس کم جہاں پاک ـــــ لیکن ہم نے سنا تھا
کہ خوارزم شاہ کے اہل و عیال یہاں ہیں، کیا وہ لوگ گرفتار ہو سے؟
تمن خاں: وہ لوگ ہمارے سامنے سے پہلے نکل گئے!

چنگیز خاں:۔ (غصے سے) کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ ہم یہاں حملہ آور ہونے کے لئے آرہے ہیں؟

تمن خاں:۔ نہیں جہاں پناہ ——

چنگیز:۔ پھر وہ کیسے جان بچا کر چلے گئے؟ —— کیا یہ کوئی سازش ہے؟

تمن خاں:۔ ہرگز نہیں میرے آقا ..... کس میں ہمت ہے کہ ہمارے خلاف سازش کا تصور بھی کر سکے!

چنگیز:۔ پھر یہ کیسے ہوا؟ کیا خوارزم شاہ کے اہل و عیال بھی اتنے ہی دانا و بینا اور چالاک ہیں جتنا وہ خود؟

تمن خاں:۔ نہیں میرے آقا یہ بات بھی نہیں .... بات یہ ہے کہ خوارزم شاہ حد سے زیادہ چالاک اور محتاط دشمن ہے ——

چنگیز:۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں، ہمیں اس کا تجربہ بھی ہے!

تمن خاں:۔ بجا ارشاد ہوا —— لہٰذا جس طرح وہ خود ہمیشہ گردش میں رہتا ہے اسی طرح اپنے اہل و عیال کو بھی حضور کے ڈر سے ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے، حضور عالم پناہ کے قبضہ میں وہ یا اس کا کوئی عزیز آگیا تو پھر زندہ نہیں رہ سکتا!

چنگیز:۔ بے شک زندہ نہیں رہ سکتا خوارزم شاہ اور اسکے اہل و عیال زندگی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں،

تمن خاں:۔ بس اسی لئے جس طرح وہ صبح کہیں اور شام کہیں گذارتا ہے اسیطرح

اہل و عیال بھی کبھی کسی شہر میں کبھی اُس شہر میں چھپتے رہتے ہیں تاکہ زد
سے محفوظ رہیں!

چنگیز:۔ لیکن کب تک؟ —— کہاں تک؟

تمن خاں:۔ جب تک ہو سکے جہاں تک بن پڑے،

چنگیز:۔ (ہنس کر) اس طرح خوارزم شاہ ہم سے کہاں تک لڑ سکے گا؟

تمن خاں:۔ (مسکرا کر) بس اب اس کا وقت آیا ہی چاہتا ہے میرا خیال ہے جلد ہی
وہ رومال سے ہاتھ باندھ کر در دولت میں حاضر ہوگا اور جان بخشی کی
التجا کرے گا!

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چنگیز کا ایک سپہ دار ایک نقاب پوش خاتون
کے ساتھ اسی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ چنگیز خاں نے تمن خاں سے کہا۔

چنگیز:۔ یہ کون ہے؟ —— کوئی مسلمان عورت معلوم ہوتی ہے؟

تمن خاں:۔ عالی جاہ یہ کوئی مسلمان ہی عورت معلوم ہوتی ہے ——
لیکن کون ہو سکتی ہے یہ ——؟

اتنے میں وہ سپہ دار، عورت کو لے کر قریب آ گیا اور آداب سے ہاتھ باندھ
کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

چنگیز:۔ تم کس عورت کو پکڑ کر لائے ہو؟ — کیا یہ مسلمان نہیں ہے؟

سپہ دار:۔ آقائے کائنات یہ ایک مسلمان عورت ہے،

چنگیز:۔ ہاں —— یہ ہم نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا لیکن اگر یہ مسلمان
عورت ہے تو قتل ہونے یا کنیز بننے سے کیوں بچ گئی؟

سپہ دار:۔ یہ ابھی گرفتار ہوئی ہے آقائے آفاق گیر،

چنگیز:۔ ابھی ـــ ؟ کہاں ملی یہ تمہیں ؟

سپہ دار:۔ یہ تو حضور کو معلوم ہوگا خوارزم شاہ کے اہل وعیال یہاں تھے لیکن بھاگ نکلے ـــ

چنگیز:۔ (بیتابی سے) تو کیا یہ انہی میں سے ہے ؟

سپہ دار:۔ میرے آقا !

چنگیز:۔ تم نے اسے گرفتار کر لیا؟

سپہ دار:۔ میرے آقا! ـــ !

چنگیز:۔ بہت اچھا کیا ـــ دیکھو تمن خاں جو کام تم سے نہ ہو سکا وہ ہمارے ایک سپہ دار نے کر لیا ..... شاباش تم انعام کے مستحق ہو تمہیں انعام ملے گا، تم نے بہت اچھا کیا۔ اور بہت بڑا کام کیا !

سپہ دار:۔ غلام اپنے آقا کی جو خدمت بھی بجا لائے اس کیلئے باعث فخر ہے !

چنگیز:۔ ہاں، تمہاری اس مستعدی سے ہم خوش ہوئے ـــ
لیکن یہ عورت خوارزم شاہ کے بارے میں کبھی کچھ بتائی ہے ؟

سپہ دار:۔ بالکل نہیں ... صاف انکار کرتی ہے ؟

چنگیز:۔ صاف انکار کرتی ہے ؟ ـــ یہ ہمت یہ جرأت ؟

سپہ دار:۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن اس کے زبان پر انکار کے سوا کوئی لفظ نہ آیا

چنگیز:۔ اسے ہمارے خیمہ میں پہونچا دو ـــ تمن خاں تم ہمارے پیچھے پیچھے آؤ!

فائقہ چنگیز کے سامنے

چنگیز خیمہ میں پہونچا، کچھ خوش بھی تھا، کچھ برہم بھی ـــ خوش اس پر تھا کہ خوارزم شاہ کا سراغ لگانے میں اس کے عزائم کا اندازہ کرنے میں اسکے پروگرام سے واقفیت حاصل کرنے میں آسانی ہوگی، برہم اس پر تھا کہ صرف ایک عورت کیوں ملی۔ خوارزم شاہ کا پورا قبیلہ کیوں نہ ہاتھ آگیا کہ مطلب براری کے بعد اسکا خاتمہ کردیا جاتا یہی باتیں سوچتا ہوا وہ خیمہ میں پہونچا، وہ عورت بھی سپہ دار کی معیت میں پہونچ چکی تھی ممن خان تو ساتھ ہی تھا۔ چنگیز نے گھور کر عورت پر نظر ڈالی۔ کسی اور پر یہ نظر پڑتی تو شمشیر وتیر کا کام کرتی، اس کا پتہ پانی ہو جاتا، وہ لرزنے لگتا، لیکن یہ عجیب قسم کی عورت تھی اسکے استقلال اور سکون میں ذرہ برابر فرق آیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا یہ ایک مرکب عالم آتش اعظم اور شہنشاہ دنیا کے سامنے نہیں کسی معمولی آدمی کے سامنے کھڑی ہے ـــ خو چنگیز کو بھی اس کے استقلال اور سکون پر حیرت ہوئی۔ اس نے خیال کیا شاید یہ پہچانتی نہیں، جب پہچان لے گی تو لرزنے لگے گی۔ اسنے گرجدار آواز میں کہا

"شاید تم ہمیں نہیں پہچانتی!"

وہ بولی

سپہ دار نے مجھے بتایا تھا۔ آپ چنگیز ہیں!

چنگیز کا پندار ایک معمولی سی عورت نے ایک آبگینہ کی طرح توڑ دیا لیکن چنگیز صرف خونخوار درندہ ہی نہیں تھا، وہ معاملہ فہم سیاست داں اور مدبر بھی تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کرلیا اس کی شامت آئی ہے، سزا پائے گی لیکن زبان پر کوئی ایسا لفظ نہیں لایا جس سے اس کی برہمی کا اندازہ ہوتا!

چنگیز:۔ تیرا نام ——؟

وہ بولی

"مجھے فائقہ کہتے ہیں، یہی میرا نام ہے!

چنگیز:۔ تیرا اور خوارزم شاہ کا رشتہ کیا ہے؟

فائقہ:۔ آقا اور کنیز کا!

چنگیز:۔ غلط —— تیرا حسن وجمال تیری رعنائی وبرنائی، تیرا لباس، تیرا زیور، تیرا رکھ رکھاؤ، تیری وضع قطع، ان سب سے کچھ اور اندازہ ہوتا ہے تو اپنے تئیں چھپاتی ہے لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا؟

فائقہ:۔ میں آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولی، اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان کو جھوٹ کبھی اور کسی حالت میں نہیں بولنا چاہیئے ہمیں اس سے بحث نہیں کہ تو مسلمان ہے یا کافر؟ —— بہرحال اگر کبھی ثابت ہوگیا کہ تو جھوٹ بولی تھی تو ——

ہر سزا کیلئے تیار ہوں۔

چنگیز:۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے چنگیز کا غضب، خدا کا غضب ہوتا ہے۔ اور اسی کی نگاہِ لطف انسان کو فرش سے عرش پر پہنچا دیتی ہے!

فائقہ:۔ ہاں میں نے سنا ہے چنگیز کا غضب قہرِ خداوندی کا نمونہ ہوتا ہے لیکن اس کی نگاہِ لطف کے بارے میں کچھ نہیں سُنا!

چنگیز:۔ (مسکرا کر) ہاں ہماری نگاہ لطف کی شہرت کم ہے ——— لیکن ہم چاہتے ہیں تیرا شمار انہی لوگوں میں جو ہماری نگاہ لطف و کرم سے فیضیاب ہوتے ہیں!

فائقہ:۔ یہ میری خوش قسمتی کی انتہا ہو گی

چنگیز:۔ ہاں ——— واقعی ——— ہم تجھ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں!

فائقہ:۔ کنیز کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ شہنشاہ گیتی پناہ کے حضور میں حاضر ہو اور اسے شرفِ تخاطب سے سرفراز کیا جائے!

چنگیز:۔ واقعی تو سمجھدار، دور اندیش اور معاملہ فہم معلوم ہوتی ہے ——— ہم پوچھنا چاہتے ہیں، خوارزم شاہ کے خاندان میں یہاں کون کون لوگ تھے؟

فائقہ:۔ بیویاں تھیں، لڑکے تھے، خدام تھے۔ بہت سی کنیزیں تھیں!

چنگیز:۔ گویا پورا خاندان یہاں موجود تھا ——— ؟ کیوں؟

فائقہ:۔ جی بجا ارشاد ہوا۔

چنگیز:۔ یہ لوگ یہاں سے کیوں بھاگے؟

فائقہ:۔ خوارزم شاہ کا حکم ہے کہ اس کے اہلِ خاندان کسی ایک شہر میں مستقل طور

پر بود و باش اس پر شور زمانہ میں نہ اختیار کریں بلکہ

چنگیز :۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اقامت گاہ بدلتے رہیں!

فائقہ :۔ جی یہی بات ہے۔

چنگیز :۔ ہمیں معلوم ہے ــــ ہم سن چکے ہیں ــــ!

فائقہ :۔ بس اسی لئے نقل مکانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے آج یہاں کل وہاں!

چنگیز :۔ ہوں ــــ اور خوارزم شاہ خود بھی کبھی کبھی آتا ہے؟

فائقہ :۔ ہاں ــ یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنی معرکہ آرائیوں سے فرصت نکال کر وہ بال بچوں کے پاس جہاں وہ مقیم ہوتے ہیں دو چار روز کے لئے پہونچ جاتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے، دوران سفر میں کوئی امن و عافیت کا دلکشا اور نزہت افزا منظر نظر آجاتا ہے تو وہیں خیمہ زن ہوجاتا ہے، اور بال بچوں کو چند روز کے لئے وہاں بلا لیتا ہے!

چنگیز :۔ تمہیں بھی اپنے پاس نہیں رکھتا ــــ؟ کتنا ناقدرداں شخص ہے۔

فائقہ :۔ شہنشاہ عالم یہ نہ فرمائیے میں تو اپنے آقا کے پاس مستقل طور پر رہتی تھی ــــ

چنگیز :۔ پھر یہاں کیسے چلی آئیں؟

فائقہ :۔ کچھ دنوں سے میری طبیعت خراب تھی، کچھ حرارت سی رہنے لگی تھی، تو میرے آقا نے میری مرضی کے خلاف تبادلۂ آب و ہوا کے لئے مجھے یہاں بھیج دیا تھا

چنگیز :۔ تمہاری مرضی کے خلاف؟ ــــ تم کیوں آنا نہیں چاہتی تھیں!

فائقہ :۔ میری خوشی اسی میں تھی کہ وہیں رہوں، لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات آتا کا حکم ٹال نہ سکی، یہاں چلی آئی، جب آئی تو دل دھڑک رہا تھا آنکھ پھڑک رہی تھی ــــ

چنگیز خاں :۔ (مسکرا کر) نتیجہ یہ ہوا کہ صحت تو کیا تمہی تم گرفتار ہو گئیں؟

فائقہ :۔ (باچشم پرنم) جی اور کیا!

چنگیز خاں :۔ (دلدہی کے لہجہ میں) نہیں تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے پائے گی، یہاں تمہیں وہی راحت ملے گی جو خوارزم شاہ کے ہاں ملتی تھی!

فائقہ :۔ عنایت، بندہ پروری ــــ!

چنگیز خاں :۔ بلکہ یہاں تم کو وہاں سے زیادہ آزادی، عزت اور مسرت حاصل ہوگی!

فائقہ :۔ یہ میری خوش نصیبی کی معراج ہے۔

چنگیز خاں :۔ ہاں تم کچھ بیمار بھی تو تھیں ــــ حرارت آتی ہے تمہیں؟

فائقہ :۔ جی یہی شکایت ہے کنیز کو!

چنگیز خاں :۔ ہم تمہارا علاج کرائیں گے۔ ہمارا طبیب خاص تمہارا معائنہ کریگا۔

فائقہ :۔ لیکن اب تو میں اپنے آپ کو تندرست اور توانا محسوس کرتی ہوں،

چنگیز خاں :۔ (مسکرا کر) یہ ہمارے لشکر کی آب و ہوا کا اثر ہے!

فائقہ :۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جہاں پناہ!

چنگیز خاں :۔ تم گانا جانتی ہو؟

فائقہ :۔ بالکل نہیں شہنشاہ گیتی ستاں۔

چنگیز خاں :۔ ناچنا تو ضرور آتا ہوگا تمہیں؟

فائقہ :- یہ فن بھی کنیز کو نہیں آتا شہنشاہ!

چنگیز :- تعجب ہے ——— شاید خوارزم شاہ تمہاری صورت پر ریجھ گیا تھا!

فائقہ :- یہ میں نہیں کہہ سکتی شہنشاہ دو عالم!

چنگیز خان :- اور ہم جانتے ہیں کہ خوارزم شاہ کا انتخاب واقعی بہترین انتخاب تھا۔ اس حسن و جمال کے بعد ضرورت بھی کیا رہ جاتی ہے کسی فن کی؟

فائقہ :- کنیز کیا عرض کر سکتی ہے! ——— آقا کی نگاہ جو چاہے کردے!

چنگیز خان :- یہاں تم اطمینان سے رہو۔ نہ ڈرو، نہ گھبراؤ۔

فائقہ :- شہنشاہ کی اس عنایت بے نہایت کے بعد تو میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے واقعی میں کسی غیر جگہ نہیں ہوں۔

چنگیز خان :- ہاں تمہیں یہی محسوس کرنا چاہیئے۔ اور ہمیں توقع ہے آئندہ تم اور زیادہ یہاں انس محسوس کروگی۔

فائقہ :- خیال تو کنیز کا بھی یہی ہے!

چنگیز خان :- تم یہ بتا سکتی ہو خوارزم شاہ اس وقت کہاں ہے؟

فائقہ :- نہیں شہنشاہ معظم!

چنگیز خان :- (تیکھی چتون سے) کیوں ———؟

فائقہ :- مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہیں اور اگر معلوم ہوتا جب بھی نہ بتاتی۔ مجھے نمک کا پاس ہے میں اپنے آقا سے غداری نہیں کر سکتی! ———!

چنگیز کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے، لیکن وہ خون پی کر رہ گیا!

چال اور چال

چنگیز نے ہر طرح فائقہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام ہوا۔ فائقہ کا سیدھا اور واضح جواب صرف ایک تھا:

"اول تو میں کچھ جانتی نہیں لیکن اگر جانتی بھی ہوں تو بتا نہیں سکتی۔ خوارزم شاہ میرا آقا ہے میں اس کی مخبری نہیں کر سکتی۔ اچھا ہے تلوار سے میری گردن کاٹ دو یا مال و زر سے میری جھولی بھر دو!"

اس قسم کے الفاظ پر چنگیز کا خون کھولنے لگتا تھا۔ اس کا جی چاہنے لگتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دے، لیکن ہر مرتبہ وہ ضبط کر جاتا تھا۔ وہ سوچتا تھا اس کا قتل کر دینا تو ہر وقت ممکن ہے، لیکن اگر یہ قتل کر دی گئی تو خوارزم شاہ کے بارے میں پھر کوئی بات ہرگز نہیں معلوم ہو سکے گی اور اگر زندہ بچ گئی تو پھر ممکن ہے آج نہیں تو کل یہ معلوم ہو جائے۔

فالقصہ آخر چنگیز نے فائقہ تمن غالک کے حوالہ کر دیا۔ اس نے بھی تحریص و ترغیب باقی کچھ نہیں رکھا۔ کہنے لگا۔

تم کتنی بے وقوف ہو، تمہاری سادہ لوحی پر مجھے ہنسی آتی ہے غصہ تو آ نہیں سکتا
چنگیز کو چھوڑ کر تم خوارزم شاہ کی کنیزی پر فخر محسوس کر رہی ہو۔ تم نے یہ نہیں جانا خوارزم
شاہ کا اقبال ڈھل چکا ہے۔ اور چنگیز کا سورج۔ ایک نئی دنیا اجڑ گئی، دوسری دنیا پر
قابض ہے خوارزم شاہ بھاگا جا رہا ہے اور چنگیز اس کا تعاقب کر رہا ہے
خوارزم شاہ کی حکومت اب صرف نام ہی باقی ہے، اور چنگیز دیکھتے دیکھتے آدھی
دنیا پر قابض ہو چکا ہے۔ باقی پر بھی بہت جلد ہو جائے گا ——

فائقہ:۔ ہاں یہ جو کچھ آپ نے کہا میں نے سنا، میں سمجھی، لیکن سوال یہ ہے کہ ان
باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے؟

تمن خان:۔ یہ تم اب تک نہیں سمجھیں؟ —— مطلب یہ ہے کہ خوارزم شاہ کو
چھوڑ دو، اور چنگیز کی بن جاؤ۔ اب اور کیا مطلب ہوتا؟

فائقہ:۔ لیکن یہ مطلب تو خود بخود حاصل ہے!

تمن خان:۔ وہ کس طرح؟ —— ؟

فائقہ:۔ یوں کہ میں آپ کی قید میں ہوں اور اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ
خوارزم شاہ کے پاس واپس جا سکوں!

تمن خان:۔ ہاں ٹھیک کہتی ہو —— لیکن پھر کیوں بیوقوفی سے کام لے رہی ہو؟

فائقہ:۔ میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا، کون سی بیوقوفی سرزد ہوئی مجھ سے؟

تمن خان:۔ بس تو پھر خوارزم شاہ کا خیال نکال دو اور دل سے ہماری اطاعت کر لو

فائقہ:۔ کاش آپ دل دیکھ سکتے!

تمن خان:۔ (کچھ سوچ کر) تو میں یہ سمجھوں کہ تم پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟

فائقہ :۔ اس کا صحیح جواب تو مستقبل ہی دے سکتا ہے لیکن میں صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ مجھے نہ سمجھئے، یا اس سے اچھا ہے کہ مجھے غلط سمجھئے!!

ممن خاں :۔ نہیں ہم تمہیں غلط نہیں سمجھنا چاہتے ــــــ اور فائقہ میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں؟

فائقہ :۔ (پریشان ہوکر) خوشخبری ـــ؟

ممن خاں :۔ ہاں اور اس سے بڑی اور اچھی خبر نہیں ہو سکتی!

فائقہ :۔ (کچھ سوچتے ہوئے) کہئے فرمائیے!

ممن خاں :۔ (مسکراکر) شہنشاہ عالم پناہ چنگیز خاں تمہارے حسن و جمال سے متاثر ہیں اور واقعی تمہارا حسن ہے بھی قیامت کا! ــــــــ میرا خیال ہے وہ تمہیں جلدی اپنی کنیزان خاص کے گروہ میں شمار کریں گے پھر تمہارے عروج کی کوئی انتہا نہیں ہوگی، مجھے بھی تمہارا لحاظ کرنا پڑے گا!

فائقہ :۔ (سنجیدگی سے) لیکن میں اپنے تئیں اس قابل نہیں سمجھتی، کہاں وہ کہاں میں؟ میرے لئے یہ بہت ہے کہ دو وقت کی روٹی اور تن ڈھکنے کیلئے کپڑا ملتا رہے، بس تو آپ تو صرف اس کا انتظام رکھئے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے ـــ!

ممن خاں :۔ (زور سے ٹھٹھا لگاکر) یہ انکسار کا موقع نہیں تمہیں اپنی قسمت سمجھنی چاہیئے، اپنے اوپر نازاں ہونا چاہیئے کہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور کشورکشا تمہارے تیر نظر کا گھائل ہوتا جارہا ہے، دل میں یہ خبر سنکر یقیناً خوشی ہوئی ہوگی لیکن حسینوں کا پندار شہنشاہوں کے پندار سے کم نہیں ہوتا، لیکن

میں کہہ رہا تھا کہ قبل اس کے کہ شہنشاہ فلک بارگاہ کی کنیزوں کے زمرۂ خاص میں داخل کی جاؤ، تمہیں اپنی وفاداری کا ثبوت بھی تو دینا چاہیئے

فائقہ:۔ (انتظار اور اشتیاق کے ساتھ) آپ مجھ سے کیا ثبوت چاہتے ہیں؟

ممتن خاں:۔ ہم تمہیں رہا کر دیں گے، تم خوارزم شاہ کے لشکر میں جاؤ، اور پھر وہاں سے آکر اس کی جنگی تیاریوں اور آئندہ کے پروگرام پر، سپاہیوں کی تعداد اور ساز و سامان جنگ کی کیفیت۔ ان سب باتوں کے بارے میں ہمیں رپورٹ دو۔!

فائقہ:۔ (دل میں خوش ہو کر) لیکن ——— لیکن ———۔

ممتن خاں:۔ لیکن ویکن میں وقت ضائع نہ کرو ——— تم ابھی کہہ رہی تھیں نا کہ تمہیں خوارزم شاہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟

فائقہ:۔ ہاں ——— اور میں نے سچ کہا تھا!

ممتن خاں:۔ یقیناً سچ کہا تھا ——— اس لئے کہ ایک عورت کو جس طرح جنگی امور سے خالی الذہن ہونا چاہیئے تم ویسی ہی تھیں ———

فائقہ:۔ اور کیا ——— بالکل!

ممتن خاں:۔ لیکن اب تمہیں موقع دیا جاتا ہے کہ جاؤ دیکھو، معلوم کرو اور واپس آکر اسی مسند پر با ہزار ان تمکین متمکن ہو جاؤ۔ جو تمہارا انتظار کر رہی ہے، تمہارے انتظار میں سونی پڑی ہے!

فائقہ:۔ (مسکرا کر) صاف معلوم ہو رہا ہے آپ مجھے بناتے ہیں!

ممتن خاں:۔ تم غلط سمجھ رہی ہو، میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور یہ تو دنیا سوا ہے کہ سچ بولنے پر مجبور ہوں!

فائقہ :۔ خیر سچ ہو یا جھوٹ مجھے منظور ہے بس جانے کو تیار ہوں۔
ممن خاں :۔ بڑی اچھی بات ہے کہ تم نے وہ فیصلہ کیا جو میری مرضی کے مطابق ہے لیکن ایک بات یاد رکھو!
فائقہ :۔ وہ بھی کہہ دیجئے کون سی بات یاد رکھوں!
ممن خاں :۔ اگر تم نے دھوکہ دیا تو چنگیز خوارزم شاہ سے زیادہ تمہارا دشمن ہو جائیگا، اور جس کا وہ دشمن ہو جاتا ہے، پھر اسے دنیا میں کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی!
——اسے ایسی ذلت بخش اور عبرت انگیز سزا دی جاتی ہے کہ ماہیان دریا اور مرغان ہوا کی دہشت کے باعث روح قبض ہونے لگتی ہے؛
فائقہ :۔ یہ باتیں تو یہاں آنے سے پہلے ہی مجھے معلوم تھیں!
ممن خاں :۔ میں نے اس لئے یاد دلائیں کہ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔
فائقہ :۔ شکریہ ہے آپ کی اس توجہ اور نوازش کو ہمیشہ یاد رکھوں گی —— لیکن ایک بات مجھے بھی بتا دیجئے۔
ممن خاں :۔ شوق سے پوچھو، ایک نہیں دس۔
فائقہ :۔ کیا شہنشاہ عالم پناہ عورتوں پر بھی رحم نہیں فرماتے؟
ممن خاں :۔ نہیں —— شہنشاہ عالم پناہ کا یہ عقیدہ ہے کہ رحم بہت بڑی انسانی کمزوری ہے، دنیا میں یہ جتنا فتنہ فساد نظر آتا ہے اس لئے کہ رحم نامی ایک زہر موجود ہے جو کام کر رہا ہے، اگر یہ رحم شہنشاہ کو مل جائے تو اس کے بھی دو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، قتل کر دیں اسے۔
فائقہ :۔ لیکن عورت تو بڑی کمزور جنس ہوتی ہے، اس پر ظلم کرنا یا اس سے انتقام لینا

کہاں تک جاتی ہے ؟

ممن خاں:۔ واقعی تم بہت بھولی عورت ہو ——— جب یہ ثابت ہو گئی کہ رحم کمزوری کا دوسرا نام ہے۔ تو پھر یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عورت زد میں آتی ہے یا مرد ! بچہ پر تلوار چلتی ہے یا ———

فائقہ:۔ (کانپ کر) بچہ پر بھی ؟ —— ؟

ممن خاں:۔ تم بچہ کو کہتی ہو ہمارے شہنشاہ جب برہم ہوتے ہیں ، یا پھر یوں انتقام پر تل جاتے ہیں تو وہ جانوروں تک کو ———

فائقہ:۔ (بہت زیادہ سہم کر) جانوروں تک کو ——— جانوروں تک کو —— ؟

ممن خاں:۔ جانور تو جانور ہیں پرندوں تک کو نہیں چھوڑتے ۔ انہیں بھی تیر انتقام کا ہدف بناتے ہیں ، اور وہ پھڑ پھڑاتے رہتے ہیں ، دوران کا کام تمام ہوتا رہتا ہے !

فائقہ:۔ آہ —— یا اللہ رحم !

ممن خاں:۔ پھر وہی لفظ استعمال کیا تم نے جو ہمارے لشکر کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا !

فائقہ:۔ اُف —— اچھا یہ ذکر چھوڑیئے !

ممن خاں:۔ اچھی بات ہے —— تمہارے چہرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ باتیں سنکر کافی سہم گئی ہو آخر عورت ہونا !

فائقہ:۔ ہاں عورت ہوں ، اور یہ سچ کہ ڈر بھی گئی ہوں ، لیکن آپکو شاید یہ نہیں

معلوم، عورت جب نڈر ہو جاتی ہے تو وہ کسی سے نہیں ڈرتی، خواہ شیر ہو خواہ پہاڑ!

ممن خاں:۔ (ہنس کر) لیکن تم تو ان عورتوں میں نہیں ہو؟

فائقہ:۔ یہ نہیں کہہ سکتی ــــ البتہ عورت بہرحال ہوں!

ممن خاں:۔ تمہاری باتیں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں، اچھا اب میں چلوں اور ہاں تو کب تمہارا سفر سامان تیار کیا جائے؟

فائقہ:۔ جب چاہیئے ــــ مجھے آپ ہر وقت پابہ رکاب پائیں گے۔

ممن خاں:۔ کتنے آدمیوں کا دستہ تمہارے ساتھ جائے گا؟

فائقہ:۔ یہ بھی خوب سوال کیا آپ نے ــــ بھلا میں کسی کے ساتھ جاؤں گی؟

ممن خاں:۔ تو اور کیا اکیلی جاؤگی؟ ــــ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

فائقہ:۔ مجھے اکیلے ہی جانے دیجئے، تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ میں بھاگ کر آئی ہوں، سپاہیوں کے ساتھ جاؤں گی تو شبہ ہو جائے گا جاسوس بنا کر بھیجی گئی ہوں!

ممن خاں:۔ شاباش ــــ تم نے اپنی جان بچالی اس وقت!

فائقہ:۔ (حیران ہو کر) وہ کیسے میری جان کو کیا خطرہ لاحق ہو گیا تھا؟

ممن خاں:۔ اگر تم ہمارے سواروں کے ساتھ جانے پر رضامند ہو جاتیں، تو اسکا مطلب ہم یہ لیتے کہ تم بھاگ رہی ہو۔ اور اسی وقت تمہاری گردن اڑا دیتے، لیکن تنہا جانے پر رضامند ہو کر تم نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی تم ہماری وفادار اور مطیع ہو ــــ جاؤ اطمینان سے جاؤ، پھر واپس آؤ اور عیش و عشرت

کی زندگی بسر کرو! — ہاں تو کب؟

فائقہ: جب آپ کہیں، کل سہی، حکم ہو تو آج بھی جا سکتی ہوں!

ممن خاں: نہیں اس قدر جلد نہیں، مجھے شہنشاہ معظم سے بھی مشورہ کرنا ہے، ہدایت لینی ہے پھر تمہیں بھیجنا ہے!

فائقہ: یہ آپ کا کام ہے آپ جانیں، میں کچھ نہیں کہتی، صرف اتنا کہتی ہوں مجھے کسی وقت بھی جانے میں انکار نہ ہوگا!

ممن خاں فائقہ کے رویہ کو دیکھ کر بہت بے دلی اور تشویش کے ساتھ آیا تھا لیکن جب یہاں سے واپس گیا تو بہت ہشاش بشاش تھا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ پورے طور پر مطمئن ہے فائقہ کے رویہ سے۔

دیوانہ ہاتھی

فائقہ صحیح سلامت خوارزم شاہ کے لشکر میں پہونچ گئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی خود
جلال الدین کو اس کی بڑی فکر تھی۔ معین الدین اگرچہ بظاہر اس سے دستبردار ہو چکا تھا
لیکن حالت یہ تھی کہ اس کا اضطراب دیکھا نہیں جاتا تھا۔ فائقہ کی تلاش میں خوارزم شاہ
کے حکم سے مجبور ہو کر اور زیادہ تر اپنے دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر اس نے دیوانہ وار
جد و جہد کی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن وہ نہ ملنا تھی، نہ ملی، آخری مرتبہ
جب ناکامی کی خبر معین الدین کے منہ سے جلال الدین خوارزم شاہ نے سنی تو ایک
آہ سرد بھر کر اس نے کہا۔

خوارزم شاہ:۔ وہ ہم پر قربان ہو گئی —— وفاداری اور جاں نثاری اس پر
ختم تھی!

یہ کہتے کہتے خوارزم شاہ کی آواز بھرا گئی پھر اس نے رکتے رکتے کہا

خوارزم شاہ:۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم کچھ نہ کر سکے۔ اس کی زبان تک کی حفاظت
نہ کر سکے —— کیا اس سے بڑھ کر بھی شرمندگی کی کوئی بات ہو سکتی

ہے ہمارے لئے؟

معین الدین نے باچشم پرنم کہا۔

معین الدین:۔ لیکن میرے آقا، میں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا

خوارزم شاہ:۔ ہاں ہم جانتے ہیں تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا، تمہاری انتھک جد وجہد اور سعی و کوشش کا ہمارے دل پر گہرا اثر ہے، ہم تمہیں مورد الزام نہیں قرار دیتے۔ لیکن اپنے آپ کو بری الذمہ کبھی نہیں قرار دے سکتے، وہ بیمار تھی کمزور تھی تبادلہ آب و ہوا کے لئے ہم نے اسے بھیجا تھا، کیا ہم یہ نہیں کرسکتے تھے کہ خود بھی اس کے ساتھ چلے جاتے، یہ اس کی وفاداری اور جاں نثاری کا کم از کم صلہ ہوتا —— افسوس ہم یہ بھی نہ کرسکے، اور اسی کا ہمیں افسوس ہے!

معین الدین:۔ لیکن اگر آپ تشریف لے جاتے اس کے ساتھ تو کیا ہوتا؟ ہونے والی بات ہر حالت میں ہوتی۔

خوارزم شاہ:۔ ہاں ہوتی —— لیکن اتنا ضرور ہوتا کہ ہمارا بھی یہی حشر ہوتا جو اس کا ہوا، ہم بس اتنا ہی چاہتے تھے، اور کچھ نہیں!

اتنے میں حاجب دوڑا دوڑا آیا۔ اور اس نے اطلاع دی کہ فائقہ آگئی ہے، اور خیمہ کے دروازے پر اذن باریابی کو منتظر کھڑی ہے، یہ سنتے ہی خوارزم شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور حاجب کو کوئی جواب دیے بغیر بجلی کی طرح دروازے پر پہنچا، فائقہ سامنے کھڑی تھی!

جلال الدین اس کی طرف لپکا

۔ تم آگئیں ! ـــ تم آگئیں !

فائقہ :۔ بیتابی کے ساتھ آگے، و خوارزم شاہ کے قدموں پر گر پڑی اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

۔ خدا کا شکر ہے میں اپنے آقا کی خدمت میں پہونچ گئی !

بڑی محبت اور شفقت سے خوارزم شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، اور بڑے التفات بھرے لہجہ میں کہا

۔ ہم نے تمہیں بہت یاد کیا۔ ہم بہت شرمندہ تھے تمہاری گم شدگی پر اور اب تک شرمندہ ہیں کہ تمہاری حفاظت کا بند و بست جیسا چاہیئے تھا نہ کر سکے

فائقہ :۔ نہیں میرے آقا حفاظت کے بند و بست میں کوئی کوتاہی نہیں تھی قسمت کی بات جی گھبرایا، اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کرنے نکل گئی، منظر کچھ ایسا سہانا تھا کہ بڑی دور تک نکل چلی گئی، واپس آئی تو شہر پر چنگیز کا قبضہ تھا !

خوارزم شاہ :۔ تو کیا تم چنگیز کی قید میں تھیں، وہاں سے آ رہی ہو؟

فائقہ :۔ سلطان کی روشن ضمیری نے سب کچھ جان لیا، واقعی میں وہیں تھی اور وہیں سے آ رہی ہوں۔

اب خوارزم شاہ اپنے خیمہ میں پہونچ چکا تھا، اس کے چشم و ابرو کا اشارہ دیکھ کر معین الدین کھسک گیا، اب خیمہ میں بس یہی دونوں تھے۔ خوارزم شاہ نے پوچھا

۔ تمہارا اور چنگیز کا آمنا سامنا ہوا۔

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

فائقہ :۔ جی میرا اور اس کا سامنا ہوا۔ باتیں ہوئی اور اب اسی کے کام سے

آئی ہوں،

خوارزم شاہ:۔ (حیرت سے) اسی کے کام سے آئی ہو؟ .... یہ ہم کس طرح باور کریں؟ کیا اس نے کوئی پیام دے کر تمہیں بھیجا ہے؟

فائقہ:۔ جی نہیں پیام دے کر تو نہیں بھیجا لیکن بھیجا اسی لئے ہے!

خوارزم شاہ:۔ تو کیا جاسوس بنا کر؟

فائقہ:۔ (ہنسکر) جی اسی لئے ———— وہ اب کنیز کا بہت اعتماد کرنے لگا ہے!

پھر فائقہ نے اپنی ساری سرگذشت از اول تا آخر سنادی!۔ جلال الدین بڑے غور اور توجہ سے سنتا رہا، پھر اس نے زیر لب تبسم کے ساتھ پوچھا

خوارزم شاہ:۔ تو پھر اب کب ارادہ ہے واپس جانے کا؟

فائقہ بھی مسکرادی،

فائقہ:۔ جب سلطان والاجاہ کا حکم ہو!

خوارزم شاہ:۔ ہماری ہی جاسوسی کروگی اور ہماری ہی رائے لیکر؟

فائقہ یہ نہ سمجھ سکی کہ خوارزم شاہ یوں ہی ہنسی میں یہ بات کہہ رہا ہے، وہ سمجھی واقعی اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ میں چنگیز کی جاسوس بنکر آئی ہوں، وہ کوئی بات نہ کرسکی، البتہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی، پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

فائقہ:۔ کیا واقعی آپ کا یہی خیال ہے؟

خوارزم شاہ ہنسنے لگا پھر اس نے شفقت اور محبت کے ساتھ کہا۔

خوارزم شاہ:۔ تم کیسی ناسمجھی کی باتیں کرتی ہو فائقہ ؟ بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم تمہیں چنگیز کا جاسوس سمجھیں؟ ـــ ہم تمہیں جانتے ہیں، تمہاری وفاداری کا ہمارے دل پر گہرا نقش ہے، تمہاری جاں نثاری کے ہم قائل ہیں، تم پر تو ہمیں اتنا اعتماد ہے کہ زہر بھی دو تو ہم یہ سمجھیں گے کہ شربت ہے، یہ خیال اپنے دل سے نکال دو، ہم نے ایک بات یوں ہی ہنسی میں کہہ دی تھی ـــ لیکن یہ سوال واقعی غور طلب ہے کہ اب تمہیں چنگیز کے لشکر میں واپس جانا چاہیے یا نہیں؟ نہیں جاتی ہو تو اب اگر کبھی اس کے ہاتھ آئیں تو تو واقعی وہ زندہ نہیں چھوڑے گا!

فائقہ:۔ (بے پروائی سے) میں ایسی موت سے نہیں ڈرتی!

خوارزم شاہ: لیکن ہم یہ کب چاہ سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ تمہیں خطرہ لاحق ہو ـــ عورتوں کو سپر بنانا ہمارا شیوہ نہیں!

فائقہ:۔ (ہراساں ہوکر) تو کیا آپ واپس کر دیں گے کنیز کو؟

خوارزم شاہ:۔ (مسکرا کر) نہیں ـــ تمہیں کوئی چھیننا چاہے تو ہم سینہ سپر ہو جائیں گے، لیکن اگر تم نہ گئیں تو وہ یہ ضرور سمجھے گا کہ تم نے اسے دھوکا دیا۔

فائقہ:۔ سمجھا کرے ـــ میں تو اب اپنے آقا کے پاس سے کہیں نہیں جاتی میری زندگی اور موت جو کچھ ہو گا، وہ یہیں ہو گا!

خوارزم شاہ:۔ (لطف آمیز تبسم سے) ہاں ہم جانتے ہیں کہ تم کتنی ضدی ہو، یہ اندازہ ہم نے اسی دن کر لیا تھا، جب تم نے معین الدین کی درخواست ٹھکرا دی تھی!

فائقہ نے کوئی جواب نہیں دیا، گردن جھکائی اور مسکرانے لگی!

خوارزم شاہ: کچھ یہ بھی معلوم ہے چنگیز کا اب پروگرام کیا ہے؟

فائقہ: یہ تو میں نہیں جانتی، ہاں اس کے سردار اعظم اور نفس ناطقہ تمن خان نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اگر پندرہ دن میں واپس آؤ تو بدخشاں میں، اور مہینہ بھر میں واپسی ہو تو بلخ میں ملنا!

خوارزم شاہ: (کچھ سوچتے ہوئے) ——— تو یہ ہے پروگرام چنگیز خاں کا،

فائقہ: جی ہاں ——— شاید حملہ کرنا چاہتا ہوگا ان جگہوں پر؟

خوارزم شاہ: ہاں۔ ——— یہی بات ہے اس نے ضرور حملہ کا ہی پروگرام بنایا ہوگا اس کی مثال اس دیوانے ہاتھی کی ہے جو جنگل میں چنگھاڑتا چیختا درختوں کو اکھاڑتا، پودوں کو روندتا، جانوروں کو کچلتا، پرندوں پر تلوار کی طرح سونڈ مارتا بھاگتا چلا جاتا ہے، وہ نہ مشرق کو دیکھتا ہے نہ مغرب کو، نہ شمال کو نہ جنوب کو، نہ آبادی کو نہ جنگل کو، نہ دوست کو نہ دشمن کو، اسے بس ایک ہی دھن ہوتی ہے، ناک کی سیدھ بڑھتا رہے اور جو سامنے آئے اسے کچل دے!

فائقہ: یہی تو وہ کر رہا ہے کم بخت،

خوارزم شاہ: لیکن کب تک؟ ——— جب تک خوارزم شاہ موجود ہے یوں سمجھو اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں انکس ہے ——— انکس جو تیز مہاوت کی سی کی طرح ہاتھی کے سر پر پڑتا ہے اور اس کا سارا کس بل نکال دیتا ہے ہاتھی دنیا میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا مگر فیلبان کے انکس سے۔

فائقہ: خدا سلطان کو سلامت رکھے، وہی ہیں جو اس بپھرے ہوئے دیوانے ہاتھی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کو امان نہیں ملتی، یہ جہاں جاتا ہے صفایا کر دیتا ہے۔

خوارزم شاہ: ہاں ــــ اس لیے کہ وہ بزدل ہے!

فائقہ: بزدل ــــ؟ ــــ چنگیز بزدل ہے؟

خوارزم شاہ: بزدل وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے ڈرے، ظلم وہ کرتا ہے جسے مظلوم سے کسی قسم کا خوف ہو ــــ لہٰذا سمجھ لو جو جتنا زیادہ ظالم ہوگا اتنا ہی زیادہ بزدل اور دوں فطرت بھی ہوگا!

یہ فلسفہ فائقہ کی سمجھ میں تو کیا خاک آتا وہ سنتی رہی اور خاموش اپنی جگہ بیٹھی رہی!

خوارزم شاہ کچھ دیر چپ رہا پھر اس نے حکم دیا کہ معین الدین کو طلب کیا جائے وہ فوراً حاضر ہوا خوارزم شاہ نے اپنی اور فائقہ کی ضروری گفتگو کا خلاصہ سنایا اور کہا

خوارزم شاہ: ان دونوں مقامات پر ہم پہونچیں گے، اگر ہم کھُل کر جنگ نہ کر سکیں گے تو شبخون ماریں گے، یا پھر جنگ مغلوبہ لڑتے ہوئے واپس آجائیں گے لیکن یہ گوارہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بلخ اور بدخشاں کو پامال کر دے، وہاں کے مسلمانوں کو قتل کر ڈالے، وہاں کی عمارتوں کو ڈھا دے، وہاں کی رونق آبادی، سرسبزی اور روشنی کا خاتمہ کر دے، اور ہم چپ چاپ بیٹھے رہیں، یہ موقع قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے ــــ کیا تم ہماری رائے سے متفق ہو؟ کیا تم تیار ہو؟

معین الدین: دل وجان سے ——— غلام کب آقا کے ایک اشارہ پر جان کی بازی لگا دینے میں تامل کیا ہے؟ ہم ضرور بدخشاں اور بلخ تک جائیں گے اور جب تک چنگیز کے منہ پر ایک طمانچہ اور نہ لگالیں واپس نہیں آئیں گے!

بدخشاں!

چنگیز کو اور چنگیز سے زیادہ یمن خاں کو یقین تھا کہ فائقہ آئے گی، اور بامراد آئیگی
لیکن چنگیز اپنے پروگرام میں انتظار و تعطل روا رکھنے کا عادی نہیں تھا، اس نے فائقہ سے
کہہ دیا تھا، اگر جلد آؤ تو ہم بدخشاں میں ملیں گے، دیر سے آنا ہو تو ہمیں بلخ میں پاؤ گی!

چنانچہ اپنے پروگرام کے مطابق چنگیز کی فوجیں سب سے پہلے بدخشاں کی طرف
بڑھیں بدخشاں کے لوگ امن پسند تھے دوسرے وہ چنگیز کی ہیبت اور جلالت سے مرعوب
بھی تھے۔ ان کے علم میں تھا کہ یہ انسان نما درندہ کس طرح انسانیت کو صفحۂ ارض سے مٹا دینے
پر تلا ہوا ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چنگیز سے لڑنے اس کا مقابلہ کرنے اور اسے شکست
دینے کیلئے کتنے اور کیسے سامان کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی
کہ دروازہ کھول دیں اور امن و امان کے ساتھ اس کی بالادستی قبول کر لیں تاکہ اس
قتل و غارت سے دوچار نہ ہوں جس کا حال وہ سنتے چلے آ رہے تھے۔ اور جسے سن
سن کر ان کی روح تحلیل ہوتی جا رہی تھی!

اس قرارداد کے مطابق شہر کے اکابر کا ایک وفد چنگیز کے لشکر میں پہنچا، چنگیز

نے خود اس وفد کو شرف باریابی عدیم الفرصتی کے باعث نہ کیا، ممن خاں سے کہا کہ وہی اس سے مل لے۔

ممن خاں نے ارکان وفد سے ملاقات کی، اور نرم لب ولہجہ میں کہا

ممن خاں:۔ شاید آپ لوگوں نے اندازہ کر لیا ہے کہ ہم سے لڑنا خدا سے لڑنا ہے!

وفد کے ایک رکن نجم الدین نے کہا

ہم نے کافی غور و فکر اور صلاح و مشورہ کے بعد یہ طے کیا ہے کہ شہر کے دروازے کھول دیں اور آپ اپنے لشکر سمیت تشریف لے آئیں۔ بشرطیکہ ہماری جان و مال سے تعرض نہ کیا جائے!

ممن خاں نے پر شکن پیشانی کے ساتھ کہا

ممن خاں:۔ ہم شرائط سننے کے عادی نہیں ـــــ ہم لوگ، دسلاطین سے بھی شرط پہ بات چیت نہیں کرتے!

شیخ نجم الدین:۔ اچھا تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ یوں سمجھئے یہ ہماری استدعا ہے گذارش ہے۔ التجا ہے۔ کہ آپ شہر پر قبضہ کر لیں۔ ہمیں جان کی اماں دیں اور سپاہیوں کو ہدایت فرما دیں کہ وہ ہماری آبرو اور دولت سے نہ کھیلیں۔ (یک بیک ممن خاں کھکھلا کر ہنس پڑا)

ممن خاں:۔ ہاں آپ کی یہ استدعا منظور کی جا سکتی ہے!

شیخ نجم الدین:۔ تو ہم جا کر اہالیان شہر کو مطمئن کر دیں؟ انہیں بتا دیں کہ ہماری استدعا قبول ہوئی؟

ممن خاں:۔ ضرور ضرور ـــــ شوق سے بلکہ میں ابھی آپ کو پروانہ امن شہنشاہ عالم

پناہ کی طرف سے عطا کرتا ہوں، اس پروانہ کے بعد ہمارا کوئی سپاہی نہ کسی
گھر میں داخل ہوگا، نہ کسی عورت کو ستائیگا، نہ کسی کے مال پر قبضہ کرے گا
—— بس اتنا ہی نا؟

شیخ نجم الدین:۔ جی ہاں —— بس اتنا ہی، ہم یہی چاہتے ہیں، یہ آپ کی بہت
بڑی نوازش ہے، جس کا ہم دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتے ہیں

تمن خاں:۔ نہیں شکریہ کی ضرورت نہیں،

شیخ نجم الدین:۔ یہ شکریہ میں اپنی طرف سے نہیں، اپنے ساتھیوں کی طرف سے نہیں ان
بے گناہ اور بے خطا شہریوں کی طرف سے ادا کر رہا ہوں، جو آپ کی آمد کی خبر سنکر
موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ وہ بے شمار لوگ ایسی کیفیت میں مبتلا ہیں
جسے صرف عالم نزع سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

تمن خاں:۔ ہم نے آپ کا مطلب سمجھ لیا —— ہم ان کے شکریہ کو قبول کرتے ہیں اور
آپ کی معرفت ان تک اپنا سلام پہونچاتے ہیں۔

اس رسمی گفتگو کے بعد شیخ نجم الدین اپنا وفد لے کر خوش خوش واپس
ہوئے۔ جب وہ جانے لگے تو انھوں نے ایک مرتبہ پھر جھک کر ایک مرتبہ تمن خاں کا اور
تمن خاں کے واسطے سے چنگیز کا شکریہ ادا کیا۔ تمن خاں نے انھیں رخصت کرتے ہوئے
ملاطفت کے لہجہ میں کہا

تمن خاں:۔ ہمارا لشکر کل علی الصباح شہر میں داخل ہو جائیگا!

شیخ نجم الدین مسکرائے اور فرمایا۔

شیخ نجم الدین:۔ بسر و چشم! —— ہم اس کا خیر مقدم کریں گے، اسکے لئے دیدہ و دل

فرش راہ کریں گے۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے وقت کی تعین فرمادی! ــــ میں ابھی جاکر اپنے نقاد رااہالیانِ شہر کو مطلع کرتا ہوں، ہم آپ کا اسی طرح استقبال کریں گے جس طرح ایک معزز مہمان کا استقبال کیا جاتا ہے!

اس آخری گفتگو کے بعد شیخ صاحب اپنے ساتھیوں سمیت شہر واپس پہنچے شہر والوں پر ایک اضطراب کی کیفیت چھائی ہوئی تھی!

"نہ جانے کیا فیصلہ ہوا؟"

"نہ جانے کیا جواب ملے؟"

اور اگر چنگیز نے وفد کی بات سننے سے انکار کردیا تو؟

لیکن شیخ نجم الدین کے پہونچتے ہی ایک سکون سا پیدا ہوگیا!

شیخ صاحب کا انتظار شہریوں کے نمائندے جامع مسجد میں کر رہے تھے

شیخ صاحب نے اپنی ساری گفتگو انہیں لطف لے لے کر اور مسکرا مسکرا کر سنادی، اس گفتگو سے شہر والے مطمئن ہو گئے۔

ایک صاحب نے کہا

"بہت بڑے خطرے سے نجات ملی!"

ایک دوسرے بزرگ نے کہا!

"خدا کا شکر ہے!"

تیسری طرف سے ایک صاحب کی آواز سنائی دی،

"بہتر صورت یہ ہے کہ اس خبر کو ڈگی بجا کر اعلان کردیا جائے تاکہ شہر والوں کا ہراس دور ہو اور وہ آرام کی نیند سو سکیں! ــــ کئی راتیں اسی طرح

جاگتے ہوئے لوگوں کی گذر چکی ہے ـــــ آخر کب تک؟
شیخ نجم الدین نے اس تجویز سے اتفاق کیا، اور فوراً شہر میں منادی کر دی گئی
منادی نے واقعی لوگوں پر سکون کی کیفیت پیدا کر دی اور آرام
کی نیند سو سے ــــــ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ گھوڑے بیچ کر سو گئے!
شہر پر سناٹا چھایا ہوا تھا!
مرد، عورت، بچے سب بے فکری کی نیند سو رہے تھے!
دفعتاً ایسا معلوم ہوا گویا قیامت صغرا برپا ہو گئی!
طرف سے آہ و بکا، فریاد و شیون اور نالۂ جانکاہ کی دلدوز صدائیں
بلند ہو رہی تھیں!
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مقتل میں انسانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہو
اور یہ واقعی قتل عام ہی تو تھا۔
چنگیز کا لشکر بدخشاں میں داخل ہو چکا تھا۔
اسے قطعاً اس کا پاس نہیں تھا کہ یہاں کے شہریوں کو امان دی جا چکی
ہے، گھروں میں، سڑکوں پر، گلیوں اور چوراہوں پر پانی کی طرح انسانی خون بہایا
جا رہا تھا۔ ہو گیا مانند آسیا ارزاں مسلمانوں کا لہو!
شیخ نجم الدین شور و ہنگامہ کی یہ دلگیر صدائیں سنکر اٹھے کہ کسی طرح پروانۂ
امن سپاہیوں کو دکھا کر اس قتل و خون اور کشت و غارت سے باز رکھیں، پروانۂ امن
ان کے ہاتھ میں تھا، اور جب اندر سے وہ گفتگو کر رہے تھے وہ ان سے کہہ رہا تھا
یہ کاغذ ہمارے پاس کیوں لائے ہو ہم پڑھنا کب جانتے ہیں!

شیخ صاحب نے اسے کچھ اور سمجھانے کی کوشش کی لیکن ابھی الفاظ ان کی زبان تک نہیں آئے تھے کہ دفعتاً ایک چمکتی ہوئی تلوار فضا میں بلند ہوئی اور شیخ صاحب کا لاشہ بے سر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس تاتاری افسر کو یہ منظر کچھ اچھا نہ معلوم ہوا یا اتنا اچھا معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا، وہ دو قدم آگے بڑھا اور شیخ کی لاش پر کھڑا ہو گیا۔ مشعلوں کی روشنی میں وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو مختلف قسم کے ہدایات دے رہا تھا۔ لوگ کٹ رہے تھے، پٹ رہے تھے اور وہ اس منظر کو اور زیادہ باہیبت بنانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بچے، بوڑھے، بیمار، تندرست، مرد، عورت سب ہی مولی گاجر کی طرح کاٹے جا رہے تھے! — شیخ نجم الدین کی لاش اس طرح دبی ہوئی تھی کہ اب دھڑک بھی نہیں سکتی تھی — بے زبان شیخ اور اس کی بے زبان نعش بے کفن!

تقریباً صبح تک بدخشاں کے لوگ قتل ہوتے رہے، یہاں تک کہ پو پھٹنے لگی، اندھیرا ابھی چھایا ہوا تھا، مشعلیں اب تک روشن تھیں، لیکن قرینہ یہ بتا رہا تھا کہ اب صبح ہوا چاہتی ہے۔ اور صبح ہو جانے کے بعد سب سے پہلا کام جو یہ فوج کرے گی وہ ہوگا عمارتوں کو ڈھانا، مکتبوں اور مدرسوں اور خانقاہوں کو زمین کے برابر کرنا، مسجدوں میں آگ لگانا، کھیتوں اور کھلیانوں کو روندنا اور پامال کرنا!

لیکن ابھی صبح نہیں ہوئی تھی!

ہاں، صبح کے آثار ظاہر ہو چلے تھے!

دفعتاً برق جہندہ کی طرح جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز کے لشکر پر گرا اور آتے ہی اس نے صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ اب چنگیز کے سپاہی خوارزم شاہ کے ادا اعتنا ہیا

بھ گئے تھے، وہ جان گئے تھے یہ جرأت اور دلیری صرف خوارزم شاہی میں ہے کہ وہ شیروں کا شکار کرتا ہے اور اس وقت کرتا ہے جب شیر خود شکار میں مصروف ہوتا ہے جلال الدین آیا، اور اس کے آتے ہی چنگیز کی صفوں میں تہلکہ پیدا ہو گیا
وہی لوگ جو ابتک بڑے لطف اور دلچسپی سے انسانوں کی گردنیں کاٹ رہے تھے اب خونریزی چاہتے تھے اور میں میدان جنگ میں ان کی گردنیں کاٹی جا رہی تھیں!
اندھیرا چھایا ہوا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دے رہا تھا، لیکن ابھی اتنی تاریکی تھی کہ منہ کو منہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ شپا شپ تلواریں چل رہی تھیں، گردنیں کٹ رہی تھیں، لاشیں گر رہی تھیں، لیکن یہ خبر نہ تھی کہ قاتل کون تھا یا وار کس نے کیا تھا؟
جلال الدین بجلی کی طرح گرا اور آندھی کی طرح صاف نکلا چلا گیا، لیکن اسکے جانے کے بہت دیر بعد تک بھی یہ لشکر آپس میں گتھا رہا، ہر تاتاری سپاہی جب سامنے کے تاتاری سپاہی پر تلوار کا وار کرتا تھا، تو یہ سوچ کر کرتا تھا کہ میں خوارزم شاہی سپاہی پر حملہ کر رہا ہوں لیکن جب گردنیں کٹتی تھیں، اور گرنے والا گرتے گرتے اپنی زبان میں ایک آدھ لفظ کہتا ہوا اٹھتا تھا یہ کیا ہوا؟ ہم نے تو اپنے بھائی بند کو قتل کر دیا۔

صبح ہو چکی تھی اور چنگیز اپنے خیمہ کے سامنے پیکر جلال بنا کھڑا تھا!

بلخ

اہل بدخشاں کے ساتھ چنگیز نے جو بدعہدی کی تھی، قدرت کی طرف سے اس کا بدلہ مل گیا، خوارزم شاہ ٹوٹ کر اچانک اس طرح چنگیز کے لشکر پر گرا کہ اس کے حواس جاتے رہے۔ بہت کافی نقصان پہنچا کر وہ تو حسب معمول چلا گیا، لیکن چنگیز کو غم و غصہ میں مبتلا کر گیا۔ چنگیز کا معمول تھا کہ وہ کسی شہر کو تباہ و برباد کرنے کے بعد کچھ روز وہاں ٹھہرتا تھا، وہاں کی عمارتوں کو ڈھاتا تھا۔ وہاں سے غلاموں اور کنیزوں کی ایک کھیپ تیار کرتا تھا، وہاں کی عمارتوں کو ڈھاتا تھا۔ باقی ماندہ لوگوں کو قتل کرتا تھا، پھر اپنے مستقر پر واپس چلا جاتا تھا یا کسی دوسرے کا منصوبہ زیر عمل لے آتا تھا!

اس مرتبہ وہ اتنا پریشان ہوا کہ وہ ایک دن بھی قیام پذیر نہیں ہوا، جلدی جلدی جتنی عمارتیں ڈھائی جا سکتی تھیں، انہیں منہدم کیا جتنے لوگ قتل کئے جا سکتے تھے، انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھ گیا، وہ چاہتا تھا بدخشاں کا انتقام بھی بلخ سے لے۔ دو منزلوں کو ایک ایک منزل کرتا ہوا وہ بلخ پہنچا اور شہر پناہ کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔ بلخ کے لوگ بدخشاں کے مقابلے میں زیادہ من چلے اور باحوصلہ تھے۔ شہر کے اعیان کی ایک مجلس مشاورت جب اس سلسلہ میں منعقد ہوئی تو

تقریباً متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ چنگیز کا مقابلہ کیا جائے۔ بعض کمزور طبع لوگوں نے چاہا کہ اطاعت و انقیاد اور خراج کے وعدے پر جان کی امان حاصل کر لی جائے لیکن انکی نہ چلی۔ نمائندگان شہر کی اکثریت اس خیال پر مضبوطی سے قائم تھی کہ چنگیز سے صلح کی التجا نہیں کرنی چاہیئے، اس لیے کہ وہ صلح کا احترام نہیں کرتا۔ وعدوں کا پاس نہیں کرتا بے گناہوں کے ساتھ رعایت نہیں کرتا، جب جان دینی ہی ہے تو پھر بہادری سے کیوں نہ موت کا مقابلہ کیا جائے، بزدلوں کی طرح کیوں جان دی جائے!

چنگیز کو امید تھی، یہاں بھی وہی ہوگا۔ جو بدخشاں میں ہوا تھا یعنی کچھ لوگ آئیں گے اور جان و مال کی امان لے کر واپس جائیں گے، تاتاری سپاہی بغیر لڑے بھڑے شہر میں داخل ہو جائیں گے لیکن اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، تین دن گذر گئے مگر شہر والوں کی طرف سے کوئی کسی قسم کی تحریک نہیں ہوئی، لوگ قلعہ بند تھے اور بظاہر اس کا احساس بھی نہیں رکھتے تھے کہ شہر پناہ کے باہر کوئی دشمن خیمہ زن ہے یا نہیں؛ شہر والوں کی یہ بے نیازی دیکھ کر چنگیز کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے تمن خاں کو بلایا اور اس سے کہا

چنگیز خاں:۔ کیا ہم یہاں ستانے اور آرام کرنے کیلئے آئے ہیں،

تمن خاں:۔ (ڈرکر)

نہیں شہنشاہ عالم ہم یہاں شکار کو آئے ہیں، شکار کر کے واپس جائیں گے!

چنگیز خاں:۔ تمن خاں میں بیکار باتیں سننا نہیں چاہتا، صبح مجھ دم شہر پر خوفناک حملہ پوری شدت کیساتھ کر دیا جائے!

ممتن خاں: یہی ہوگا والاجاہ!
چنگیز خاں: اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جنگ طویل ہو، میرے سپاہیوں کو اور افسروں کو مطلع کر دو کہ کل ہی اس جنگ کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے!
ممتن خاں: ایسا ہی ہوگا، شہنشاہ عالم پناہ!
اس گفتگو کے بعد ممتن خاں تو جنگی تیاریوں کے سلسلہ میں باہر چلا گیا، اور چنگیز خاں اپنے خاص خیمہ میں لبستر استراحت پر دراز ہو گیا!

صبح دم جنگ شروع ہو گئی!
اور یہ جنگ واقعی بڑی ہولناک اور خوفناک تھی!
تاتاری سپاہی اپنے آقا کا حکم بجا لانے پر تلے ہوئے تھے، وہ چاہتے تھے چند گھنٹوں کے اندر بلخ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے!
ادھر بلخ کے سرفروش بھی کفن سر سے باندھ کر اٹھے تھے!
یہ جانتے تھے کہ اب ہم زندہ واپس نہیں ہوں گے، موت ہمارے دروازے تک پہونچ چکی ہے اور وہ تنہا واپس نہیں جائے گی!
لیکن یہ جاننے کے باوجود وہ موت سے خائف اور ہراساں نہیں تھے وہ موت کا مقابلہ کرنے نکلے تھے، اپنی آل اولاد، جائیداد جاگیر دولت مال، ہر چیز سے بے نیاز ہو کر وہ لڑ رہے تھے اور اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ تاتاری سپاہیوں کے چھکے چھوٹے جا رہے تھے!
لڑائی کا پہلا دن ختم ہو گیا!

لیکن اس طرح جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا ——— بلخ کے ہزار ہا سورما کٹے پڑے تھے، لیکن ان کے پہلو تاتاری سپاہیوں کی لاشیں بھی نظر آ رہی تھیں، اور ان کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی!

سورج غروب ہونے کے بعد طبل آسائش بج گئے ۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے مستقر پر واپس گئیں!

چنگیز کا خون کھول رہا تھا اس نے جو چاہا تھا وہ نہ ہوا، اور اس سے بڑھ کر اس کیلئے تکلیف دہ بات کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کی مرضی پوری نہ ہو، مگر دیر میں!

چنگیز اتنا برہم تھا کہ اس نے تن خاں اور دوسرے سرداروں سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی، نہ ملامت کی، نہ تعریف کی، خاموش اپنے خیمہ میں بیٹھا رہا، نہ باہر نکلا، نہ کسی میں ہمت تھی کہ وہ باریاب ہونے کی آرزو کرتا!

دوسرا دن شروع ہوا!

آج پھر تاتاری جنگ سر کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کل کی شرمندگی آج کے کارنامے سے دور کرنا چاہتے تھے، اور یہی حال بلخ کے سرفروشوں کا تھا، وہ کل سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ لڑ رہے تھے، آج انکی تعداد کل کے مقابلہ میں کم تھی ۔ لیکن مرنے اور کٹ مرنے کا جوش کل کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا، آج شہدا کی تعداد بھی کل کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اور یہی تعداد تاتاری تھی کہ مرنے والے موت سے نہیں ڈرتے، وہ ہنستے کھیلتے میدان جنگ میں آتے ہیں موت سے بغلگیر ہوتے ہیں اور اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں

دن ڈھلتا جا رہا تھا!

جنگ زور پکڑتی جارہی تھی، مسلمانوں کی تعداد کم سے کم تر ہوتی جارہی تھی، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام کے یہ نام لیوا اب زیادہ دیر تک قوی تر دشمن کی مقاومت زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکیں گے، دن ڈھلتے ڈھلتے نیست و نابود ہو جائیں گے، ان میں سے کوئی بھی نہ بچے گا۔!

چنگیز اس حقیقت کو سمجھ رہا تھا، اس نے تمن خاں سے کہا
"یہی وقت ہے ایک شدید حملہ دشمن کو پارہ پارہ کر دے گا!"

تمن خاں بھی سوچ رہا تھا چنگیز کی شہ پاکر اس نے بڑے زور سے حملہ کیا، اور یہ سوچ کر کیا کہ بس اب مسلمانوں کا خاتمہ ہے!

یکایک گرد کا بگولا اٹھا!

ذرا دیر میں وہ بگولہ چھٹا تو ہزار ڈیڑھ ہزار سواروں کا ایک گروہ اسی طرف آتا نظر آیا، دیکھتے دیکھتے یہ گروہ قریب آگیا اور جنگ کے میدان میں اس نے اپنا وزن بلخ والوں کے حصہ میں ڈال دیا۔

یہ خوارزم شاہ تھا!

یہ خوارزم شاہ کی سپاہ خاصہ تھی!

ان ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے ایسی جیداری سے مقابلہ کیا کہ بڑھتے ہوئے تاتاریوں کے قدم رک گئے، جیتتے ہوئے تاری ہارنے لگے! — جو بازی تقریباً سر ہو چکی تھی، وہ پھر ——

دفعتہً چنگیز چنگھاڑا۔

"خبردار! یہ خوارزم شاہ ہے — نہ یہ بچے نہ اس کا کوئی سپاہی!"

یہ چنگیھا رنہ تھی بجلی کی قوت تھی، جس نے تاتاری سپاہیوں کے رگ و پے میں ایک نئی تڑپ پیدا کر دی، ان کا حملہ در شدت اختیار کر گیا، لیکن خوارزم شاہ کے عزم کو پامال نہ کر سکا، تاتاری مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے، یہ ہزار ڈیڑھ ہزار خوارزم شاہی سپاہی جس طرف نکل جاتے تھے پرے کا پرا صاف کر دیتے تھے، جو ان کے سامنے آجاتا تھا وہ زندگی سے ہاتھ دھونے پر مجبور ہو جاتا تھا!

یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا ـــــ لیکن جنگ جاری رہی!

رات ہو گئی لیکن جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا۔

اب چنگیز خود میدان جنگ میں تھا اور اپنے سپاہیوں کو بڑھاوے دے رہا تھا!

۶

خوب اچھی طرح تاریکی پھیل جانے کے بعد جنگ ختم ہوئی!

اب تھا کون جس سے تاتاری جنگ کرتے جس کا گلا کاٹتے، جو لڑنے کی سکت رکھتے تھے وہ کام آ چکے تھے! چنگیز نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا، فوراً اپنی فوج کے ساتھ بلخ میں داخل ہو گیا، اور اس کے داخل ہوتے ہی وہ سب کچھ ہوا جو تاتاریوں کے داخلے کے وقت ہوا کرتا تھا، پہلے بھی بدخشاں کا بدلہ وہ بلخ والوں سے لینے کا فیصلہ کر چکا تھا اور اب تو اہل بلخ نے مقابلہ کر کے اس کی آتش غضب اور بھڑکا دی تھی! اور پھر بالائے ستم یہ کہ خوارزم شاہ بھی پہونچ گیا!

رات بھر قتل و غارت، انہدام اور تخریب کا سلسلہ پوری سفاکی اور درندگی کے ساتھ جاری رہا، دوسرے دن صبح جب سورج طلوع ہوا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، کل شام جب وہ غروب ہوا تھا تو بلخ اپنی جگہ پر موجود تھا . . . . اس کی بلند

وہاں اور شاندار عمارتیں موجود تھیں، اس کے زندہ دل اور خوش باش لوگ موجود تھے۔ اس کی خانقاہ اور مسجدیں موجود تھیں۔ اس کے مکاتب اور مدارس موجود تھے، بازاروں میں چہل پہل تھی، گھروں میں رونق تھی، لوگوں میں زندگی اور زندہ دلی کے آثار موجود تھے ــــ اور آج جب بارہ گھنٹے کے بعد طلوع ہوا تو کچھ نہ تھا!

سب کچھ ختم ہو چکا تھا ــــ نہ آبادی تھی، نہ رونق، نہ چہل پہل تھی، نہ زندگی، نہ زندہ دلی تھی، نہ آثار حیات، نہ عمارتیں تھیں، نہ مکانات، نہ مسجدیں نظر آ رہی تھیں، نہ خانقاہیں،

یا اللہ یا اللہ۔ یہ کیا ہو گیا؟ ــــ سورج نے اپنی جہاندیدہ آنکھوں سے از آدم تا ایں دم نہ جانے کتنے اور کیسے ہوشربا اور ولدوز مناظر دیکھے تھے اور لٹے سے مٹ بھی نہیں ہوا تھا!

چشم ما بسیار ازیں خواب پریشاں دیدہ است!

لیکن آج اس کا جی جاہ رہا تھا کہ رو دے۔ شاید اسی لئے گرد و غبار کی اوٹ میں اس نے پناہ لے لی تھی۔ موجود تھا لیکن نظر نہیں آ رہا تھا!

اس گرد و غبار کی اوٹ سے وہ جھانک جھانک کر ان لاشوں کو ضرور دیکھ رہا تھا جنہیں ہر روز وہ بلخ کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں چلتے پھرتے دیکھتا تھا، جن کے سرخ و سفید چہروں کو دیکھ کر خود اس میں ایک امنگ پیدا ہو جاتی تھی، ان کی بہادری اور شجاعت کے مناظر دیکھ کر وہ ایسا محسوس کرتا تھا جیسے خود بھی وہ ان کی نشاط و مسرت کا حصہ دار ہے ــــ لیکن آج ان کی گردنیں کٹی ہوئی

بیٹھیں، ان کے گھر مٹے ہوئے تھے۔ ان کے اہل و عیال قتل کئے جا رہے تھے یا لونڈی
اور غلام بنائے جا رہے تھے! شاید وہ بارگاہ الٰہی میں یہ دریافت کرنے کے لئے گئی کہ ان
اسلام پرستوں کی خطا بھی کیا تھی، جس کی یہ سزا ملی۔ وہ قبل از وقت روپوش ہو گیا

آج سورج گرہن تھا!
مکمل گرہن!!

معراج آرزو

جلال الدین خوارزم شاہ کی ان پے بہ پے اور تابڑ توڑ یلغاروں سے چنگیز خاں پریشان ہوگیا! ـــــ اس نے خیمۂ خاص میں مجلس مشاورت منعقد کی، غضب کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا تھے، اس نے تمن خاں سے مخاطب ہوکر کہا

چنگیز خاں:۔ اتنے دنوں سے ہم ممالک اسلامیہ پر لگاتار یورش کر رہے ہیں، اتنے دنوں سے خوارزم شاہ ہمارے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر لڑ رہا ہے۔ اتنے دنوں سے ہم اس سے برسرپیکار ہیں۔ لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس طرح تابڑ توڑ اس نے ہمارے لشکر پر یورش کی ہو، جانتے ہو یہ کس کی حرکت ہے؟

تمن خاں سہم گیا، اس کا چہرہ سفید پڑ گیا، اس کی آواز میں لرزش پیدا ہوگئی

تمن خاں:۔ شہنشاہ عالم پناہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے، وہ روشن ضمیر ہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں!

چنگیز خاں:۔ یہ فائقہ کی حرکت ہے ـــــ وہ یہاں سے جاسوس بن کر گئی اور وہاں جاکر اس نے ہماری جاسوسی کی، یہ اسی کو معلوم تھا کہ ہم بدخشاں

اور بلخ کو تاخت و تاراج کرنے جا رہے ہیں، وہی جانتی تھی، اسے ہم سے کہاں ملنا چاہیئے، وہ ملنے نہیں آئی، خوارزم شاہ کو اس نے بھیج دیا۔

تمن خاں: بے شک یہ اسی کی حرکت ہے!

چنگیز خاں: (غصہ سے) یہ بھی کہو، اسی کی حرکت ہے اور نا قابل معافی حرکت ہے!

تمن خاں: بے شک میرے آقا یہی بات ہے — جس طرح خوارزم شاہ اب کسی رحم کا مستحق نہیں اسی طرح یہ عورت بھی اپنے تئیں ہر عقوبت کا سزاوار بنا چکی ہے!

چنگیز: میں اپنا پروگرام ملتوی یا منسوخ کرنے کا عادی نہیں، ہم آج خراساں کی طرف بڑھ رہے ہیں، وہاں سے طالقان جائیں گے، پھر بامیان کا ارادہ ہے اپنے جاسوسوں کو حکم دو کہ ہر قیمت پر فائقہ کو خوارزم شاہ کے لشکر سے پکڑ لائیں چرالائیں، بامیان فتح کرنے کے بعد کچھ ہم وہاں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں، وہیں فائقہ کی قسمت کا فیصلہ ہوگا!

تمن خاں: سرکار والا تبار، میں یقین دلاتا ہوں کہ بامیان پہونچنے سے پہلے ہی ہم فائقہ کو حاصل کرلیں گے، ممکن ہے اس کی قسمت کا فیصلہ خراسان یا طالقان ہی میں کیا جا سکے!

اور جس وقت چنگیز اور تمن خاں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، فائقہ اپنے خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھی، رو رو کر، گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے معبود سے دعائیں مانگ رہی تھی

— اے دلوں کا بھید جاننے والے معبود میرا وجود ناکارہ ہے، کوئی قدر نہیں رکھتا، قسمت نہیں رکھتا، میں دنیا سے اٹھ جاؤں تو زمین کا ایک بوجھ کم ہوگا، دنیا میں کوئی

کمی نہیں آئے گی، دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، بار الٰہا سے بھلا اٹھا لے، لیکن اپنے مجاہد بندے خوارزم شاہ کو بچا لے، اسے زندہ رکھ وہ چنگیز سے اس لئے نہیں لڑ رہا ہے کہ اپنی بادشاہت چاہتا ہے اس لئے لڑ رہا ہے کہ وہ تیرا دشمن ہے تیرے دین کا دشمن ہے تیرے پرستاروں کا دشمن ہے، تیرے آخری پیام قرآن کا دشمن ہے، مسجدوں، مدرسوں اور مکتبوں کا دشمن ہے، وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتا ہے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے، کوئی ایسی نشانی اس دنیا میں باقی رہنے دینا نہیں چاہتا، جو تیری اور تیرے دین کی یاد دلانے والی ہو، اور چنگیز بے نکیل بیل کی طرح سرزمین عالم پر گھوم رہا ہے جس سے نبرد آزما ہوتا ہے وہ گردن جھکا دیتے ہیں جن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، وہ عیش پرستیوں، سرمستیوں اور رنگ رلیوں میں سب کچھ فراموش کئے ہیں، نہ فکر امروز نہ غم فردا بس ایک یہ تیرا اکیلا بندہ خوارزم شاہ ہے جو صرف اس لئے زندہ ہے کہ چنگیز کو اور اس کی شیطانی قوت کو نیست و نابود کر دے تاکہ اسلام قائم رہے مسلمان زندہ رہیں، تیرے آخری پیام قرآن کی تبلیغ ہوتی رہے، اے معبود اگر خوارزم شاہ مرگیا تو چنگیز بے لٹے کھرے مسلمان ممالک پر قابض ہو جائے گا، یہی ایک سنگ گراں ہے جو اس کی راہ میں حائل ہے، اس کے بعد کوئی روک باقی نہ رہے گی، وہ بیل بے زنجیر کی طرح بے روک ٹوک بڑھتا رہے گا اور مسلم حکومتوں کا تختہ الٹتا رہے گا، میرے معبود میرے مالک، میرے رب رحم فرما، خوارزم شاہ کو اچھا کر دے، وہ بلخ کے معرکوں سے زخمی ہو کر آیا ہے، کسی سفاک تاتاری کی تلوار نے اس کے سر اور شانہ کو زخمی کر دیا ہے، خون بہ کر رستا ہی رہتا ہے، کمزوری سے کر بڑھتی ہی جاتی ہے، وہ آفتاب کی طرح روشن اور تابناک چہرہ کملا تا جا رہا ہے، ماند پڑتا جا رہا ہے، اگر وہ نہ رہا تو

کیا ہوگا میرے معبود ؟ نہیں نہیں میری جان لے لے ۔لیکن اسے زندہ رکھ، اسے زندہ رہنا چاہیئے !

یہ دعا مانگتے مانگتے فائقہ پھوٹ پھوٹ کر سجدہ ہی میں پڑے پڑے رونے لگی، جب ذرا طبیعت سنبھلی تو وہ خوارزم شاہ کے خیمہ میں پہونچی، سراور شانہ پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، اور وہ سو رہا تھا، جب سے بلخ کے معرکہ سے وہ زخمی ہو کر آیا تھا، فائقہ نے اس کی تیمار داری میں دن رات ایک کر دیئے تھے، صبح شام اسکی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی تھی، یوں تو معین الدین اور دوسرے مقربان بارگاہ بھی ہر وقت اس دوا دوش میں لگے رہتے تھے لیکن فائقہ کی بات ہی اور تھی اس نے تو واقعی اپنے آپ کو ہلکان کر دیا تھا، ان چند دنوں میں اس کی آب جاتی رہی تھی، اسکی رعنائی میں فرق آ گیا تھا، وہ نڈھال ہو گئی تھی اور بیمار معلوم ہو رہی تھی، کبھی کبھی دوسروں کے اصرار سے مجبور ہو کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے خیمہ میں چلی جاتی ۔لیکن یہاں پہونچ کر بھی آرام نہ کرتی، مصلے بچھاتی اور سجدہ میں گر پڑتی ۔

خوارزم شاہ نے فائقہ کی چاپ سن لی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر آنکھیں بند کر لیں، فائقہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی، ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ کیا، ہاتھ ہاتھ میں لیکر نبض دیکھی، پھر اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھ گئی ،تھوڑی دیر کے بعد خوارزم شاہ کے منہ سے آواز نکلی،

پانی ـــــ پا ـــــ

فائقہ بجلی کی سی تیزی اور سرعت کے ساتھ اٹھی ،اس نے جملہ پورا بھی نہ ہونے دیا فوراً پانی لیکر اپنے آقا کی بالیں پر پہونچ گئی ۔خوارزم شاہ کو اس نے سہارا دے

کر پانی پلا یا اور پھر اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھ گئی ، خوارزم شاہ نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا،

خوارزم شاہ:۔ فائقہ ـــــ یہاں آؤ، قریب، بالکل پاس!

وہ بالکل قریب آکر بیٹھ گئی!

خوارزم شاہ:۔ بیمار ہم ہیں لیکن چہرہ تمہارا اترا ہوا ہے ـــــ کیا تم بھی کچھ بیمار ہو؟

فائقہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اس نے کیفیت پر بمشکل غالب آتے ہوئے کہا

فائقہ:۔ کنیز کی زندگی آقا کی زندگی سے الگ نہیں ہوتی، آقا کی خوشی سے وہ خوش ہوتی ہے، آقا بیمار پڑتا ہے. تو وہ بھی اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگتی ہے اور پھر آقا بھی کیسا؟ جیسے آپ!

خوارزم شاہ:۔ (مسکرا کر) کیا بات ہے ہم میں؟

فائقہ:۔ جو دوسروں میں نہیں ،

خوارزم شاہ:۔ نہیں فائقہ ہمیں اپنی کمزوریاں معلوم ہیں یہ تمہاری محبت اور شرافت ہے کہ کمزوریاں نہیں دیکھتیں خوبیوں پر ہی ـــــ اگر وہ ہوں ـــــ نظر رکھتی ہو!

فائقہ:۔ لیکن میرے آقا، آپ کی تعریف تو دشمن بھی کرتے ہیں، دشمن بھی جس کی تعریف پر مجبور ہو جائیں، کیا اس میں کمزوریاں ہو سکتی ہیں؟

خوارزم شاہ:۔ ہاں ہو سکتی ہیں، میں جب اپنی کمزوریوں کو یاد کرتا ہوں تو مجھے شرم آنے لگتی ہے اپنے آپ سے!

فائقہ :۔ نہ جانے کس کمزوری کا آپ ذکر فرما رہے ہیں؟
خوارزم شاہ :۔ وہ تمہیں بھی یاد ہوگی۔ بلکہ نقش ہوگی تمہارے قلب نازک پر!
فائقہ :۔ میرے آقا میں اب تک نہیں سمجھی کہ آپ کس کمزوری کو یاد کر رہے ہیں؟
خوارزم شاہ :۔ ہم ایک روز تمہیں معین الدین کو بخشے دے رہے تھے۔ اور شاید اسی روز
ہم تمہیں آزاد کرنے پر بھی تل گئے تھے ——— یہ ہماری سب سے
بڑی کمزوری تھی۔ شاید ناقابلِ معافی ——— سچ کہو فائقہ کیا تم نے
معاف کر دیا ہمیں؟
میرے آقا یہ نہ کہیئے مجھے یہ کچھ نہیں یاد۔ مجھے تو صرف یہ یاد ہے کہ میں نے
معین الدین کی کنیز بننے سے آقا کی مرضی کے باوجود صاف انکار کر دیا۔ میں نے آقا کی دی
ہی آزادی کو گستاخی سے ٹھکرا دیا۔ لیکن میرے آقا نے اس گستاخی، اس بے ادبی
کا صلہ مجھے ایک تبسم کی صورت میں عطا فرمایا اور یہ نقش اتنا گہرا بن چکا ہے کہ جتنا جتنا
کھرچتی ہوں اتنا ہی اتنا یہ ابھرتا آتا ہے۔ میری حیثیت ایک معمولی کنیز سے
زیادہ نہ تھی۔ لیکن میرے آقا نے مجھے جس طرح نوازا، اس نے میرا رتبہ بلند کر دیا
دنیا میں سرفراز کر دیا۔ مجھے محسود بنا دیا، لوگ رشک کرتے ہیں مجھ پر کیا میری زندگی
کا یہ سرمایہ معمولی ہے؟
خوارزم شاہ (مسکرا کر) ہاں معمولی، بہت معمولی، بالکل ہیچ!
فائقہ :۔ یہ نہ کہیئے یہ میرا سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہ میری سب سے قیمتی پونجی ہے
یہ ایسی گراں مایہ متاع ہے جس سے میں کبھی دستبردار نہیں ہو سکتی،
میرے لئے اتنا بس ہے، اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے!

میں نے انعام پالیا، مجھے صلہ مل گیا۔ وہ صلہ جسے بجا طور پر حاصل حیات کہہ سکتی ہوں!

خوارزم شاہ: فائقہ تم بڑی اچھی ہو، تمہاری یہ باتیں سنکر تمہاری عالی ظرفی، بلند حوصلگی، اور شرافت کی یہ باتیں سنکر ہمارے دل میں تمہاری عزت اور بڑھ گئی۔ دعا کرو خدا ہمیں اچھا کر دے تاکہ ہم حسب دلخواہ "تلافی مافات" کر سکیں ——
ہم ضرور تمہیں آزاد کر دیں گے —— تاکہ تم سے نکاح کر لیں!
فائقہ کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے گردن جھکا لی،
کتنی اچھی لگ رہی تھی وہ اس وقت؟

دردِ سر!

فائقہ کو وہ چیز مل گئی جو اس کی امید اور توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ ــــــ بے شک وہ دل ہی دل میں اپنے آقا کو پوجنے لگی تھی، آقا کی صورت اور سیرت اس کے دل میں کھب گئی تھی۔ اس کے مجاہدانہ کارنامے اس کے خلوص، للہیت، جرأت، دلیری اور دلاوری نے اس کے کمزور دل کو فتح کر لیا تھا، محبت اور عشق اس کیفیت کو ظاہر نہیں کر سکتے جو اس کے دل کی تھی، وہ اپنے آقا کے ایک اشارے پر اپنی جان کی بازی لگا سکتی تھی ــــ آج اس کی پوشیدہ پرستش رنگ لائی۔ اسے اپنی ریاضت کا پھل مل گیا خوارزم شاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ صحت ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرے گا۔ کہ اسے آزاد کر کے حبالۂ عقد میں لے آئیگا!

فائقہ اپنے خیمہ میں پہونچی تو سینہ محشرستان جذبات بنا ہوا تھا، نئی نئی تمنائیں اس کے دل میں مچل رہی تھیں، نئی نئی آرزوئیں ــــــ جن کی انہیں خبر نہ ہو سکی تھی اب تک ــــــ اس کے نہاں خانۂ قلب سے ابھر کر لاشعور کی دنیا سے نکل کر شعور کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھیں۔ اب تک اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ چاہے

اس سے آگے بھی بڑھ سکتی ہے۔ وہ اسی کو اپنی معراج سمجھی تھی کہ آقا کے دامن سے لپٹی رہے اور اسی طرح زندگی کے دن گزار دے لیکن آج اسے معلوم ہوا، وہ احساس کمتری کا شکار تھی، وہ جو کچھ بھی کم تھا۔ جو کچھ ہونے والی تھی یہی اس کا اصل استحقاق تھا ــــ اب تک وہ فائقہ تھی خوارزم شاہ کی کنیزوں میں سے ایک کنیز اب وہ خوارزم شاہ کی حرم سرا میں، بیوی کی حیثیت سے داخل ہوگی، اب تک خوارزم شاہ کے علاوہ بھی، وہ بہتوں کا ادب کرتی تھی۔ اب خوارزم شاہ کے علاوہ۔ سب اس کا ادب کریں گے۔ اب تک اس کی زندگی حسرت و یاس کا ویرانہ تھی۔ اب اس کی زندگی کی آرزوؤں اور تمناؤں کا آفتاب طلوع ہوگا۔ اور اس کی جگمگاہٹ سے دل روشن ہوگا، روح منور ہوگی، زندگی کا راستہ تابندہ تر ہو جائے گا!

وہ انہی خیالات میں کھوئی تھی کہ نہ جانے کہاں سے راضیہ ٹپک پڑی، راضیہ اس کی بڑی عزیز اور ہمدم و دمساز سہیلی تھی، وہ خود گھنٹوں اور پہروں اس کے ہاں بیٹھا کرتی تھی۔ اور گھنٹوں اور پہروں اپنے ہاں اسے اصرار کر کے بٹھاتی تھی معین الدین نے فائقہ سے ناامید ہونے کے بعد راضیہ سے تجدید الفت کر لی تھی، فائقہ کو نہ پا سکنے کا اسے غم تھا ملال تھا، دکھ تھا، لیکن وہ اس کے کردار اور سیرت سے اتنا متاثر تھا کہ اس غم اور ملال کے باوجود اس کی عزت کو اپنے دل سے نہ کھرچ سکا جو فائقہ نے اپنی آن اور خودداری سے [illegible] اب تن من دھن سے راضیہ کا ہو چکا تھا بلکہ اسے حبالۂ عقد [illegible] راضیہ کی دلدہی کرتا تھا، دلجوئی کرتا تھا، خاطر داشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تھا۔ اس سے بہت زیادہ محبت اور ملاطفت کا برتاؤ کرتا تھا، لیکن فائقہ کی کھٹک اب تک اس کے دل سے گئی نہیں تھی، ایک اندیشہ اسے یہ بھی

تھا کہیں فائقہ راضیہ سے اس کے اظہار عشق کی داستان نہ کہہ بیٹھے۔ لیکن راضیہ کو کسی وقت یہ شبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس راز سے واقف ہے۔ اس واقعے نے اس کے دل میں فائقہ کی منزلت اور زیادہ کر دی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ راضیہ سے شادی کے بعد سے فائقہ میں وہ رکاوٹ اور کھنچاوٹ باقی نہیں رہی تھی، جو پیدا ہو گئی تھی، بلکہ اب وہ پہلے سے زیادہ اپنایت اور محبت کے ساتھ اس سے ملتی تھی، اور اس طرح ملتی تھی جیسے ماضی کی کوئی بات بھی اسے یاد نہیں یا اگر یاد ہے تو اس کا کوئی تلخ پہلو اس کے سامنے نہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگرچہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خوارزم شاہ روز بروز فائقہ کی طرف زیادہ ملتفت ہوتا جا رہا ہے، اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ یہ التفات رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا، پھر بھی فائقہ میں نہ رعونت پیدا ہوئی نہ تکبر بلکہ فروتنی اور انکسار کا مادہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ان سب چیزوں نے مل جل کر اس کے دل میں فائقہ کی وقعت سہ چند بڑھا دی تھی اسے اپنی محرومی کا اثر ضرور تھا لیکن فائقہ سے اس محرومی کی کوئی شکایت نہیں تھی!

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا

فائقہ شاید اس کی ندامت آمیز کمزوری کو محسوس کرتی تھی، اسی لئے وہ اس طرح پیش آتی تھی، جس سے معین الدین کو کسی قسم کی بدگمانی یا غلط فہمی کا [illegible] پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا راضیہ اور اس سے بڑی دیر تک فائقہ کے متعلق باتیں ہوتی رہتیں، دونوں میں جب یہ ذکر چھڑ جاتا تو اس میں کھو جاتے دونوں کی حالت یہ تھی کہ اس کی تعریف و توصیف کے بیان میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا جن پہلوؤں پر راضیہ کی نظر تھی

انہیں وہ مزے لے لے کر بیان کرتی۔ جن پہلوؤں پر معین الدین کی نگاہ تھی انہیں وہ بتایا کرتے کرتے نہ تھکتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عورت اپنے محبوب یا شوہر کی زبان سے کسی دوسری عورت کی تعریف، خواہ وہ کتنی ہی اچھی ہو نہیں سن سکتی لیکن اس کلیہ میں اگر استثنا تھا تو وہ فائقہ کی ذات تھی، معین الدین کتنی ہی دیر تک فائقہ کی شان میں قصیدہ پڑھتا رہے لیکن کیا مجال ہے کہ راضیہ کہیں سے بھی بدگمان ہو جائے بلکہ جو کمی معین الدین کے بیان سے رہ جاتی تھی۔ وہ خود راضیہ اپنی باتوں سے اپنے بیان سے پوری کر دیتی تھی۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے راضیہ اور فائقہ دونوں ایک دوسرے کے تحسینی جذبہ سے آشنا تھیں۔ اسی لئے دونوں میں جب ملاقات ہوتی تو بہت کھل کر ہوتی تھی۔۔

شب فراق کی طرح ان دونوں کی ملاقات طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاتی تھی لیکن اس وقت فائقہ کو راضیہ کا آنا کچھ اچھا نہ لگا وہ دل ہی دل میں زبان حال سے کہہ اٹھی!

آئے تو یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں!

اس وقت اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی اپنی الجھنوں میں گرفتار تھی دل سے نہ جانے کون کون سے مسائل طے کر رہی تھی اس وقت اسے تخلیہ کی ضرورت تھی یکسوئی کی ضرورت تھی حضور قلب کی ضرورت تھی اور ان سب چیزوں میں کھنڈت ڈالنے کیلئے راضیہ آ گئی ہو ادھر ادھر کی باتیں کرے گی اور کچھ نہیں کہے گی لیکن میرے خیال کی دنیا درہم برہم کر دیگی کیونکہ اسے خلوت چاہیئے اس وقت! ـــــ اتنے میں راضیہ بالکل پاس پہنچ گئی اس نے دیکھا فائقہ لیٹی ہوئی ہے چہرے سے کچھ پریشانی ہویدا ہے وہ آئی اور ایکٹنگ کرتے ہوئے اس نے کہا

راضیہ:۔ اے میں قربان دشمنوں کا چہرہ کیسا اترا ہوا ہے اس وقت؟

فائقہ: (ذرا روکھائی سے) سر میں درد ہے

راضیہ: ہم تو دل کی پروا نہیں کرتے، اور تم درد سر سے بے حال ہوئی جاتی ہو؟ — حوصلے سے کام لو!

فائقہ: تمہارے درد دل کا علاج ایک بلب ہے اور میرے درد سر کا علاج تاریکی! — لہٰذا حوصلے سے تم کام لو، اور چپ رہو!

راضیہ: میں سمجھ گئی، اس وقت عالم بالا کی سیر ہو رہی ہے، یعنی عالم خیال کی!

فائقہ: ہاں — پھر تمہیں کیا؟

راضیہ: کچھ نہیں — آج ہم نے اپنے ہاتھ سے ایک بڑے مزے کی چیز پکائی ہے بغیر تمہیں کھلائے ہمیں کھانا حرام ہے — چلو۔

فائقہ: میں نہیں جا سکتی، اس حالت میں بھلا کچھ کھاؤں گی؟ ایسا ہی ہے تو یہیں بھیج دو جب بھوک لگے گی کھا لوں گی!

راضیہ: جی نہیں یہ نہیں ہوگا، آپ کو چلنا پڑے گا، ہمارے ساتھ۔

فائقہ: میں نہیں جاتی — بڑے زور سے سر درد کر رہا ہے!

راضیہ: اچھا میں دبائے دیتی ہوں ابھی ٹھیک ہو جائے گا!

فائقہ: بخشو — مجھے اپنا سر تڑوانا نہیں ہے!

راضیہ: (مسکرا کر اٹھلاتے ہوئے) چلو نا — وہ بھی بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارے معین الدین صاحب بہادر۔

فائقہ: (مسکرا کر) کیوں ری بدتمیز، شوہر کا مذاق اڑاتی ہے؟

،، وہ بھی تو مجھے چٹکیوں میں اڑاتے ہیں — میں مذاق بھی

نادان ـــ ابھی اپنی اعتراض کرنے والی!
راضیہ نے یہ بات کچھ ایسی سادگی اور معصومیت کیساتھ کی کہ فائقہ کو ہنسی آ گئی
اس نے کہا۔
فائقہ :۔ بڑی شریر ہو ـــ خدا کی پناہ!
راضیہ :۔ خدا کی پناہ ـــ کوئی ہم شیطان ہیں؟
فائقہ :۔ اور کیا ہواب ـــ شیطان بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا،
راضیہ :۔ اور نہیں تو سجدے کرتا ہوگا!
فائقہ کو پھر ہنسی آ گئی ـــ
فائقہ :۔ سچ کہتی ہوں، سر کا درد اور بڑھ گیا، اس وقت جاؤ راضیہ!
راضیہ :۔ کہیں گئی نہ ہوں، تمہیں لے کر جاؤں گی۔ اٹھو چلو چلو، ابھی واپس چلی
آنا!
فائقہ :۔ کیسے چلوں، لکھو بھی آ رہے ہیں،
راضیہ :۔ ان باتوں سے کام نہیں چلے گا، تمہیں چلنا پڑے گا، ورنہ ــــــــــ
ــــــــ "
فائقہ :۔ دھمکیاں نہ دو ـــ اچھا تم چلو میں آتی ہوں،
راضیہ :۔ جی مجھے انتظار کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی ہے، میں آرام سے بیٹھی
ہوں، آپ جتنی دیر تک ستانا چاہتی ہوں ستا لیجئے، پھر میرے ساتھ
چلیئے!؟
فائقہ :۔ کسی کی طبیعت تو سمجھا کرو، ہر وقت ضد، ہر وقت شرارت!

راضیہ :- یہی شکایت تو ہمیں تم سے ہے ، ہم کس محبت سے تمہیں بیٹنے آتے ہیں
اور تم ہو کہ خواہ مخواہ اترا رہی ہو ہمارے نازک سے دل پہ ٹھوکریں لگا رہی ہو
بھلا کوئی کرتا ہے دنیا میں ،
فائقہ :- اللہ ری عورت ـــ واقعی تجھ سے جیتنا مشکل ہے !
راضیہ :- تو پھر اٹھ کھڑی ہو ، خدا کا نام لے کر ـــ جب ایک کام کرنا ہی ہے
تو اسے خوش دلی سے کرنا چاہیئے ، پریشان ہو کر اور دوسروں کو پریشان
کر کے اسے انجام دینے سے کیا فائدہ !
فائقہ :- شکریہ اس بزرگانہ نصیحت کا ـــ چلیئے تشریف لے چلیئے !
با دل ناخواستہ فائقہ کو راضیہ کے ساتھ جانا پڑا ۔ وہاں معین الدین انتظار
کرتے کرتے پریشان ہو گیا تھا ، فائقہ سے تو کچھ کہہ نہ سکا راضیہ پر برس پڑا
معین الدین :- ہر کام میں دیر لگا دیتی ہو ۔۔ یہ خیال تو کیا ہوتا کوئی انتظار کر رہا ہو گا !
راضیہ :- دھوبی سے جیتے نہیں ، گدھے کے کان .... ان سے
کہو فائقہ خانم سے کبھی اس کے پیٹ میں درد ہونے لگتا تھا ، کبھی چکر آنے
لگتے تھے ، کبھی دل گھبرانے لگتا تھا ، میں سب بہانوں سے اتنی ذرا سی دیر میں
چنگا کر کے لائی ہوں ، بجائے شکریہ تو ادا نہیں کرتے لڑنے لگے ۔
الٹی فائقہ نئیں ہو گئیں اور شوہر ہو گیا ۔
معین الدین نے فائقہ کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا !

⟵⟶

فائقہ کی جیت

دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر پرچم فتح لہرانے کے باوجود چنگیز مغموم تھا!

چنگیز کا دل غم کے تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا اور یہ تیر چلانے والا خوارزم شاہ تھا۔ ان تیروں کو کوئی سپر نہیں روک سکتی تھی۔ ان تیروں نے اس کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔ وہ بڑے شہروں کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔ ختن، تبت اور فلک شکوہ عمارتوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ بستیاں کی بستیاں اجاڑ دیتا تھا لیکن وہ ایک کمزور ضعیف، ایک شکست خوردہ خوارزم شاہ ۔۔۔ کو نہ مٹا سکا۔ اس کی تمام قوت و طاقت خوارزم شاہ کو کچلنے میں ناکام رہی۔ یہ ناکامی پر وہ اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کسی نہ کسی شہر کی طرف بڑھتا تھا اور سارا غصہ وہاں کے باشندوں پر اتارتا تھا۔ جن میں جو چوٹ اس نے کھائی تھی اسے سہلاتا ہوا وہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ خراسان اور طالقان کی طرف بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ان دونوں جگہوں پر وہ ایسی ہولناک تباہی مچائے کہ ملک الموت کے ہاتھ لوگوں کی روح قبض کرتے کرتے تھک جائیں گے۔ وہ ہیبت اور ہول کی تصویر

بنا ہوا اپنے لشکر کے ساتھ مجنونانہ آگے بڑھ رہا تھا!

خوارزم شاہ بڑی حد تک تندرست ہو گیا تھا، زخمیوں کی پٹیاں کھل گئی تھیں لیکن جو کمان چڑھی تھی، وہ ابھی تک کمزور تھی، عام کمزوری بھی ابھی باقی تھی البتہ علالت کی رفاقت اب تک قائم تھی، خیال تھا کہ ہفتہ عشرہ میں وہ بالکل تندرست ہو جائے گا!

حسب معمول دولیتہ پر دراز تھا، فالفہ اس کے قدموں سے لگی بیٹھی تھی، اور وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ معین الدین بھی ابھی تھوڑی دیر ہوئی کسی کام سے آیا تھا، وہ اپنے آقا کے ایما پر بیٹھ گیا تھا، خوارزم شاہ تندرستی کے پروگرام بنا رہا تھا، اس طرح چنگیز کا مقابلہ کرے گا، اس طرح مسلمانوں کی شیرازہ بندی کرے گا اس طرح اسلامی ممالک میں ایک جہتی پیدا کر کے ان میں تاتاری یلغار کا ترکی بترکی جواب دینے کا ولولہ پیدا کر دے گا۔

یہ باتیں کمال یکسوئی اور انہماک کے ساتھ ہو رہی تھیں کہ خوارزم شاہ کے جاسوس حاضر ہوئے انہیں حکم تھا کہ جب واپس آئیں تو فوراً شاہی خیمہ میں پہنچ جائیں کسی کو اجازت نہیں تھی کہ انہیں روکے یا بازپرس کرے، خوارزم شاہ انہیں دیکھتے ہی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے کہا،

خوارزم شاہ، تم کہاں سے آ رہے ہو؟ —— کوئی نئی خبر؟

ایک جاسوس نے مؤدب ہو کر عرض کیا،

جاسوس،۔ غلام چنگیز کے لشکر سے آ رہا ہے!،

خوارزم شاہ، چنگیز کے لشکر سے —— ہوں! ——— اب وہ کہاں ہے؟

کس طرف بڑھ رہا ہے ؟ کیا ارادہ ہے اس کا ؟

جاسوس:۔ سلطانِ معظم ! اب وہ خراسان اور طالقان کی طرف آندھی اور طوفان کی طرح بڑھ رہا ہے :

خوارزم شاہ:۔ (چیختا ہے) خراسان کی طرف ؟ ـــــــــــ طالقان کی طرف ؟

جاسوس:۔ جہاں پناہ اسی طرف !

خوارزم شاہ:۔ وہ چاہتا ہے کہ ان علاقوں کو برباد کر دے ۔ یہاں کے مسلمانوں کو کشتۂ تیغ ستم بنائے ؟

جاسوس:۔ بے شک سلطان عالم پناہ اس کا یہی مقصد ہے !

خوارزم شاہ:۔ لیکن جب تک جلال الدین خوارزم شاہ زندہ ہے اس کی یہ حسرت نہیں پوری ہو سکتی !

جاسوس:۔ وہ دنیا میں کسی سے اتنا خائف نہیں جتنا میرے آقا سے !

خوارزم شاہ:۔ حسین الدین کوچ کا سامان کرو !

فائقہ قدموں سے لپٹ گئی ۔

فائقہ :۔ میرے آقا ـــــ

خوارزم شاہ:۔ (اور زور سے) حسین الدین کوچ کا سامان کرو ۔

فائقہ :۔ میرے آقا آپ ابھی کمزور ہیں .... بہت کمزور !

خوارزم شاہ:۔ لیکن میرا دل مضبوط ہے میرے عزم و ارادہ میں ذرا بھی کمزوری

—— دشمن مجھے پکار رہا ہے۔ میں نہیں ٹھہر سکتا، میں جاؤں گا ضرور جاؤں گا!

فائقہ:۔ میرے آقا میرے مالک خدا آپ کو تندرست کر دے، ذرا طاقت آجائے، یہ کمزوری رفع ہو جائے تب شوق سے جائیے گا چنگیز کی موت آپ ہی کے ہاتھ سے لکھی ہے۔ آپ ہی اسے قتل کریں گے!

خوارزم شاہ:۔ فائقہ خاموش!

فائقہ سہم کر خاموش ہو گئی!

خوارزم شاہ:۔ معین الدین تم نے ہمارا حکم نہیں سُنا!

معین الدین:۔ سن لیا آقا نے! الامر فوق الادب۔ لیکن فائقہ کے معروضہ پر اگر غور فرمائیں ——

خوارزم شاہ:۔ نہیں، نہیں، نہیں!

معین الدین کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ فائقہ خاموش نہ رہ سکی، اس نے وہ تلوار اٹھا کر جو خوارزم شاہ کے سامنے رکھی تھی اپنے آقا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

فائقہ:۔ میں آپ کو نہیں روک سکتی، میں اپنے آقا کو نہیں روک سکتی، میں جانتی ہوں خوارزم شاہ کا فیصلہ کوئی نہیں بدل سکتا۔ میں اس فیصلہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں چاہتی! ——

خوارزم شاہ:۔ (حیرت سے) پھر تم کیا چاہتی ہو؟

فائقہ:۔ صرف یہ کہ اس تلوار سے میری گردن کاٹ لیجئے، پھر جائیے!

خوارزم شاہ: میں تمہیں قتل کر دوں!

فائقہ: میں جیتے جی آپ کو ان کی طرف جاتا نہیں دیکھ سکتی۔

خوارزم شاہ: (نرمی سے) تم چاہتے ہو خوارزم شاہ بزدل کہلائے؟

فائقہ: نہیں میرے آقا ــــــ خوارزم شاہ کو بزدل اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی نہیں کہہ سکتا۔

خوارزم شاہ: تم چاہتی ہو خوارزم شاہ اپنے فرض سے اپنی زندگی کے مقصد سے غافل ہو جائے؟

فائقہ: نہیں میرے آقا میں یہ بھی نہیں چاہتی۔ اس لئے کہ جانتی ہوں خوارزم شاہ اپنی زندگی کے مقصد سے کبھی اور کسی حالت میں غافل نہیں ہو سکتا!

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) تم چاہتی ہو خوارزم شاہ تن آسان اور عافیت پسند ہو جائے جب جنگ کا موقع ہو، وہ آرام کرے؟

فائقہ: میرے آقا میں یہ بھی نہیں چاہتی۔ مجھے معلوم ہے دنیا کی کوئی طاقت کوئی شخصیت میرے آقا کو تن آسان اور عافیت پسند نہیں بنا سکتی!

خوارزم شاہ: (متبسم ہو کر) پھر آخر کیا چاہتی ہو تم؟

فائقہ: صرف یہ کہ جب تک طبیعت اجازت نہ دے۔ اس وقت تک آرام کر لیجئے۔ تندرستی عود کرنے کے بعد پھر میدان جہاد ہے اور آقا نے نامدار کی شمشیر خارا شگاف!

خوارزم شاہ: کیوں معین الدین فائقہ کی باتیں سن رہے ہو؟

معین الدین: سن رہا ہوں آقائے ولی نعمت!

خوارزم شاہ: اور یہ کیوں نہیں کہتے کہ شفقت بھی ہو اس کے ارادے سے!

معین الدین: غلام کو خانقر کی ارادے سے کامل اتفاق ہے ــــــــــــ لیکن اگر حکم ہو ــــــ

خوارزم شاہ: کیا چاہتے ہو تم ؟ ــــ ؟

معین الدین: اگر حکم ہو تو غلام اس مہم پر چلا جائے ؟

خوارزم شاہ: نہیں ــــ

معین الدین خاموش ہو گیا .... کچھ دیر خوارزم شاہ نے خاموشی رو کر کہا۔

خوارزم شاہ: یہ نہ سمجھنا کہ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے، یہ خیال بھی نہ کرنا میں تمہاری شجاعت اور شہامت کا معترف نہیں ہوں ــــ مجھے تم پر اتنا اعتماد ہے جتنا اپنے اوپر ہے مجھے تمہاری شجاعت اور شہامت پر اتنا ہی ناز ہے جتنا ہونا چاہیئے لیکن مجھ میں اور تم میں ایک فرق ہے :

معین الدین: بہت فرق ہے زمین و آسمان کا فرق ہے، اس فرق کو غلام اچھی طرح جانتا ہے !

خوارزم شاہ: نہیں تم کسی اور طرف چلے گئے ہم دوسری بات کہہ رہے تھے !

معین الدین: ارشاد ــــ ارشاد ــــ

خوارزم شاہ: وہ فرق یہ ہے کہ تم چنگیز کی جنگی تکنیک سے واقف نہیں ہو ہم واقف ہیں۔ تم اس سے نپٹ نہیں سکتے، ہم جانتے ہیں اس پر کب اور کس طرح حملہ کرنا چاہیئے ــــ لہٰذا کوئی مضائقہ نہیں ــــــ

چند روز انتظار کریں گے پھر ساتھ چلیں گے!

پھر خوارزم شاہ فائقہ کی طرف مخاطب ہوا۔

خوارزم شاہ: کیوں فائقہ اب خوش ہو گئیں تم۔ اب تو تمہاری بات مان لی گئی!

فائقہ کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو ڈبڈبانے لگے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں بڑے سوز کے ساتھ کہا۔

فائقہ: میں بہت خوش ہوں میرے آقا۔

خوارزم شاہ: لیکن تمہاری آنکھیں پر آب کیوں ہیں؟ ——— ہنسو، مسکراؤ، خوشی اور مسرت کا اظہار کرو!

وہ مسکرانے لگی۔

خوارزم شاہ نے کہا

تمہارے تبسم سے ہمارے دل کو قوت ملتی ہے!

معین الدین سر جھکائے یہ باتیں سن رہا تھا! حیران، پریشان!

غور کی طرف

اب تک خوارزم شاہ اور چنگیز کی کوئی لڑائی جم کر نہیں ہوئی تھی۔ بیچارے خوارزم شاہ نے جب سے تاج شہریاری سر پر رکھا تھا، ایک لحظہ بھی آرام و سکون کا نہ ملا۔ وہ تھا اور باد مخالف کا سامنا۔ ایک جگہ پہونچ کر دم بھی لینے نہیں پاتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا چنگیز کا سیلاب اس طرف آرہا ہے۔ پھر اسے کھڑا ہونا پڑتا تھا، اور قسمت آزمائی کے لئے کسی دوسری جگہ کو مستقر بنا کر وہاں مقیم ہو جاتا تھا۔ سکون و اطمینان، فراغت و آسائش، یکسوئی اور نشاط خاطر جسے کہتے ہیں، وہ چیز خوارزم شاہ کو حاصل نہ تھی لیکن ان سب پریشانیوں اور دشواریوں کے باوجود اس کے عزم و ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے تیور وہی تھے، اس کی آن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بستر علالت پر بھی اگر اپنی علالت سے زیادہ کسی چیز کی فکر تھی تو وہ چنگیز کی نقل و حرکت تھی۔ خود چنگیز بھی اپنی نقل و حرکت سے اتنا باخبر نہیں رہتا تھا جتنا خوارزم شاہ۔ اس نظام جاسوسی نے اسے بہت بڑا فائدہ یہ پہونچایا تھا کہ وہ یک بیک بے سان و گمان بجلی کی طرح چنگیز کے لشکر پر گرتا تھا۔ اور اس کا پسینا نکل جاتا تھا۔ چنگیز لاکھ دانت پیسے، لیکن سوا کف افسوس ملنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

خوارزم شاہ اب بڑی حد تک چنگا ہو چکا تھا۔ کمزوری بھی بڑی حد تک جاتی رہی تھی۔ گھوڑے پر بیٹھ کر وہ چار میل کی سیر بھی کر لیتا تھا لیکن ابھی پورے طور پر توانائی نہیں آئی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور خلاف معمول دور تک چلا گیا۔ ایک جگہ پہونچ کر جب رکا تو تو اس نے گرد کا ایک طوفان اٹھتا ہوا دیکھا پہلے تو اسے یہ شبہ ہوا کہ یہ دشمن (چنگیز) کا لشکر ہے اور اسی طرف آ رہا ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ گرد کا طوفان کم ہوتا جا رہا ہے مگر کوئی سوار نہیں نظر آتا تو وہ آگے بڑھا اور اس نے اندازہ کر لیا کہ کوئی لشکر ادھر آ نہیں رہا ہے۔ بلکہ ادھر گیا ہے —

— کون ہو سکتا ہے یہ لشکر؟ .... دل میں یہ خیال پیدا ہوا یا پھر دل ہی نے جواب دیا اتنا بڑا لشکر اس طرف سے کسی دوست کا تو نہیں گزر سکتا۔ ہو نہ ہو چنگیزی ہوگا — لیکن یہ کہاں گیا ہے؟ — کیوں گیا ہے؟ — دل نے کہا کیوں گیا ہے؟ یہ سوال ہی بیکار ہے قتل و غارت کے سوا اور اس کا مشغلہ ہی کیا ہے؟ — کہاں گیا ہے؟ — ہاں یہ سوال ضرور غور طلب ہے!

خوارزم شاہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا بار بار اس کے ذہن میں یہی سوال گردش کرتا تھا تھوڑی دیر کے بعد اس نے دوسری طرف گرد سی اڑتی محسوس کی وہ غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب گرد کا پردہ چاک ہوا تو اس نے دیکھا۔ تین چار سوار ہیں جو اسی طرف تیزی سے چلے آ رہے ہیں، وہ تو تنہا پورے لشکر سے نہیں ڈرتا تھا، تین چار سواروں سے کیا ڈرتا؟ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جا کھڑا ہو کر دیکھے یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیوں آ رہے ہیں؟ آن کی آن میں وہ لوگ سامنے پہنچ

گئے سامنے پہونچتے ہی سب گھوڑے سے اترے اور سر جھکا کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جلال الدین خوارزم شاہ پہچان گیا ــــــ یہ اس کے جاسوس تھے وہ مسکرایا اور اس نے شفقت بھرے لہجے میں کہا

خوارزم شاہ: تم لوگ ہو؟ ــ کہاں سے دھاوا مار کر آرہے ہو؟

ایک جاسوس: سلطان عالم ہم غلاموں کا اس کے سوا اور کام ہی کیا ہے کہ دشمن پر نگاہ رکھیں، اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کریں۔ اور جہاں وہ جائے وہاں ہم بھی پہونچ جائیں!

خوارزم شاہ: ہاں اور ہمیں مسرت ہے کہ اپنا فرض تم بخوبی اور خوش اسلوبی کیساتھ انجام دیتے ہو ــــ اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟ کوئی نئی خبر؟

جاسوس: جہاں پناہ ہم چنگیز کا پتہ لگا کر آرہے ہیں، بلکہ یوں سمجھئے اس کے لشکر میں ہو کر آرہے ہیں اس وقت،

خوارزم شاہ: اچھا اچھا، کہاں ہے وہ؟

جاسوس: ابھی ابھی اس کا لشکر اسی طرف سے گذرا ہے، سلطان عالم پناہ اگر کچھ دیر پہلے اس طرف آئے ہوتے تو ضرور اسے ملاحظہ فرماتے۔

خوارزم شاہ: ہاں ہم نے گرد کا بہت بڑا طوفان اٹھتے ہوئے آکر دیکھا تھا، غالباً وہ چنگیز ہی کا لشکر تھا جو اس طرف سے گذرا تھا۔

جاسوس: سلطان والا مرتبت کا خیال درست ہوتا ہے ــــ یہ اسی کا لشکر تھا!

خوارزم شاہ: کہاں گیا ہے وہ؟

جاسوس: غور کی طرف .... اسے معلوم ہوا ہے کہ غور کے باشندے خوارزم شاہ سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں۔ اس کے تسلط سے اب تک متاثر نہیں ہوئے ہیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ غور کی اینٹ سے اینٹ بجا کر آئے گا۔

خوارزم شاہ: وہ احمق ہے ـــــ وہ ہر مرتبہ بڑے سے بڑا لشکر بھیجتا ہے اور ہر مرتبہ ہم سے پٹ کر واپس جاتا ہے!

جاسوس: سلطان والاشان کا ارشاد بالکل صحیح ہے لیکن ایک عرض ہم غلاموں کی بھی ہے!

خوارزم شاہ: (متانت سے) وہ کیا؟ ـــــ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟

جاسوس: گو خدائے عز و جل ہمارے سلطان والاشان کا حافظ و نگہبان ہے۔ لیکن تقاضائے احتیاط یہ ہے کہ ـــــ

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) ہم اکیلے نہ نکلا کریں؟ اس وقت اگر چنگیز کے لشکر سے ہماری مڈبھیڑ ہو جاتی تو کیا ہوتا؟ ـــــ کیوں یہی نا؟

جاسوس: جہاں پناہ سلطان عالم!

خوارزم شاہ: جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ ہم تنہا تھے پھر بھی بچ گئے۔ ہمارے دس بیس محافظ ساتھ ہوتے تو وہ اتنے بڑے لشکر کا کیا کر لیتے؟ ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں ـــــ جب تک اس کی مرضی نہ ہوگی کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا! ـــــ ہمارے سامنے ہر وقت دنیا کے

سب سے بڑے دلیر اور شجاع انسان حضرت علیؓ کا قول رہتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ موت میری زندگی کی محافظ ہے۔ کتنا صحیح اور مبنی بر حقیقت ہے یہ قول! ـــــ جب تک زندگی مقدر ہو چکی ہے، موت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی بلکہ اس کی حفاظت کرنے لگتی ہے ـــــ

گفتگو جاری تھی کہ معین الدین چند سواروں کے ساتھ ہانپتا کانپتا حاضر ہوا اور اپنے آقا کو صحیح و سلامت دیکھ کر سجدۂ شکر بجالایا۔

معین الدین: خدا کا شکر ہے ان آنکھوں نے اپنے آقا کو صحیح سالم دیکھ لیا۔

خوارزم شاہ: تم کیا سمجھ رہے تھے؟ ـــــ اس قدر جلد پریشان کیوں ہو جاتے ہو تم لوگ یار

معین الدین: بڑی دیر سے آپ نکلے ہوئے ہیں۔ نائلہ نے تو رو رو کر آنکھیں سجالی ہیں وہ کہہ رہی تھی روز سیر کر کے پندرہ بیس منٹ میں واپس آجاتے تھے آج کئی گھنٹے ہو گئے اب تک نہیں تشریف لائے۔ کہیں خدانخواستہ کسی مصیبت سے دوچار نہ ہو گئے ہوں۔ اس نے تو ایک جنرل کی طرح سواروں کے دستے چاروں کونوں پر روانہ کئے ہیں۔ میری خوش قسمتی تھی کہ ادھر آیا جہاں آپ موجود تھے!

خوارزم شاہ: (ہنسکر) کچھ بھی ہو نائلہ ایک عورت ہے اور سب جانتے ہیں، عورت کا دل بہت کمزور ہوتا ہے، لیکن تم تو مرد ہو، تم بھی گھبرا گئے؟

معین الدین: میرے آقا! میں بھی انسان ہوں، اور اپنے سینہ میں دل رکھتا ہوں بچپن سے اپنے آقا کے ساتھ ساتھ رہا ہوں کھیلا ہوں۔ معرکوں میں شریک ہوا

ہوں رجہاں تک ذات ہمایونی کا تعلق ہے، میرا دل بھی وہی ہے جو

فائقہ کا ہے ———

یہ کہتے کہتے، معین الدین کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھیں پرنم ہوگئیں خوارزم

شاہ نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا، اور محبت بھرے لہجہ میں کہا

خوارزم شاہ:۔ ہم جانتے ہیں تم ہم سے کتنی محبت کرتے ہو، تمہیں بھی یہ اندازہ ہوگا کہ

ہمیں تم سے کتنا انس ہے ہم نے اندازہ کر لیا۔ تمہاری پریشانی بجا تھی، محبت

کی شریعت میں بلند ہمتی اور بے حوصلگی کا ایک ہی مقام ہے ———

اور اب اگر ایک اور خبر ہم تمہیں سنا دیں، تب تو شاید تمہاری پریشانی

کی کوئی انتہا نہ رہے؟

معین الدین :۔ وہ کون سی خبر ہے؟ غلام اسے معلوم کرنا چاہتا ہے۔

خوارزم شاہ نے پھر چنگیز کے لشکر کے ادھر سے گذرنے کی داستان سنا ڈالی

معین الدین سنتا رہا اور پھر کہنے لگا

معین الدین:۔ تو پھر ہم لوگوں کی تشویش اور پریشانی بالکل بجا تھی!

خوارزم شاہ:۔ ہاں اور اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کی حفاظت

کرتا ہے، ورنہ اگر چند منٹ پہلے ہم یہاں پہونچتے تو ضرور چنگیز خانی لشکر سے مڈبھیڑ

ہوتی، اور اس کا انجام جو کچھ ہوتا وہ ظاہر ہے!

معین الدین:۔ بجا ارشاد ہوا!

خوارزم شاہ (جاسوسوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان لوگوں نے خبر دی ہے کہ

چنگیز غور کی طرف گیا ہے ———

معین الدین:۔ (تشویش کیساتھ) غور کی طرف؟ ـــــــــــ آہ بدقسمت غور کے
بدقسمت باشندے! ـــ!

خوارزم شاہ:۔ (جھڑک کر) تم خدا پر اعتراض کرتے ہو؟ خاموش۔ خبردار ایسی بات اب
کبھی تمہارے منہ سے نہ نکلے غور کے باشندے خوش قسمت ہیں کہ انہیں
ابتلا اور آزمائش سے گذرنے کا موقع ملا۔ انہیں خدا کی راہ میں سرفروشی اور
جاں نثاری کی سعادت میسر آئی۔ اسلام کی حرمت پر کٹ مرنے کا انہیں قدرت
کی طرف سے موقع ملا! ـــ تم انہیں بدقسمت نہ کہو۔ ان پر رشک کرو اور
اگر ہمت رکھتے ہو تو ان کی امداد و اعانت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ ـــ
ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے جانبازوں کے ساتھ چنگیز کے تعاقب میں
صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں!

معین الدین نے گردن جھکا لی۔ گویا وہ کہہ رہا تھا۔ غلام تیار ہے!

اس گفتگو کے بعد خوارزم شاہ نے اپنے لشکر کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی
آگے آگے وہ تھا اور پیچھے پیچھے معین الدین اور دوسرے لوگ۔ جب خوارزم شاہ کا خیمہ
نزدیک آیا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ اندر پہونچا تو اس نے دیکھا کہ مصلیٰ بچھا ہوا
ہے اور فائقہ سجدے میں پڑی ہوئی اپنے رب سے گڑگڑا کر اپنے آقا کی صحت سلامتی
کی دعائیں مانگ رہی تھی!

خوارزم شاہ نے بلند آواز سے کہا

۔ فائقہ، خدا نے تمہاری دعا سن لی .... ہم
آگئے!

وہ جلدی سے اٹھی، اور اپنے آقا کے دامن سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی .... خوارزم شاہ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا، اور وہ خود بھی بہت زیادہ متاثر نظر آرہا تھا۔

شہرِ خموشاں!

چنگیز ہر مرتبہ قہرِ خدا کا نمونہ بن کر پوری تند خوئی اور سفاکی کے ساتھ آگے بڑھتا تھا۔ وہ مکانوں کی دیواریں کھود ڈالتا تھا، وہ کھیتوں کو جلا دیتا تھا، وہ معبدوں، مدرسوں، مکتبوں اور خانقاہوں کو منہدم کر دیتا تھا، وہ انسانوں اور جانوروں کا خون بھی لیتا تھا ...... لیکن خوارزم شاہ کا بال بیکا کرنے پر قادر نہیں تھا، یہ خوارزم شاہ ہر مرتبہ ایک نیا چرکہ دے کر چنگیز کے دل پر گھونسہ مار کے اس طرح نکل جاتا تھا جیسے آٹے سے بال۔

چنگیز نے سب کچھ کر لیا لیکن خوارزم شاہ کو نیچا نہ دکھا سکا! .... وہ خوارزم شاہ کے نام سے جلتا تھا، تصور ہی تصور میں نہ جانے کتنی مرتبہ اسے قتل کر چکا تھا، اس کی جان لے چکا تھا، اس کی گردن پر اپنی تلوار چلا چکا تھا لیکن با ایں ہمہ خوارزم شاہ اب تک زندہ تھا۔ نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا!

ممالک اسلامیہ کی شکست و ریخت کے سلسلہ میں چنگیز ہر مرتبہ ایک نئی تکنیک استعمال کرتا تھا، غور پر وہ اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس نے نہ اعلانِ جنگ کیا، نہ محاصرہ

کیا، نہ اطاعت کا مطالبہ کیا، رات کی تاریکی میں اس کی فوجیں پہونچیں، ایک منزل پہلے ہی انہیں چنگیز نے ستانے اور آرام کرنے کا موقع دے چکا تھا۔ یہاں تاتاریوں کا ٹڈی دل اس طرح پہونچا کہ بالکل تازہ دم تھا لوگ اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔ انہیں چنگیز کی فتنہ سامانیوں سے اندیشہ ضرور تھا۔ مقابلہ اور مزاحمت کی تھوڑی بہت انھوں نے تیاری بھی کرلی تھی لیکن اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ یہ بلا اس قدر جلد اور یوں رات کے سناٹے میں بھی پہونچ سکتی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے، اور چنگیزی خونخوار دستے، مکانوں کے دروازے توڑ رہے تھے، سوتے ہوؤں کو اٹھاتے تھے، مشعل کی روشنی میں ان کے غلام بنانے یا قتل کرنے کا فیصلہ صورت دیکھ کر کرتے تھے، وہ فوراً نافذ بھی ہو جاتا تھا۔ عوز کی ساری آبادی تقریباً تاتاریوں نے قتل کر ڈالا، یا غلام بنا ڈالا۔ جو لڑنے والے فوج یا پولیس کے سپاہی تھے، وہ بھی اس یورش کی تاب نہ لاسکے۔ قتل ہوئے یا غلام بننے پر مجبور ہو گئے۔ رات بھر میں سارے شہر کا صفایا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کسی نے جھاڑو پھیر دی ہے، نہ زخمیوں کی آہ و فغاں تھی نہ لڑنے والوں کا زور شور، اور جوش و خروش تھا شہر پہ ایک مرگ آسا سناٹا چھایا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کسی حادثہ ارضی یا سماوی نے اپنے شہر کی رونق چھین لی اس کی آرائش و زیبائش ختم کر دی، اس کے انسانوں، درندوں، جانوروں، غرض یہاں کے ہر جاندار کو موت کے گھاٹ اتار دیا ـــــ یہ شہر نہیں تھا شہر خموشاں تھا ـــــ قبرستان!

البتہ چنگیز کے لشکر میں چہل پہل موجود تھی، بازار کھلے ہوئے تھے آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا لوگ ایک دوسرے سے باتوں میں مشغول اور مذاق میں مصروف تھے۔

بے انتہا خوش تھے۔ شہر کا سارا زر و مال ان کے تصرف میں تھا، سونے کا انبار لگا ہوا تھا چاندی کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے، ہیرے جواہرات کا ڈھیر تھا جو اپنی اونچائی میں اپنی مثال آپ تھا، بہترین قسم کی قالین فرش فروش، شیشہ آلات، پارچہ جات اور ملبوسات کی ایک منڈی قائم ہو گئی تھی۔ اور یہ سب تاتاریوں کیلئے تھا انھوں نے یہ سارا سامان مال و زر اپنے لئے لوٹا تھا، اور اب وہی تن تنہا اس کے مالک اور مختار تھے! اور ــــ لشکر کے آخری کونہ میں بالکل آخری گوشہ میں ایک جماعت تھی جو نوجوان مردوں اور خوبصورت عورتوں پر مشتمل تھی، ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا، یہ غلام تھے، یہ کنیزیں تھیں۔ کل تک یہی لوگ غور کے باشندے تھے، آج اپنے بزرگوں اور بچوں کا ماتم کرنے ان کی بے بسی کی موت پر آنسو بہانے اور آئندہ ساری زندگی غلامی میں بسر کرنے پر مجبور تھے جن کے دستر خوان پر بیسیوں طرح کے کھانے ہوتے تھے، اور آج ــــ ان کے سامنے چند سوکھی روٹیاں تھیں اور یہ انہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے جب تک یہ آزاد تھے اس وقت تک ان کا یہ عالم تھا کہ شاندار مکانات میں رہتے تھے، شاندار اور پر تکلف مسہریاں تھیں، اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے تھے، سردی اور گرمی سے بچنے کے انتظامات اور اہتمامات تھے، شاندار اور پر تکلف مسہریاں تھیں ان پر شاندار اور پر تکلف بستر تھے بستروں پر دیبا و زیب اور آرام دہ تکئے تھے۔ پھر یہ عیش فراواں کے باعث کچھ کمی محسوس کرتے تھے ــ اور آج؟ آج یہ کھڑی زمین پر تمتماتی ہوئی دھوپ میں ایک دوسرے سے سمٹے ہوئے اور بھینچے ہوئے بیٹھے تھے اس طرح جیسے بھیڑوں کا گلہ، یہ مجبور تھے کہ دھوپ کی تمازت سہیں یہ مجبور تھے کہ زمین کو فرش زمرد قرار دیں، یہ مجبور تھے کہ ہاتھ کا

تکیہ بنائیں اور اسی کو سر کے نیچے رکھ لیں، یہ مجبور تھے کہ موسم کی سختیاں سہیں، اور اف نہ کریں۔ اور اگر اف کرنے کی جرأت بھی کریں تو اتنی ہمت بھی پیدا کریں کہ دھڑا دھڑ اور بے تکان کوڑے کھائیں! ——— غلام کو نہ زیادتی اجازت ہوتی ہے، نہ مطالبہ کی، اس کا کام صرف یہ ہے کہ اطاعت کرے اور یہ لوگ اطاعت کیلئے ہی چن لئے گئے تھے۔ جو کام بھی ان سے کہا جائے یہ مجبور تھے کہ بے چون وچرا اس کی تعمیل کریں۔

اور چنگیز کے لشکری سب ہنس رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے، سر سینوں کے مظاہرے کر رہے تھے، انھوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی، انھوں نے ایک بہت بڑے شہر کو فتح اس کی آبادی کو، فتح اس کے تہذیب وتمدن کے، ثقافت وحضارت اور مال ودولت کے ختم کر دیا تھا، مٹی کا ڈھیر بنا دیا تھا، جہاں اب ان گنت لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا، نہ مکانات، نہ عمارتیں، نہ چہل پہل، نہ زندگی نہ رونق!

اور خود چنگیز کا کیا حال تھا؟ وہ بہت خوش تھا! .... بات بات پر مسکرا رہا تھا، عنایات اور نوازشات کی بارش کر رہا تھا، سرداروں اور سپہ سالاروں کو نہیں معمولی معمولی سپاہیوں کو بڑے بڑے انعامات دے رہا تھا، رقص ونغمہ سے اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، لیکن اہل لشکر کی خوشنودی کے لئے آج وہ رقص ونغمہ کی محفل میں بھی شریک تھا، رقاصہ اور مغنیہ پر بھی سونے چاندی کی بارش کر رہا تھا!

اس کی خوشنودی حد بیان سے باہر تھی، اس کی مسرت کا آج کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا، یہ ساری کامیابی اسے بغیر مزاحمت کے حاصل ہوئی تھی، اس کے سپاہی ہلاکت کا تو کیا ذکر چشم زخم تک سے محفوظ رہے تھے، یہ خدا داد فتح تھی، اگر یہ وہ خدا

کا قائل نہیں تھا لیکن اگر وہ خدا کا قائل ہوتا تو آج ضرور اس کے سامنے سر نیاز خم کر دیتا۔ اس فتح و کامرانی کو وہ اپنی عظیم شخصیت کی کارفرمائی سمجھ رہا تھا اور اس پہ نازاں تھا!

آدھی رات رقص و نغمہ کے طوفان میں گذر گئی۔

چنگیز نے جمائی لیتے ہوئے من خاں سے التفات کے لہجہ میں کہا

"ہمارے سپاہی لاکھ خوش و مسرور ہوں لیکن انھوں نے غور کی اینٹ سے اینٹ بجائی، دن کا بڑا حصہ بھی اسی کام میں صرف ہوا۔ اب بڑی دیر سے نغمہ و رقص سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن اب بس انہیں آرام کرنا چاہیئے۔ سونا چاہیئے۔ ہم یہاں زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ ابھی ہمارا کام ختم نہیں ہوا ہے، ہم آگے بڑھیں گے، نہ جانے کس طرف، ——— نہ جانے کہاں! ———"

یہ کہتے کہتے چنگیز اٹھ کھڑا ہوا، سامنے اس کا زرنگار اور زرتار خیمہ تھا؛ وہ وہاں پہنچا اور اس کے اٹھتے ہی یہ جشن طرب بھی برخواست ہو گیا، رقص و نغمہ کی محفل بھی برخاست ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے کہ آرام کریں اور تھکن دور کریں، تھوڑی ہی دیر میں چہل پہل اور رونق ختم ہو گئی جو جاگ رہے تھے وہ سو گئے۔ جہاں ہاہو کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی وہاں اب اگر کوئی آواز تھی تو نفیر خواب کی ——— ہاں طلایہ گرد سپاہیوں کا دستہ بھی تھا جو اس لئے جاگ رہا تھا کہ لشکر کے گرد گشت کرتا رہے، اور حسب دستور لشکر میں کسی ناپسندیدہ عنصر کو داخل نہ ہونے دے!

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی کہ یک بیک چنگیز کا لشکر ایک خوفناک

طوفان سے دوچار ہوا ...... یہ طوفان تھا جلال الدین خوارزم شاہ
وہ اپنے مٹھی بھر دلاوروں کے ساتھ چنگیز کے لشکر میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر
داخل ہوا اور اس سرے سے اس سرے تک موت اور ہلاکت کی بارش کرتا طوفان
باد و باراں کی طرح آیا ۔ اور طوفان باد و باراں کی طرح چلا گیا ۔ جب تک چنگیز ہوشیار
ہو، لشکر کی صورت حال کو سمجھیں، لشکر پھر صف بندی ہو، مشعلیں جلیں اور لوگ دشمن
دشمن کو پہچانیں وہ ہوا نے کتنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نظروں سے اوجھل ہو گیا
—— کھلا ہوا کوئی کوئی پکڑ سکتا ہے، گرفتار کر سکتا ہے ؟ پھر خوارزم شاہ
کس طرح گرفتار ہو جاتا !

چنگیز آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور جب تک وہ سنبھلے سنبھلے، خوارزم شاہ اپنا
کام کر کے جا چکا تھا ۔ لشکر کا ایک سردار چنگیز سے کچھ عرض کرنے حاضر ہوا ، لیکن وہ اتنا
برہم تھا کہ اس کی بات سنے بغیر تلوار کا ایک وار کر کے صاف اس کی گردن اڑا دی
...... گویا یہ خوارزم شاہ تھا .... حالانکہ سامنے جو لاش تڑپ
رہی تھی وہ تاتاری سردار کی تھی ! .... ناکامی کا غصہ اسی طرح کے کرشمے
دکھاتا ہے ۔

غزنی

غزنی کوئی معمولی شہر نہیں تھا یہ عروس البلاد تھا .....

ہاں پہلے یہ ایک معمولی سی بستی تھی لیکن محمود غزنوی نے جب یہاں تخت ملوکیت پر قدم رنجہ فرمایا تو غزنی کی قسمت بدل گئی۔ یہاں کے بام و در میں انقلاب آگیا، یہاں کی فضا اور ماحول میں تبدیلی ہو گئی، دیکھتے ہی دیکھتے یہ معمولی سی بستی جو لینی بیں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی اپنی رفعت اور جلالت میں رشک ثریا بن گئی ..... یہ وہ غزنی تھا جسے سلطان محمود غزنوی نے حیات نو بخشی تھی، اسے سنوارا تھا، اس کے در و دیوار کو، صحن چمن کو باغ و خیاباں کو رشک فردوس بنا دیا تھا، یہاں سبھی کچھ تھی جو کہ شمار نوادر روزگار میں ہوتا تھا۔ ان کی ساخت، ان کا طرز تعمیر ہر چیز میں ایک رعنائی تھی، ایک خوبی تھی اور مسجد جامع تو اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی، اس کی وسعت اس کا انداز تعمیر، اس کی محرابیں اس کے گنبد۔ اس کے دالان، ہر چیز میں ایک مخصوص قسم کی انفرادیت تھی۔ اس کا فرش فرش جناں کا ہمسر تھا، یہاں کے جھاڑ اور فانوس دیواروں کی مینا کاریاں، چھتوں اور ستونوں کی جواہر ریزیاں اور آئینہ بندیاں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، ان سب چیزوں کو

دیکھ کر آدمی پر رعب اور دہشت طاری ہو جاتی تھی!

پھر محمود رہتا بھی تو یہاں تھا! ...... اس کے رہنے کے محلات، قصور وایوان .... ان سب کی تعمیر و تاسیس میں انسانی ہنرمندی کے تمام جوہر صرف ہو گئے تھے ان سعد دل کیلئے، ان محلات کے لئے ضرورت کی بہت سی چیزیں راجگان ہند نے عنایت کی تھیں، وہ محمود کو خوش رکھنا چاہتے، اگرچہ اس کے خدا ست بیگانہ تھے، ان محلوں میں آکر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم گلگشت فردوس میں مصروف ہیں: یہیں سلطان ذی شان کا دربار لگتا تھا، جہاں بڑے بڑے سفرا لرزتے اور کانپتے حاضر ہوتے تھے، اسی دربار میں فردوسی طوسی اور دوسرے جلیل القدر شاعر سلطان کی مدح میں قصیدے پڑھتے تھے یہاں کی ایک ایک اینٹ پر عظمت وجلال کی مہر تھی! مؤرخوں نے ان درباروں کی تصویر اپنے موقلم سے کھینچی ہے، جو یہاں منعقد ہوا کرتے تھے، جن میں وقت کے بڑے بڑے علماء، شعراء اور صلحا موجود رہا کرتے تھے، یہیں دوسرے ممالک کی قسمت کے فیصلے ہوتے تھے یہاں دوسری قوموں اور ملتوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا تھا، یہاں کے فیصلے خدائی فیصلے بن جاتے تھے، جو صرف اس لئے ہوتا تھا کہ نافذ ہوں اور عملی جامہ پہنیں!

پھر اس شہر میں بڑے بڑے مدرسے تھے، جن میں دور دور سے طالبانِ علم کھنچ کھنچ کر آتے تھے، اور علمائے عصر اپنی تحقیق کے اور علم کے جواہر دکھاتے تھے۔

یہاں بڑی بڑی خانقاہیں بھی تھیں، جہاں صوفیا اور مشائخ خدا کو یاد کرتے تھے، وعظ وتلقین کے دفتر کھول لیتے تھے، عبادت اور ریاضت کرتے تھے، ان کی کشش دور دراز ممالک سے طالبان حق ومعرفت کو لاتی تھی، وہ آتے تھے اور اپنی روحانی ماندگیوں کا علاج کرکے واپس جاتے تھے!

یہاں ان کے امرا کی حویلیاں تھیں، جو محمود کے رفیق رزم و بزم تھے، یہ حویلیاں بجائے خود قلعے تھے، ان کا استحکام، ان کی وسعت ان کا ساز و سامان، انکی زیبائش و آرائش ان کا جاہ و جلال وقت کے ملوک و سلاطین کے ایوان و قصور پیچھے چھوڑ کر کھاتا تھا!

اور ہاں ــــ یہ کوئی غریب شہر بھی نہ تھا!

یہاں انطاع عالم کی دولت موجود تھی۔ محمود نے اپنے فتوحات سے جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ سب یہاں موجود تھے ...... یہاں بعید ترین مقامات سے تاجروں کے قافلے آتے تھے، اور مال و زر سے اپنی جھولیاں بھر کر واپس جاتے تھے!

یہاں کیا نہیں تھا؟

یہ محمود کا غزنی تھا، جس کی جلالت و شان کا ڈنکا صرف غزنی میں نہیں، صرف خراسان میں نہیں، صرف بھارت میں نہیں بغداد تک میں بجتا تھا خلیفہ المسلمین جسے خطاب، سلطان، مرحمت فرماتے تھے، جس کے فتوحات اور کارناموں پر بغداد میں چراغاں کیا جاتا تھا، یہ وہ غزنی تھا ..... دیار معمور! دیار مشہور، دیار پر نور!

راستے دشوار گذار تھے، خطرناک تھے، ہلاکتوں سے لبریز تھے، مصائب سے بھرپور تھے، لیکن من چلے لوگ ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے صرف اس لئے غزنی آتے تھے کہ اس کی جھلک دیکھ لیں، محلات و قصور کا دور سے نظارہ کر لیں وہاں کی مسجد جامع میں دو رکعت نماز پڑھ لیں اور پھر واپس جاکر معاصرین میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کریں کہ ہم غزنی گئے تھے ــــ ہم نے غزنی کو دیکھ لیا ... محمود کی غزنی کی جی بھر کے زیارت کر لی۔

محمود اس جہان سے رخصت ہو چکا تھا، بلکہ آل سبکتگین کا تختہ الٹ چکا تھا۔

لیکن غزنی باقی تھا، اپنی پوری آب و تاب اور شان و شکوہ کے ساتھ ...... انسان کی عمر بہت کم ہوتی ہے، لیکن مٹی، چونے اور پتھروں کی بنی ہوئی عمارتیں قائم رہتی ہیں ان پر موت اگر طاری بھی ہوتی ہے تو بہت دیر میں، صدیوں کے بعد، قرنوں کے بعد!

اور اب یہ غزنی تاتاریوں کے زد میں تھا۔

تاتاری بار بار منڈلا کر آتے تھے کہ اس خوبصورت شہر کو بھی مٹی کا ڈھیر کر دیں، لیکن دوسرے مہمات و مصروفیات میں اپنے ارادے کو ملتوی کر دیتے تھے اور ایک دن عین اس وقت کہ موذن الصلوٰۃ خیر من النوم کا اعلان کر رہا تھا اور حی علی الفلاح حی علی الفلاح کی دعوت دے رہا تھا، نیند کے مارے بستروں پر کروٹیں بدل رہے تھے اور خدا سے ڈرنے والے اسے یاد کرنے والے اس کے حضور میں سر عبودیت خم کرنے والے نیند کی لذت سے منہ موڑ کر بستر کے آرام سے قطع تعلق کر کے خدائے واحد کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے اٹھ رہے تھے۔ ایک بہت بڑا زلزلہ آیا!

نہیں یہ زلزلہ نہیں اس سے بھی زیادہ بھیانک ہلاکت خیز، مرگ آفریں اور ہوش ربا چیز تھی۔

یہ وہ چیز تھی جس نے آن کی آن میں اس زندہ تابندہ اور پر رونق شہر کو گورغریباں بنا دیا، یہاں کی زندگی موت کے سناٹے سے بدل گئی، بچے بوڑھے، جوان مرد عورت سب ہی فنا کے گھاٹ اتر گئے،

یہ چنگیز کا لشکر تھا

یہ تاتاریوں کا غول بیابانی تھا، جو ہر اصول اور قاعدے سے بے نیاز تھا!
لوگوں نے فریادیں کیں، اطاعت کے وعدے کئے، گھر خالی کر دیئے، مال و زر کا ڈھیر

لگا دیا۔ لیکن چنگیز کو تسلی نہ ہوئی تاتاری مطمئن نہ ہوئے، انھوں نے ہر چیز لوٹ لی، ہر شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہر عمارت کو ڈھا دیا، مسمار کر دیا، سفاکی اور شقاوت کا یہ کارنامہ وہ ہنس ہنس کر، قہقہے لگا لگا کر، مسکرا مسکرا کر انجام دے رہے تھے، اسی طرح اس وقت غزنی کی جگہوں، سڑکوں اور کوچوں میں انسانوں کا شکار کیا جا رہا تھا وہ ہلاک ہو رہے تھے اور موت انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتار رہی تھی چنگیز اپنے سفید براق گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر کا گشت لگا رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں؟

اس کام کو انجام پاتے پاتے رات ہو گئی، تاتاری سورما بھی اپنے فرائض انجام دیتے دیتے تھک گئے!

چنگیز نے اپنے بیٹے چغتائی سے جو اس معرکہ میں اس کا ہم رکاب تھا، کہا۔

چنگیز خاں: غزنی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی؟ .... خوارزم شاہ کی آخری پناہ گاہ اور امید گاہ برباد ہو گئی؟

چغتائی: بے شک سلطان عالم بے شک!

چنگیز خاں: یہاں کے لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے؟

چغتائی: اتر گئے والد محترم .... صرف وہ لوگ بچ رہے ہیں جنہیں ہم نے زندہ رکھنا چاہا۔

چنگیز خاں: (تبسم کے ساتھ) غلامی کے لئے؟

چغتائی: جی .... یہ اب ہمارے غلام ہیں اور ان کی عورتیں ہماری کنیزیں!

چنگیز خاں:۔ میں نے ابھی سارے شہر کا گشت لگایا ہے، میں محسوس کرتا ہوں ابھی کافی لوگ ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں! .... کیا یہ اسی طرح چھپے رہیں گے؟ کیا یہ موت سے بچ جائیں گے؟

چغتائی:۔ ہمارے سپاہیوں نے کسی ایسے آدمی کو زندہ نہیں چھوڑا جو نظر آ گیا ممکن کچھ لوگ جانیں بچانے کیلئے ادھر ادھر دبک گئے ہوں۔

چنگیز خاں:۔ ہمارا یہی مطلب ہے ـــــ لیکن انہیں نکلنا چاہیئے تاکہ قتل ہوں تو میرا بیٹا ہے، میں چاہتا ہوں، تو میرا انداز شہریاری سیکھ لے!

چغتائی سر جھکائے کھڑا رہا!

چنگیز خاں:۔ ہمارے لشکر اپنے خیموں میں واپس جا چکے ہیں؟

چغتائی:۔ جی .... صرف تھوڑے سے رہ گئے ہیں، وہ بھی اب جا رہے ہیں!

چنگیز خاں:۔ یہ لوگ بھی جب خیمہ میں پہونچ جائیں، تو گرفتار شدہ مسلمانوں میں سے چند مسلمانوں کو لیکر اندرون شہر لاؤ۔ ان کے ساتھ ساتھ کافی سپاہی بھی ہونے چاہئیں، رات کی تاریکی شروع ہو چکی ہے، ان سپاہیوں کو حکم دو کہ مسجدوں کے اندر چھپ جائیں اور مسلمانوں کو حکم دو کہ اپنی ٹوٹی ہوئی مسجدوں کے دروازے پر کھڑے ہو کر اذان دیں.... اس طرح بہت سے لوگ جو ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں برآمد ہو جائیں گے، اور پھر مسجدوں کے اندر سے ہمارے سپاہی نکل کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیں گے ـــــ کیوں بیٹے کیسی ہے یہ تدبیر؟ ـــــ کارگر ہے کہ نہیں؟

چغتائی :۔ (خوش ہو کر) بہت کارگر ترکیب ہے۔ میں ابھی اس پر عمل کرتا ہوں۔

واقعی بہت سے لوگ تاتاریوں کی زد سے بچ کر ادھر ادھر روپوش ہو گئے تھے اور منتظر تھے کہ یہ طوفان ٹلے تو پھر اپنے ہٹے ہوئے کھنڈروں میں واپس آکر جسم و جان کا رشتہ پھر سے قائم کریں، چنگیز کے حسب الحکم بہت سے تاتاری سپاہی تلواریں سونت سونت کر مسجدوں میں چھپ رہے، اگر نتارشدہ مسلمانوں نے مسجدوں کے سامنے کھڑے ہو کر اذانیں دیں۔ یہ سمجھے کہ تاتاری طوفان ٹل گیا، اپنی اپنی پناہ گاہوں سے نکل آئے اور آتے ہی نذرِ اجل ہوئے![1]

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

---

[1] ملاحظہ ہو لیمب کی کتاب "چنگیز"

انتقام کا فیصلہ

جلال الدین خوارزم شاہ اپنے خیمۂ زرنگار و اطلس پوش میں بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ فائقہ اس کے پہلو میں بیٹھی تھی جلال الدین نے وعدہ پورا کیا تھا، اور اسے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ اسے زندگی کی سب سے بڑی نعمت مل گئی تھی، وہ دولت اس نے پائی تھی جس کا وہ تصور کرنا بھی ناممکن سمجھتی تھی۔ خوارزم شاہ کا برتاؤ پہلے بھی ملاطفت کا تھا جب سے وہ داخل حرم ہوئی تھی خوارزم شاہ کی نوازش اور عنایت میں بدرجہا اضافہ ہو گیا تھا وہ فائقہ کی دلدہی کرتا تھا۔ اس کی بات مانتا تھا اس مسافرت کے عالم میں بھی اس کی راحت و آسائش کا پورا پورا خیال رکھتا تھا۔ یوں بھی فائقہ خوارزم شاہی لشکر میں عزت اور منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی، لیکن جب سے وہ داخل حرم ہوئی تھی اس کی عظمت اور وقعت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا، اب وہ ایک کنیز نہیں تھی۔ حرم شاہی کی ایک معزز خاتون تھی۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر بول فرمان بن جاتا تھا۔ خوارزم شاہ کی کئی بیویاں تھیں، اور یہ اس زمانے کا عام دستور تھا۔ ملوک و سلاطین کے سوا امرا اور جاگیردار بھی کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ یہ اس زمانے کا ایسا چلتا ہوا فیشن بن گیا تھا جس

کے خلاف کہیں اور کسی طرف سے صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی تھی یہ بیویاں اپنے غلاموں اور سپاہیوں کے ساتھ مختلف شہروں میں رہتی تھیں، غیر متعین حالات، بے امنی بے اطمینانی اور طوائف الملوکی کے اس دور میں مناسب تھا کہ سب الگ الگ رہیں تاکہ کوئی وقت آئے تو جہاں کچھ پھنس جائیں، وہاں کچھ بچ بھی جائیں۔ خوارزم شاہ نے فائقہ کو بھی کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نہ ہوئی۔ وہ خوارزم شاہ کی ہر بات دل سے مانتی تھی، لیکن جدا ہونے سے کسی طرح اور کسی قیمت پر رضامند نہیں ہوئی تھی۔ اسے وہ ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ خوارزم شاہ سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے وہ کہتی تھی مجھے خطرہ اور ہلاکت کی زندگی ہزار گنا اس اطمینان اور عافیت کی زندگی سے پسند ہے جو مجھے آپ سے جدا کر دے۔ دور کر دے۔ خوارزم شاہ اصرار کرتا تھا لیکن فائقہ کی ضد کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔ آج بھی کچھ اس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں، خوارزم شاہ نے کہا

خوارزم شاہ:۔ فائقہ اب تمہیں کسی محفوظ مقام پر جانا ہی پڑے گا!"

فائقہ کی جان نکل گئی دفعتاً اس کا سرخ و سفید چہرہ زرد پڑ گیا

فائقہ:۔ یہ کیوں ـــــــ؟

خوارزم شاہ:۔ تم سن چکی ہو غزنی پر چنگیز خان نے کیسی آفت ڈھائی۔ کیا کیا ستم توڑے میں انتقام لوں گا، میں چنگیز کا تعاقب کروں گا میں اسے سزا دوں گا۔ اس حالت میں تمہارا میرے ہمرکاب چلنا یا میرے ساتھ رہنا خطرہ سے خالی نہیں!

فائقہ:۔ لیکن آپ جانتے ہیں یہ خطرہ مجھے زندگی سے زیادہ عزیز ہے!"

خوارزم شاہ:۔ (ملاطفت سے) ہاں جانتا ہوں لیکن تمہیں اپنی خوشی پر ایک معصوم اور مقدس جان کی بھینٹ نہیں چڑھانی چاہئے (سکوکر) تم اب ماں بننے والی ہو۔ ایک

ماں کی حیثیت سے غور کرو، اس عالم کس مپرسی میں اگر ذراسی بھی بے احتیاطی
ہو گئی تو کیا ہوگا؟ ....

فائقہ۔ ہاں یہ خیال تو کبھی کبھی میرے دل میں بھی آتا ہے!

خوارزم شاہ۔ تو پھر میرا کہنا مانو ایک محفوظ مقام میری نظر میں ہے، وہاں چلی جاؤ
کم از کم اس وقت کے لئے ہی جب تک میں غزنی کا انتقام لے کر واپس
نہیں آجاتا، وعدہ کرتا ہوں اس کے بعد پھر حسب سابق تم وہیں رہو گی جہاں
میں رہوں گا۔

فائقہ: (خوش ہو کر) آپ وعدہ کرتے ہیں؟

خوارزم شاہ: ہاں وعدہ کرتا ہوں اور تمہیں میرے وعدے پر اعتماد کرنا چاہئیے!

فائقہ: تو یہ مجھے منظور ہے، جہاں چاہئیے بھیج دیجئے گذارش بس صرف اتنی ہے کہ
غزنی کی مہم سے واپس آکر آنے کے بعد کنیز کو ——

خوارزم شاہ: ہاں ہاں مطمئن رہو، غزنی سے مراجعت کے بعد فوراً تمہیں بلاؤں گا اسوقت
تک امید ہے کہ تم ایک بچے کی ماں بن چکی ہوگی۔ اور پھر شاید تمہیں مجھ سے وہ
تعلق خاطر نہ رہے گا جو اب ہے!

فائقہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

فائقہ: واہ یہ رائے کس طرح قائم کر لی آپ نے؟

خوارزم شاہ (متبسم ہو کر) او تم تو رونے لگیں، بات بات میں رونا بہادروں کا شیوہ نہیں
ہوتا، بزدلوں کی عادت ہوتی ہے، تم تو بہادر ہو، تمہاری بہادری تو اس سے بڑھ
کر کیا ثبوت ہوگا کہ تم نے خوارزم شاہ کو فتح کر لیا۔

فائقہ مسکرادی!

خوارزم شاہ: تم اس قدر زود حس کیوں ہو ـــــ؟

فائقہ: نہ جانے کیوں! ...... مجھے خود اپنی اس کمزوری پر شرمندگی ہوتی ہے!

خوارزم شاہ ہنسنے لگا

فائقہ: آپ کب تشریف لے جارہے ہیں غزنی کی مہم پر؟

خوارزم شاہ: زیادہ سے زیادہ دو تین دن میں۔ اس مرتبہ زیادہ تیاری کر کے جارہا ہوں۔
چاہتا ہوں چنگیز کو ایسا سبق دوں کہ وہ یاد کرے عمر بھر!

فائقہ: خدا کرے ایسا ہی ہو، خدا سب کو چشم زخم سے محفوظ رکھے!

خوارزم شاہ: آمین .... اور کچھ؟ دیکھو ہم نے تمہاری تائید کردی!

فائقہ: میں یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ کوکبۂ اقبال واپس کب ہوگا؟

خوارزم شاہ: اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے دور دراز سفر پر جارہا ہوں۔ نہایت طاقتور
اور وحشی فطرت دشمن سے مقابلہ ہے، حالات نہ جانے کیا صورت اختیار کریں
جلد سے جلد واپسی ہوئی جب بھی دو تین مہینے تو لگ ہی جائیں گے!

فائقہ: دو تین مہینے ... یہ تو بہت مدت ہوئی، بڑی دیر لگ جائے گی اس طرح تو!

خوارزم شاہ: ہاں ـــــ لیکن یہ بھی تو سوچو مہم کتنی سخت ہے، نہ جانے کتنی دور ہے!
لیکن تم گھبراتی کیوں ہو، اطمینان رکھو، ان شاءاللہ پلک جھپکاتے میں یہ دن گذر جائینگے
بس تم ایک کام کرو دعا کرتی رہو کہ خدا مظفر و منصور واپس لائے
چنگیز نے غزنی کو تاراج کردیا ہے، میں اس کے عزائم کی دنیا تاراج کردینا چاہتا ہوں

فائقہ: ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا، آپ خدا کیلئے جنگ کررہے ہیں، وہ ضرور آپکی مدد کریگا!

خوارزم شاہ: بس تم اب یکسوئی سے اپنا سامان سفر درست کرو۔ میں چاہتا ہوں کل تم سب سے میرے سامنے روانہ ہو جاؤ۔

فائقہ: کل ہی کیوں؟..... جب آپ تشریف لے جائیں گے میں بھی چلی جاؤں گی۔

خوارزم شاہ: نہیں..... میں چاہتا ہوں، تم میرے سامنے چلی جاؤ، اور جب تمہاری بخیریت پہونچ جانے کی اطلاع مل جائے، تب میں بہ اطمینان آگے قدم بڑھاؤں

فائقہ: تو کل ہی چلی جاؤں گی..... کیا راضیہ بھی میرے ساتھ جائے گی۔

خوارزم شاہ: اگر معین الدین کو انکار نہ ہو تو اسے ضرور جانا چاہیئے۔ اس کا بھی اس سفر میں ساتھ رہنا مناسب نہیں، تمہارے ساتھ محفوظ مقام پر چلی جائے تو اچھا ہے۔ کیا وہ بھی

فائقہ: میں نے اس لئے عرض کیا کہ اس کی بھی وہی کیفیت ہے جو میری ہے

خوارزم شاہ: (مسکرا کر) یعنی ....

فائقہ: جی..... وہ بھی ایک بچے کی چند ہی روز میں ماں بننے والی ہے۔

خوارزم شاہ: تعجب ہے معین الدین نے ہمیں نہیں بتایا..... بہرحال اگر یہ بات ہے تو ہمارا حکم ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ جائے!

فائقہ مسکرانے لگی۔ اتنے میں خوارزم شاہ نے معین الدین کو طلب کیا وہ فوراً حاضر ہوا۔ خوارزم شاہ نے پوچھا

خوارزم شاہ: غزنی کی مہم پر ہم کب روانہ ہو رہے ہیں؟

معین الدین: جب جہاں پناہ چاہیں، سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔

خوارزم شاہ: شاباش، جزاک اللہ۔ لیکن ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ فائقہ کو کسی محفوظ مقام پر بھیج دیں، اس لیئے کہ اس حالت میں کہ ایک دوسری زندگی بھی انکی جان سے وابستہ

ہے ہمارے ساتھ سفر میں رہنا ٹھیک نہیں۔

معین الدین:- بجا ارشاد ہوا عالم پناہ!

خوارزم شاہ:- کیا راضیہ سفر میں رہے گی؟ .... ہم نے سنا ہے وہ کبھی امید سے ہے کیا یہ سچ ہے؟

معین الدین:- (گردن جھکا کر) آپ کے سمع مبارک تک جو خبر پہنچی ہے وہ بالکل صحیح ہے!

خوارزم شاہ:- پھر کیوں نہ تم اسے بھی نائلہ کے ساتھ بھیج دو؟ اس طرح ہم تم مطمئن اور یکسو ہو کر غزنی کی طرف کوچ کر سکیں گے!

معین الدین:- غلام کو کب انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن غزنی کی مہم تو کافی دنوں تک جاری رہے گی۔ سنہ دلست ایسا ہونا چاہیئے کہ یہاں کے حالات کی اطلاع وقتاً فوقتاً ملتی رہے۔

خوارزم شاہ:- تم ہم سے کہہ رہے ہو۔ یہ تمہارا کام ہے جس طرح چاہو انجام دو۔ اور ہاں ہم نے جو جاسوس چنگیز کے تعاقب میں بھیجے ہوئے تھے وہ اب تک نہیں آئے۔ سمت متعین کئے بغیر ہم کس طرح آگے بڑھ سکیں گے۔

معین الدین:- ہمارے بھیجے ہوئے جاسوسوں میں سے دو واپس آ گئے ہیں اور یہ خبر لائے ہیں کہ چنگیز کا لشکر طالقان اور بامیان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

خوارزم شاہ:- طالقان اور بامیان کی طرف ـــــ؟ یہ کم بخت تاتاری کوئی جگہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔

معین الدین:- لیکن ہم کب انہیں چھوڑتے ہیں۔ یہ کہیں بھی پہنچیں تمہارے مبرم کی طرح ہم ہمیشہ ان کے سر پہ سوار رہیں گے۔ غزنی میں انھوں نے جو کچھ بویا ہے بامیان میں کاٹیں گے۔

خوارزم شاہ:- ان شاء اللہ۔ ان شاء اللہ!

کٹی ہوئی گردنوں کا مینار

فائقہ اور راضیہ کو ایک نسبتہً محفوظ مقام پر پہنچا کر خوارزم شاہ اپنی مختصر سی جمعیت کے ساتھ جو کچھ سرفروشوں اور جاں نثاروں پر مشتمل تھی چنگیز کے تعاقب میں روانہ ہو۔ اب تک صورت حال یہ تھی کہ وہ چھاپے مارتا تھا۔ اور چھاپے مار کر واپس آجاتا تھا لیکن غزنی کی تباہی نے اس کے دل و دماغ پر اس درجہ اثر کیا تھا کہ اس نے فوج کی کمی، ساز و سامان جنگ کی نایابی حالات کی نا مساعدت اور ناکامی کے پورے اندیشے کے باوجود یہ طے کر لیا تھا کہ اس مرتبہ چھاپے پر اکتفا نہیں کرے گا۔ لڑیگا... اس وقت تک لڑے گا جب تک اس کے بازو شل نہ ہو جائیں!

اور ادھر چنگیز یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی پر زندہ نہیں رہنے دیگا ان کے ایک ایک شہر کو کھنڈر بنا دے گا۔ ان کی ایک ایک بستی کو اجاڑ دے گا ان کے ایک ایک گھر کو زمین کے برابر کرے گا۔ ان کی کھیتیاں جلا دے گا۔ ان کے باغوں میں آگ لگا دیگا ان کی بنائی ہوئی شاندار اور بے نظیر عمارتوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دے گا۔ ان کے بچوں بوڑھوں عورتوں تک پر رحم نہیں کرے گا جو سامنے آئیگا موت کے گھاٹ اتار دیگا

راستہ بھر وہ یہی منصوبہ تیار کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کی فوجیں طالقان میں داخل ہوگئیں۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی، جہاں کے باشندوں میں نہ لڑنے کی سکت تھی نہ ساز و سامان ہی تھا کہ لڑ جاتے اور دل کا حوصلہ نکال کر مرجاتے۔ انھوں نے سمت سماحت کی اطاعت اور انقیاد کا دم بھرا۔ چنگیز نے اس شہر کے دولت مندوں، رئیسوں اور تاجروں کو "پاکزہ"[1] مرحمت فرمایا اور کہہ دیا کہ جن لوگوں کے پاس یہ پاکزہ ہے وہ ہر طرح محفوظ رہیں گے باقی کسی اور کے بارے میں وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں نے یہ آدھی موت بھی گوارہ کر لی، لیکن ابھی یہ پہونچے بھی نہ پائے تھے کہ عقب سے تاتاری فوجیں پہونچ گئیں، اور انھوں نے کشت و خون، لوٹ مار، اور قتل و نہب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جن لوگوں کے پاس "پاکزے" تھے وہ مطمئن تھے وہ دروازوں پر کھڑے تھے کہ تاتاری سپاہی اگر ادھر کا رخ کریں گے، تو یہ تمغے دکھا کر جان و مال بچا لیں گے۔ لیکن جب تاتاری سوار پہونچے اور یہ "پاکزے" انھیں دکھائے گئے تو تاتاری سپاہیوں نے یہ پاکزے چھین لئے اور گھروں میں گھس کر لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ نہ کسی بچہ کو چھوڑا، نہ عورت کو، نہ مرد کو، نہ بوڑھے کو۔ گھر میں کوئی چیز سلامت نہیں چھوڑی، ہر ہر چیز لوٹ لی، اور اچھی طرح لوٹ چکنے کے بعد گھر کو ڈھا کر مسمار کر دیا، اور اس طرح آن کی آن میں وہ جگہ جہاں طالقان آباد تھا، ایک ویرانہ اور خرابہ بن گئی۔ چنگیز اس جگہ ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ٹھہرا۔ اس نے طالقان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد فوراً فوج کو حکم دیا کہ بامیان کی طرف بڑھے۔

[1] "پاکزہ" غالباً تاتاری زبان کا لفظ ہے۔ یہ ایسا سرکاری نشان تھا جسے دیکھنے کے بعد تاتاری صاحب نشان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے۔

بامیان ایک آباد اور پر رونق شہر تھا۔ یہاں کی عمارتیں، یہاں کے باغات، یہاں کی
نہریں ایک خاص امتیازی شان کی حامل تھیں۔ آبادی بھی کافی تھی۔ کاروبار بھی خوب چمکا ہوا
تھا۔ مال و دولت اور ثروت مندوں کی بھی کمی نہیں تھی اور علما اور امرا بھی بڑی تعداد میں موجود
تھے۔ بامیان ایک تہذیبی شہر تھا۔ یہاں کی تہذیب اور یہاں کی آفریں تہذیب آفریں
زندگی نے لوگوں کی شائستگی میں ایک رعنائی سی پیدا کر دی تھی۔ چنگیز کو دانت بہت دنوں
سے اسی شہر پر تھا۔ دوسری الجھنوں میں ایسا پھنسا رہا کہ اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ اب طالقان
کا محاصرہ سر کرنے کے بعد وہ سیدھا بامیان پہنچا اور آتے ہی بغیر کسی شرط کے حملہ کر دیا اور
ایسا خونریز اور ہوشربا کہ اپنی ساری قوت اسی معرکہ میں انڈیل کر جھونک دی۔ بامیان کے لوگ
حوصلہ مند تھے وہ جانتے تھے کہ اول آخر مرنا ہے جب مرنا ہی ہے تو پھر بہادروں کی موت کیوں نہ
مرا جائے، بزدلوں کی موت کیوں قبول کی جائے؟ اگرچہ وہ لڑائی کیلئے تیار نہیں تھے لیکن
اس سیل بے پناہ کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے وہ تاتاری لشکر کے
مقابلہ میں بالکل ہیچ اور کمزور تھے لیکن عزم و ہمت اور جوش و جذبہ کے اعتبار سے گئے گزرے
ہوئے نہیں تھے۔ تو ترنوالہ بھی نہیں تھے۔ چنگیز کو اتنی سخت مزاحمت اور مقاومت کی توقع
نہیں تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ جس طرح طالقان میں بھیڑوں بکریوں کی طرح انسانی گردنیں
کٹائی تھیں، اسی طرح بامیان جیسے مرکزی مقام اور گہوارہ تہذیب میں بھی سڑکوں اور
گلیوں پر پانی کی طرح انسانوں کا خون بہایا جائیگا اور بصفت سیل رواں واپس جائیگا لیکن ایسا
نہ ہوا۔ مور ضعیف سے زیادہ حیثیت مسلمانوں کی نہ تھی لیکن وہ ایسی چیونٹی ثابت ہوئے جو ہاتھی کی ناک
میں گھس کر اسکی زندگی اجیرن کر دیتی ہے۔ چنگیز کو پہلی مرتبہ اتنی سخت مقاومت سے دوچار ہونا پڑا
تھا۔ وہ بار بار اپنے دلاوروں کو اکساتا تھا، بڑھاتا تھا، بڑھاوے دیتا تھا، وہ ایک تیز جذبہ

اور جوش کے ساتھ آگے بڑھتے تھے، پیش قدمی کرتے تھے، پوری بے دردی اور سفاکی کے ساتھ مسلمانوں کی گردنیں کاٹتے تھے۔ لیکن جتنی گردنیں کٹتی تھیں، ان سے کہیں زیادہ سر کٹنے کیلئے پھر آموجود ہوتے تھے، اس جنگ میں مسلمان بری طرح قتل کئے گئے، لیکن قتل ہوتے ہوتے بہت سے تاتاریوں کو بھی انھوں نے قتل کر دیا، میدان جنگ اگر مسلمانوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا، تو جا بجا تاتاریوں کی لاشیں بھی نظر آ رہی تھیں، یہ منظر دیکھ دیکھ کر چنگیز کا خون کھول رہا تھا، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کس طرح اس جنگ کو اس طرح ختم کرے کہ مسلمانوں کوئی بھی زندہ نہ بچے، اور تاتاری جتنے قتل ہو چکے ہیں۔ وہ سب کے سب زندہ اور تنومند ہو جائیں، اور اٹھ کھڑے ہوں!

دو شبانہ روز تک یہ ہولناک خونریز جنگ جاری رہی، ہمیشہ جنگ کے بعد مسلمان غلام بنائے جاتے تھے، آج جب جنگ ختم ہوئی تو اس طرح کہ کوئی نہ تھا جس کی گردن میں غلامی کی رسی ڈالی جاتی ..... سب لڑتے لڑتے شہید ہو چکے تھے، ہاں بچے تھے، بیمار تھے، عورتیں تھیں بوڑھے تھے، لیکن ان کی قسمت میں بھی غلامی نہیں لکھی تھی چنگیز کے سامنے جب یہ ستم رسیدہ لوگ لائے گئے تو اس نے چیخ کر کہا

- میں ان میں سے کسی کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا، اس منحوس شہر میں ہزاروں تاتاری قتل ہوئے ہیں۔ یہاں دشمن کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہنا چاہئیے!

حکم کی دیر تھی کہ تعمیل حکم کا خون چکاں سلسلہ شروع ہو گیا!

یہ روتے ہوئے بچے، یہ سہمی ہوئی عورتیں، یہ نحیف و نزار بوڑھے، یہ کمزور ضعیف بیمار ایک صف میں بٹھائے گئے، اور ان کی گردنیں کٹنے لگیں، ان کی فریاد و الغیاث کی صدائیں بلند ہوئیں۔ لیکن چنگیز کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں، اگر پہنچیں تو بے اثر واپس آ گئیں۔

اس کارِ اہم کو انجام دینے کے بعد چنگیز مسکرا دیا۔ اب تک اس کے ماتھے پر شکنیں

پڑی ہوئی تھیں لیکن تبسم کی جاں نوازی نے سفاکی کے اس نشان کو ہلکا کر دیا تھا چنگیز نے تمن خاں سے کہا۔

۔ آج بے اندازہ لوگ قتل ہوئے ...... میں چاہتا ہوں ان کٹے ہوئے سروں کا مینار بنواؤ تاکہ میں دیکھوں کہ ہماری تلوار کی بلندی کہاں تک پہونچ چکی ہے ...... اس مینار کو میں اسی طرح چھوڑ جاؤں گا تاکہ اگر کبھی خوارزم شاہ کا اس طرف گذر ہو تو وہ دیکھ لے کہ میں اس کے لیے کیسی نادر اور ناقابل فراموش چیز چھوڑ گیا ہوں۔

تمن خاں کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا، اس نے آن کی آن میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے سروں پر مشتمل ایک مینار بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مینار اپنی بلندی میں اپنی مثال آپ ہی تھا اس مینار کو دیکھ کر چنگیز ہنس پڑا اس نے تمن خاں سے کہا۔

۔ اچھی چیز ہے ..... میں خوش ہوا اسے دیکھ کر !

اس سے قبل بھی میں نے گردنیں کاٹی ہیں اور کٹی ہوئی گردنوں کے مینار بھی بنوائے ہیں لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ مینار اب تک کے میناروں میں سب سے اونچا ہے !

تمن خاں ابھی جواب نہیں دے پایا کہ خوارزم شاہ طالقان سے افسردہ دل اور غضبناک با میان آیا۔ یہاں اس نے یہ جگر فگار منظر دیکھا۔ فوراً شاہین کی طرح جھپٹا، اور ٹوٹ پڑا، تاتاری سپاہی گر کھول چکے تھے، اور مطمئن تھے کہ اب صرف آرام ہی کرنا ہے۔ اس اتفاقی اور ناگہانی حملہ سے جب تک ...... سینتیس ہزار دل کی گردنیں کٹ چکی تھیں۔ چنگیز نے اپنے بیٹے چغتائی کو آگے بڑھایا وہ اپنے دلاور اور سجیلے ہوئے سپاہیوں کو لے کر آگے بڑھا، اتفاق سے اسکی اور خوارزم شاہ کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ خوارزم شاہ نے تلوار کا ایسا جچا ہوا ہاتھ مارا کہ اگر وہ بہت چست نہ ہوتا تو ختم ہو گیا ہوتا۔ پھر بھی سر اور شانہ اور گردن پر کاری گہرا زخم آیا۔ چغتائی[1] کے زخمی

---

[1] بعض مورخین نے چغتائی کے بجائے اس کے بیٹے کا زخمی ہونا بیان کیا ہے۔

ہونے کی اطلاع جب چنگیز کو ملی، تو وہ برق فنا بن گیا تھا۔ اب اس کا لشکر بھی کمل طور پر تیار ہو چکا تھا۔ لیکن خوارزم شاہ کو اب ٹھہرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس نے چند گھنٹوں کی اس مختصر سی مدت میں ہزاروں تاتاریوں کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ جب وہ طوفان کی طرح چغتائی کو زخمی کرکے اور چنگیز کے دل پر گہرا داغ لگا کر واپس چلا گیا، تاتاری تعاقب کو بڑھے لیکن اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے!

چغتائی کا زخمی ہونا اتنا بڑا سانحہ تھا کہ چنگیز غصہ سے بے قابو ہو گیا، اس نے ہاتھی کی طرح چنگھاڑ کر تمن خاں سے کہا۔

"چغتائی زخمی ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی یہ جرأت کہ میرے بیٹے کو زخمی کر دے، پھر وہ زندہ بچ کر بھی نکل گیا، یہ ان لوگوں کو سزا دوں گا جنہوں نے اسے نکل جانے دیا لیکن قبل اس کے کہ وہ سزا پائیں، بامیان میں ہر جاندار کا وجود ختم کر دو، یہاں کے پرندوں کو ہلاک کر دو، یہاں کے جانوروں کو ختم کر دو، یہاں کے چرندوں کو موت کے گھاٹ اتار دو، درخت پر کوئی چڑیا، زمین پر کوئی جانور نظر نہ آئے۔ جب تک یہ نہیں ہو جاتا میرے دل کو قرار نہیں آئے گا۔"

چنگیز کے دل کو اس وقت قرار آگیا، جب اس نے اپنی آنکھ سے کبوتروں، چڑیوں، مرغیوں، بھینسوں، بکریوں، بھیڑوں، گھوڑوں، اور گدھوں کی لاتعداد کٹی ہوئی گردنیں دیکھ لیں!

چنگیز کا انتقام کتنا ہولناک تھا، لیکن یہی انتقام خوارزم شاہ کے سامنے کتنا بے بس تھا

۱؎ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ اپنے بیٹے یا پوتے کے زخمی ہونے کے بعد چنگیز نے حکم نافذ کیا تھا کہ چرند پرند سب ہلاک کر دیئے جائیں؛

احساس کمتری

چنگیز خاں خوارزم شاہ کے ان پے بہ پے حملوں سے عاجز آ گیا تھا۔ اور بامیان میں اس کے بیٹے چغتائی کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا، اس نے اسے اور زیادہ مشتعل و برآنگیختہ کر دیا تھا۔ وفورِ غضب سے اسکا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور وہ اپنی بوٹیاں نوچ رہا تھا، کوئی صورت ذہن میں ایسی نہیں آ رہی تھی کہ وہ خوارزم شاہ اور اس کے عزم و ہمت کو کچل دیتا، درحقیقت اب وہ ان پے بہ پے یلغاروں اور ترکتازیوں سے عاجز آ چکا تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دل ہی دل میں خائف ہو چکا تھا، تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا۔ قسمت کا مارا تمن خاں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے چاہا کہ اس وقت چنگیز کو برہم اور غضبناک دیکھ کر واپس چلا جائے، الٹے پاؤں واپس ہو رہا تھا کہ چنگیز کی نظر پڑ گئی۔ اس نے گرجدار آواز میں اسے پکارا!

"تمن خاں ادھر آؤ۔"

تمن خاں وہیں رک گیا۔ ذرا سے ذرا ٹھٹکا، اور پھر اپنے آقائے نعمت کے سامنے کھڑا ہو گیا!

چنگیز نے کہا

"دربار" ـــ !"

جب وہ دربار کا لفظ استعمال کرتا تھا، تو اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ کوئی بڑا اہم مدّ پیش ہے۔ اور وہ اصحاب فکر و رائے کو جمع کر کے۔ ان سے صلاح مشورہ کرنا چاہتا ہے وہ فوراً واپس گیا۔ اس نے سرداران لشکر اور اکابر و اعیان کو جمع کیا تھوڑی ہی دیر میں چنگیز کا خیمہ فوج کے سرداروں، امیروں، سپہ گروں اور اس کے لڑکوں سے بھر گیا۔ مجلس پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چنگیز کی دہشت سب پر مسلط تھی۔ کسی میں یارا نہیں تھا کہ باب سخن وا کرے، سب حیران؛ ششدر، خاموش و مضطرب بیٹھے ہوئے تھے۔ آنکھیں زمین پر تھیں، سر جھکے ہوئے تھے خیالات پریشان دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے!

اتنے میں فیل مست کی طرح چنگیز چنگھاڑا۔ سب دہل اٹھے۔

چنگیز: میں آج تک شکست سے دوچار نہیں ہوا میں نے کسی سے ہار نہیں مانی۔ میں دنیا کی کسی شخصیت سے مرعوب و متاثر نہیں ہوا۔ میں کسی بڑی سے بڑی قوت سے ذرا نہیں سہما۔ بتاؤ! میں غلط تو نہیں کہتا؟

کئی جلی آوازوں سے خیمہ گونج اٹھا!

"نہیں ـــ نہیں ـــ ہمارا بادشاہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ بہادری میں یکتا ہے ساری دنیا اس کے نام سے کانپتی ہے۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور کشور کشا ہے۔ وہ اس دنیا پر ابر رحمت کی طرح چھایا ہوا ہے۔ دنیا کے لوگ اسلئے ہیں کہ اس سے سہمیں، ڈریں۔ اس کے سامنے سر عبودیت خم کر دیں اور وہ صرف اس لئے ہے کہ سب پر حکومت کرے اسے کوئی نہیں ڈرا سکتا وہ کسی سے مرعوب و متاثر نہیں ہو سکتا۔"

چنگیز :۔ ہاں ساری دنیا مجھ سے میرے نام سے لرزتی ہے کانپتی ہے ــــ لیکن کیا
جلال الدین خوارزم شاہ بھی؟
ملی جلی آوازیں پھر بلند ہوئیں۔
۔۔ وہ بھی ــــ وہ بھی!
چنگیز :۔ گرجتے ہوئے! نہیں، جھوٹ نہ بولو، وہ مجھ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا!
سب لوگ خاموش ہو گئے!
اور چنگیز نے ایک مرتبہ پھر سب کو مخاطب کر کے کہا۔
خوارزم شاہ مجھ سے نہیں ڈرتا، ذرا بھی نہیں ڈرتا، وہ میرا مذاق اڑاتا ہے
میں نے بلند و بالا عمارتوں کو کھنڈر بنا دیا، میں نے بڑے بڑے تاریخی شہروں کو
خاک کا ڈھیر بنا دیا، میں نے جنگلوں باغوں اور کھیتوں کو جلا کر خاکستر کر دیا میں نے بہادر و
سپہ گروں، سرداروں اور جوانوں کی گردنیں کاٹ لیں،
میں نے خون کی ندیاں نہیں سمندر بہا لئے
میں نے جانوروں تک کو للکارا۔ اور انہیں قیمہ قیمہ کر دیا، میرے سامنے آنے کے
بعد کوئی بھی اپنی جان سلامت نہ لیجا سکا۔
ملی جلی آوازیں، پھر بے ساختگی کے ساتھ بلند ہوئیں۔
۔۔ بے شک ــــ بے شک!۔
چنگیز :۔ لیکن میں جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست نہ دے سکا، میں اس کے عزم و ہمت
کو مجروح نہ کر سکا، میں اس کی خودداری اور عزت نفس کو کچلنے میں کامیاب نہ ہو سکا
بتاؤ میرے دوستو، ساتھیو، رفیقو، میں غلط تو نہیں کہتا؟

یہ کہتے کہتے اپنی تقریر کا ردِ عمل دیکھنے کے لئے ذرا کے ذرا وہ رکا!
سب خاموش تھے سب پر سناٹا چھایا ہوا تھا!

چنگیز: مجھے اپنے وجود سے شرم آنے لگی ہے ..... میں نے ہر معرکہ میں زیادہ سے زیادہ تازہ دم فوجیں جھونکیں، اور معرکہ سے زندہ دلی، اور شرارت کے ساتھ خوارزم شاہ بچ کر نکل گیا .... مجھے نقصان پہونچا کہ میرے سپاہیوں اور دلاوروں کی گردن کاٹ کر، میرا منہ چڑا کر، وہ موجِ دریا کی طرح نکل گیا اور میں کچھ نہ کر سکا!

ایک سردار نے کہا
لیکن کب تک ؟ — آخر ایک نہ ایک دن وہ ہمارے ہاتھ آئے گا!

دوسرے نے کہا
اور اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس کے لاکھوں ہم قوموں کا ہو چکا ہے !

چنگیز: ہاں، — لیکن وہ دن کب آئے گا..........................؟ کیا میری زندگی میں ؟

منن خاں: ضرور، ضرور آپ کی زندگی ہی میں وہ دن آئے گا، وہ گرفتار ہوکر، ہمارے شاہ والا جاہ کے سامنے پیش ہوگا اور اپنے کیفرِ کردار کو پہونچے گا!

چنگیز: یہ طفل تسلیاں ہیں ...... مجھے ان باتوں پر یقین نہیں آتا!
میں کبھی مایوس نہیں ہوا، لیکن اب مایوسی مجھ پر غالب آتی جاتی ہے!

وہ جہاں بھی ملے میں اس سے فیصلہ کن جنگ کا فیصلہ کر چکا ہوں، اس مرتبہ اسے بچ کر نہیں نکلنے دوں گا، وہ میرے پنجے سے بچ کر نہیں نکل سکے گا! —

وہ دریا کی تہ میں بھی ہوگا۔ تو میں اس کا تعاقب کروں گا، اور وہاں سے اسے پکڑ لاؤں گا؛ .... تم پتہ چلاؤ، وہ کہاں ہے؟ اور کس طرف جارہا ہے؟

ثمن خاں: سردار عالم پناہ آپ کے غلام اس کا پتہ لگا چکے ہیں؛

چنگیز: (خوش ہوکر) سچ کہتے ہو ... بتاؤ وہ کہاں ہے؟

ثمن خاں: وہ اصفہان سے غزنی گیا

چنگیز: غزنی ——— ——— وہاں کے کھنڈروں کی زیارت کرکے وہ کیا کرے گا؟ کیا پائے گا؟

ثمن خاں: لیکن وہاں بھی وہ ٹھہرا نہیں۔

چنگیز: پھر کہاں گیا؟

ثمن خاں: میرے آقا وہ ہندوستان جارہا ہے .....

چنگیز خاں: (متعجب ہوکر) ہندوستان جاکر کیا کرے گا؛

ثمن خاں: ہندوستان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہے اور وہ ان مسلمان بادشاہوں کی قوت و طاقت سے واقف ہے، ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، اس کے ذرائع و وسائل لامحدود ہیں اس کی جنگی قوت بہت بڑھی ہوئی ہے، وہ سونے کی کان ہے وہاں دنیا کی ہر چیز موجود ہے!

چنگیز: تو خوارزم شاہ کو امید ہے کہ وہ ان مسلمان بادشاہوں کی مدد حاصل کرے گا؟ اور اور یہ مدد لے کر ہم پر چڑھائی کرے گا؟

ثمن خاں: بیشک میرے آقا اس کا یہی مقصد ہے؛ وہ اسی مقصد کو لے کر بھارت کی طرف

آندھی کی طرح بڑھ رہا ہے!

چنگیز خاں:۔ تو کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا؟ ۔۔ نہیں ہم اس کو بھارت کی سرزمین
تک نہیں پہونچنے دیں گے۔

تمن خاں:۔ بے شک یہی ہونا چاہیئے

چنگیز خاں:۔ اگر یہ سچ ہے کہ وہ بھارت کی طرف بڑھ رہا ہے تو ہمیں فوراً تعاقب پر روانہ
ہو جانا چاہیئے، فوراً یہاں سے کوچ کر دینا چاہیئے۔
ابھی، اسی وقت ــــــــ!

جلال الدین اگر دریا کی تہ میں پہونچے گا تو میں وہاں بھی اس کا تعاقب کرتا ہوا
پہونچ جاؤں گا ــ کوچ ... کوچ .... کوچ .... کوچ ..... کوچ!۔

چنگیز کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور تاتاری لشکر نے کوچ کر دیا۔

!..............................!

کون جیتا ؟

جلال الدین خوارزم شاہ نے محسوس کر لیا تھا کہ چنگیز کا خاتمہ اس جنگ چپاولی (گوریلا لڑائی) سے نہیں ہو سکتا۔ خلافت عباسیہ سے جو امیدیں تھیں وہ منقطع ہو چکی تھیں عزیزوں اور بھائیوں نے پہلے ہی آنکھیں پھیر لی تھیں، دوسرے ملوک و سلاطین سے بھی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سب چنگیز کے نام سے کانپتے اور لرزتے تھے۔ بار بار اسکی نظریں ہندوستان پر رکتیں یہاں بھی مسلمان حکمراں تھے اور ان کی قوت و شوکت ہیبت وعظمت اور جلال و وقار کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ان کے محیر العقول کارناموں اور غیرت ملی کے افسانے سے بھی خوارزم شاہ اچھی طرح واقف تھا سندھ میں سلطان شہاب الدین غوری کا نامور غلام تاج الدین یلدز حکمرانی کر رہا تھا۔ سندھ ہی کو خوارزم شاہ نے تاکا اور اسی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی، چونکہ اب وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جارہا تھا، اس لئے اپنی والدہ ترکان خان، بیگمات اور بچوں کو بھی اس نے مجتمع کر لیا تھا، یہ سب بھی ساتھ جارہے تھے۔ اسکا ارادہ تھا کہ سندھ میں کچھ آرام کرے گا، پھر اگر یلدز نے مدد کی تو خیر، ورنہ دلی تک پہنچے گا اور وہاں سے ایک لشکر گراں لے کر چنگیز کا مقابلہ کریگا اور جب تک اسے صحرائی گوبی میں واپس نہیں پہنچا دیگا

چین سے نہیں بیٹھے گا!

ادھر چنگیز بھی خوارزم شاہ کی گوریلا لڑائی سے تنگ آچکا تھا، اس نے بڑے بڑے ملک ویران کر دیئے، بڑی بڑی حکومتوں کو غارت کر دیا، بڑی بڑی بادشاہتوں کا تخت الٹ دیا، لیکن ایک مشت خاک خوارزم شاہ اور اس کے مٹھی بھر جانبازوں کو فنا نہ کرسکا، یہ اس کی سب سے بڑی ناکامی تھی، یہ اس کی بے پناہ قوت وشوکت کیلئے سب سے بڑا چیلنج تھا، یہ اس کی عالمگیری کشورکشائی اور شان و جلال پر کھلا ہوا طنز تھا، تمسخر تھا۔ اسے وہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا! .... وہ ہر قیمت پر یہ بازی جیت لینے کے لئے بیقرار تھا! ——
وہ اس آخری داؤ پر سب کچھ بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار تھا، چنانچہ جیسے ہی جاسوسوں نے اطلاع دی کہ خوارزم شاہ ہندوستان کی طرف بڑھ رہا ہے وہ بے تابانہ خیمہ سے نکلا اور گھوڑے پر اچک کر بیٹھا، اور کوچ کوچ کا نعرہ لگاتا ہوا چل کھڑا ہوا، وہ ایک منٹ کی تاخیر بھی گوارا نہیں کر رہا تھا۔ اسے ڈر یہ تھا کہیں ایسا نہ ہو خوارزم شاہ ہاتھ سے نکل جائے، وہ چاہتا تھا ہندوستان کی سرزمین تک پہونچنے سے پہلے اسے گرفتار کرلے اور پھر قرار واقعی سزا دے!

چنگیز کی فوجیں سندھ کی طرف بڑھنے لگیں .... یہ فوجیں اتنی ہوشیاری اور سبک روی کے ساتھ بڑھیں کہ انھوں نے عین دریائے سندھ کے دہانے پر خوارزم اور اس کے لشکر کو تین طرف سے گھیر لیا.. چوتھی طرف بحر ناپیدا کنار کی تلاطم خیز اور پرشور موجیں تھیں،

جلال الدین خوارزم شاہ، جو اب تک مغلوب نہ ہوسکا اس کی وجہ بہادری اور شجاعت کے سوا یہ بھی تھی کہ وہ تیز رو اور سبک پا تھا اور آندھی کی طرح آتا تھا۔ اور بجلی کی طرح

اپنی چمک دکھا کر غائب ہو جاتا تھا۔ لیکن اب وہ گھر گیا تھا۔ اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے،

غلامی کی زندگی .... یا موت!

وہ غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا، وہ مرنے کیلئے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ تلوار سونت کر میدان میں کود پڑا۔ وہ بھاگ سکتا تھا، بھاگ کر اپنے بال بچوں اور ان تھوڑے سے سپاہیوں کی جان بچا سکتا تھا، لیکن وہ ایک باغیرت اور خوددار شخص تھا، مرجانا آسان تھا۔ لیکن زندہ رہ کر ذلت کی زندگی بسر کرنا بہت مشکل تھا!

کم از کم اس کے لئے ناممکن تھا۔

وہ موت سے بے پرواہ ہو کر لڑ رہا تھا، زخمی ہو رہا تھا اور قتل کر رہا تھا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مر جائے گا مگر جب تک دم میں دم ہے تلوار نہیں پھینکے گا۔ یہی حال اس کے جری اور جاں باز ساتھیوں کا تھا!

چنگیز کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا، اس جنگ کا سربراہ اس کا بڑا بیٹا تولی خان تھا جسے چغتائی بھی کہتے تھے۔ اس کے بیٹے کو باپ نے حکم دیا تھا کہ ہر قیمت پر جنگ جلد از جلد جیتی جائے اور تولی خان (چغتائی) باپ کے سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا!

گھیرا اور تنگ ہو گیا

اور اس مرتبہ جلال الدین خوارزم شاہ کا خاص خیمہ جس میں اس کی بیگمات اور ماں اور بچے تھے۔ قبضہ میں آگیا۔ تولی خان دوڑا دوڑا باپ کے پاس گیا اس نے یہ خوشخبری سنائی۔ چنگیز نے یہ خوشخبری سنکر تولی خان کو گلے سے لگا لیا، اسکی پیٹھ تھپکی

شاباش لب پیشانی کو بوسہ دیا، اور حکم دیا کہ سب کو گرفتار کر کے حاضر خدمت کیا جائے فوراً ہی حکم کی تعمیل ہوئی، خوارزم شاہی خواتین گرفتار ہو کر آگئیں۔ ان گرفتار شدگان میں خوارزم شاہ کے چار نو عمر لڑکے بھی تھے بڑے لڑکے رن میں باپ کے ساتھ داد شجاعت دے رہے تھے اور یہ شیر خوار بچے چنگیز کے قبضہ میں تھے اتنے میں ایک ننھا سا بچہ رونے لگا چنگیز نے کہا :۔ یہ کون رو رہا ہے ؟

چنگیز :۔ یہ خوارزم شاہ کا ننھا سا بچہ ہے ؟

تولی خاں :۔ سانپ کا بچہ سنپولہ۔ ہمارے سامنے لاؤ .... یہ آج بچہ ہے،

چنگیز :۔ بڑا ہو کر خوارزم شاہ بنے گا، نہیں میں اسے خوارزم شاہ نہیں بننے دوں گا، یہ خوارزم شاہ نہیں بن سکتا! ...... یہ زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتا!

.... اُدھر لاؤ اسے!

ایک سپاہی بچہ کو گود میں اٹھا کر لایا اور چنگیز کے سامنے کھڑا ہو گیا، بچہ نے رونا بند کر دیا اور حیرت سے چنگیز کی صورت دیکھنے لگا، پھر وہ مسکرایا، اور پھر اس نے ایک ہاتھ سے چنگیز کی ڈاڑھی جھک کر پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر طمانچہ لگایا

چنگیز چیخا،

قتل کر دو اسے!

فوراً تلوار چلی، اور بچہ کی گردن زمین پر دھم سے گر پڑی[1]

---

[1] جلال الدین خوارزم شاہ کے بچوں کے قتل کی دردناک لرزہ خیز داستان تمام تاریخوں میں مذکور ہے۔ یہ سفاکی کی انتہا تھی لیکن چنگیز سے توقع بھی یہی تھی! ۔

چنگیز:۔ ایک خوارزم شاہ میدان جنگ میں لڑ رہا ہے۔ دوسرے کی گردن میرے سامنے کٹی ہوئی پڑی ہے!

پھر اس نے قہقہہ لگایا اور کہا

چنگیز:۔ کچھ اور لڑکے بھی خوارزم شاہ کے گرفتار ہوئے ہیں؟

تولی خاں:۔ جی ـــــ تین اور ہیں،

چنگیز:۔ انہیں بھی لاؤ!

فوراً ہی تین نو عمر اور معصوم بچے لا کر سامنے کھڑے کر دیئے گئے، جو بڑی بے بسی سے ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اور نمناک آنکھوں سے پوچھ رہے تھے۔

"ہم نے کیا خطا کی ہے؟"

چنگیز نے ان معصوموں پر ایک نظر ڈالی اور گرجتے ہوئے کہا

چنگیز:۔ ان سب کی گردن اڑا دو!

کھٹا کھٹ تین تلواریں چلیں، اور آن کی آن میں تین چھوٹی چھوٹی لاشیں تڑپنے لگیں!

چنگیز:۔ کوئی اور بھی باقی ہے؟

تولی خاں:۔ جی ـــــ ایک چند ماہ کا بچہ اور ہے۔ سو رہا ہے ماں کی گود میں!

چنگیز:۔ اسے بھی لاؤ!

تولی خاں:۔ اس کی ماں کسی طرح اسے نہیں چھوڑتی۔

چنگیز:۔ دونوں کو لاؤ۔

فوراً ہی ایک خاتون چند سپاہیوں کے جلو میں گود میں ایک بچہ لئے ہوئے حاضر ہوئی چنگیز اسے دیکھ کر حیرت اور بے ساختگی کے ساتھ چیخ پڑا۔

چنگیز: تو — تو — ؟

(فائقہ کھڑی)

چنگیز: اب تو بچ کر کہاں جائے گی؟ — لیکن میں ایک شرط پر تیری اور تیرے بچے کی جان بخشی کر سکتا ہوں!

فائقہ: زندگی کا مالک خدا ہے۔ میری اور تیری زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے!

چنگیز: (اپنی تلوار کی طرف اشارہ کر کے) ساری دنیا کی زندگی میری اس تلوار کی نوک میں ہے — دیکھ خوارزم شاہ کا کس بل نکل گیا۔ اب وہ ہمارے ہاتھ میں ہے اس کے بچوں کو میں نے قتل کر دیا۔ تجھے اور تیرے بچوں کو بھی قتل کر سکتا ہوں اگر تو چاہے تو۔

فائقہ: میں نہیں چاہتی!

چنگیز: حیرت ہے! تو زندہ رہنا نہیں چاہتی یا اپنے بچے کی لاش دیکھ کر مرنا چاہتی ہے؟

فائقہ: ہاں —!

چنگیز: حیرت ہے — کیوں؟

فائقہ: جب میرا آقا موت کے دھانے پر پہونچ چکا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ نہیں بچ سکتا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ — یہ بچہ زندہ رہ کر کیا کرے گا؟ ہم سب کو مر جانا چاہیئے!

چنگیز: زندگی سب کو پیاری ہوتی ہے خاص طور پر اولاد کی۔ میں تجھے ایک موقع اور دیتا ہوں، میری شرط —

فائقہ :۔ تو دنیا کا کتا ہے جو صرف بھونکنا، پنجے مارنا اور خون چوسنا جانتا ہے ،

تجھ سے جو زندگی ملے وہ موت سے بدتر ہے ننگ زندگی ہے وہ زندگی ،

چنگیز یہ الفاظ سنکر بپھر گیا

چنگیز :۔ اس گستاخ کی زبان کاٹ لو ، ذبح کر دو اسے ۔۔ لیکن نہیں پہلے اس کے

بچے کو پھراسے ۔۔۔ !

فائقہ :۔ نہیں اس معصوم بچہ کی مقدس زندگی تیری تلوار کے حوالے نہیں کی جا سکتی

میں اسے زہر دے چکی ہوں ، یہ مر چکا ہے ۔۔۔۔ لے ،

یہ کہہ کر گود سے بچہ کو اٹھا کر فائقہ نے پھینکا ، وہ چنگیز کے منہ سے ٹکرایا

اور سیدھے زمین پر گر پڑا ،

چنگیز :۔ مارو ۔۔۔ قتل کر دو اسے !

فائقہ :۔ میں ..... بھی ۔۔۔ زہر ۔۔۔ پا ۔۔۔ چکی ۔۔۔ ....

اور یہ کہتے کہتے لڑکھڑائی اور تیورا کر گر پڑی ، پتلیاں اوپر چڑھ گئیں ، اور ایک

مرتبہ تشنجی کیفیت اس پر طاری ہوئی اور پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گئی ۔

ان دونوں حادثوں نے چنگیز کو بھی چکرا دیا اور حاضرین کی تو یہ حالت تھی کہ

ان پر مرگ کا سا سکوت چھایا ہوا تھا !

کئی منٹ تک یہی کیفیت طاری رہی !

پھر چنگیز چنگھاڑا ،

چنگیز :۔ کہاں ہے میرا بیٹا چغتائی ۔

چغتائی :۔ (آگے بڑھ کر) میں حاضر ہوں ۔

چینگیز :۔ میرے بعد تجھے بادشاہت سنبھالنی ہے، میں تجھی کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں کہ اس خوارزم شاہ کا سرتو قلم کرے۔ دیکھ اب تک وہ جیداری کے ساتھ لڑا ہے، وہ اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ جدھر نکل جاتا ہے، صفیں کی صفیں الٹ دیتا ہے، یہ میرے لئے، تیرے لئے، ہمارے تاتاریوں کے لئے باعث ننگ و عار ہے!

چغتائی :۔ وہ اب ہمارے پنجے سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ اس کی ہلاکت کا شرف میں اکیلا نہیں حاصل کرنا چاہتا۔ اس شرف میں ہماری ساری فوج شریک ہوگی۔

چینگیز :۔ وہ کس طرح میرے بیٹے؟

چغتائی :۔ ایک طرف بحر ذخار کی طرح دریائے سندھ لہریں لے رہا ہے۔ دوسری طرف باقی ماندہ ہر سہ اطراف سے کمان کی طرح تاتاریوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے، ہمارے حصار کا دائرہ آہستہ آہستہ تنگ تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہ زندہ گرفتار ہوگا۔ پھر مارا جائے گا۔

چینگیز :۔ بہت اچھی تجویز ہے، ہر قیمت پر اسے گرفتار کرو۔ گرفتار کرنے کے بعد ہمارے سامنے پیش کرو۔ ہم اس سے کچھ باتیں کریں پھر اسے قتل کر دو![1]

چغتائی :۔ یہی ہوگا والد محترم!

چینگیز اپنے خیمے کے دروازہ پر کھڑا ہوا جنگ کا سماں دیکھ رہا ہے۔ چغتائی کے

---

[1] ہیرولڈ لیمب نے اپنی کتاب "چینگیز" میں لکھا ہے!
"چینگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو زندہ گرفتار کیا جائے۔"

"ہر باپ کے بیٹے کو اتنا ہی دلیر اور ایسا ہی بہادر ہونا چاہیئے!"[۱]

چغتائی گردن جھکا کر یہ باتیں سنتا رہا پھر چنگیز نے کہا۔

چنگیز: "اب تعاقب بیکار ہے، چلو واپس چلو، اس نے شکست نہیں مانی وہ فاتح ہے"[۲]

---

[۱] چنگیز خاں اس جانباز کو دیکھ رہا تھا جو مع گھوڑے کے دریا میں کود پڑا تھا۔ تھوڑی دیر تک بالکل خاموش کھڑا حیرت سے خوارزم شاہ کو دیکھتا رہا۔ پھر انگشت بدنداں ہو کر اسکی تعریف میں بے اختیار یہ جملہ کہا: "بڑا خوش نصیب تھا وہ باپ جس کا یہ فرزند ہے!" (چنگیز خاں۔ ہیرلڈ لیمب)

اس کی تصدیق فارسی تاریخ سے ہوتی ہے

"چوں این احوال مشاہدہ چنگیز خاں گشت انگشت تحیر بدنداں گزیدہ،

برو آفریں کرد گفت از پسر	بشایسته زاید به گیتی پسر
بہ صحرا چو شیر است بر روز جنگ	بہ دریا دلیر است چوں نہنگ

و روئے بہ فرزنداں آورد و گفت "از چناں پدر پسر چنیں باید!" (روضۃ الصفا ج ۵ ص ۱۲۳)

[۲] شہروں کو تباہ و غارت کر کے جب آخری ویران شہر سے چنگیز خاں آگے بڑھنے لگا تو حسب معمول حکم دیا جس قدر اسیران جنگ لشکر کے ساتھ ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ لشکر کے ساتھ مغلوب بادشاہوں کی بیگمات بھی تھیں، مغل ان کو گوبی لے جا رہے تھے۔ ایک جگہ ان عورتوں کو حکم ہوا کہ سڑک کے کنارے بیٹھ کر اپنے وطن پر آخری نگاہ ڈال کر نوحہ کر لیں۔ (ہیرلڈ لیمب، چنگیز خاں)

فارسی تاریخوں میں زیادہ وضاحت ہے۔ شاید اس لئے کہ چشم دید واقعات ہیں!

"چنگیز خاں از حدود سمرقند بہ صوب مغولستان رواں شد و فرمود تا ترکان خاتون، والدہ سلطان محمد خوارزم شاہ و حرم ہائے آں بادشاہ عالی جاہ پیش پیش لشکر بروند و بآواز بلند (باقی صفحہ ۲۴۴ پر)

یہ کہہ کر اس نے چغتائی کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنے خیمہ کی طرف اس کا سہارا لے کر بڑھا، وہ واقعی اس وقت شکست خوردہ معلوم ہو رہا تھا! ....اس کی ساری محنت اکارت گئی تھی! اور جلال الدین خوارزم شاہ زبان حال سے چنگیز کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا! ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بر ایران و سلطان تاج و سریر ہمہ وقت نوحہ کنند و نفیر!
ز ترکان خاتون - بہ آں قتل ترکاں، تمامی آں راہ
ہمیں ریخت آب و ہمیں کند موئے
جہاں از اں قصہ گفت دگوئے

(حبیب السیر جزاول، جلد سوم صـ۲۷)

ختم شد

(ستارہ)